مرد اور عورت کے درمیان اسلام کا

منصفانہ امتیاز

ولیس الذکر کالأنثی

تالیف:
ڈاکٹر محمود بن احمد بن صالح الدوسری

اردو ترجمانی:
انصار زبیر محمدی

تصحیح و مراجعہ:
محمد ابراہیم سجاد تیمی

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہُ وَ نَسْتَعِینُہُ وَ نَسْتَغْفِرُہُ وَ نَعُوذُ باللہِ مِنْ شُرُورِ أنفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّآتِ أعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہ اللہُ فَلا مُضِلَّلَ لَہُ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلا ھَادِیَ لَہُ و أشْھَدُ أنْ لا اِلَہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہُ لا شَرِیکَ لَہُ وَ أشْھَدُ أنّ مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَ رَسُولُہُ : أمَّا بَعْدُ.

موضوع کی اہمیت:

ا- اسلام نے عورت کی کتنی تکریم کی ہے ،اسے کس قدر بلند مقام دیا ہے ،اس کی حفاظت کا کتنا اہم سامان مہیا کیا ہے، اس کی خلقت کے لحاظ سے اس کا کس قدر خیال کیا ہے اوراس کا مزاج مرد کے مزاج سے کن امور میں الگ ہے، ان پر روشنی ڈالنی مقصود ہے۔

۲- خواتین اور مردوں کے وہ فقہی مباحث جن میں دونوں کا حکم جداگانہ ہے، ان کا ذکر کرنا تاکہ دلائل کے ساتھ تفصیلی گفتگو کے بغیر صرف راجح مسئلہ کی تعیین سے مسائل کے مراجعہ اور سمجھنے میں آسانی رہے۔

۳- مردوعورت کے درمیان مشترک عناصر کو سامنے لا کر اس کی حکمت واضح کرنا تاکہ اس حقیقت کی وضاحت ہو سکے کہ اس سے مقصود دونوں کی امتیازی شان کو سامنے لانا ہے، اس سے نفرت اوراختلاف یا عورت کی تنقیص مقصود نہیں ہے۔

۴- عورت کے بہت سارے خصوصی معاملات جیسے عورت کا میدان عمل میں آنا، ریاست کا ذمہ دار بننا، خاندانی ذمہ داریاں سنبھالنا اوراس کے علاوہ دوسری اہم ذمہ داریاں سنبھالنے کے بارے میں وضاحت اور شکوک وشبہات کا ازالہ اور باطل نظریات پر رد کر کے اسلام کا عادلانہ نقطۂ نظر واضح کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ کس طرح، عورت کے بارے میں انسان ساختہ نظریات وافکار اس خاندانی عمارت کو اوراخلاقی محل کو زمین بوس کر دیتے ہیں جس کی تعمیر مذہبِ اسلام نے کی ہے۔

موضوع کے اختیار کا سبب:

اس موضوع کو منتخب کرنے کے تین کلیدی اسباب ہیں:

ا-اس وقت عالم اسلام کو جن مسائل کا سامنا ہے ان میں اہم ترین مسائل یہ ہیں کہ اسلام کی روشن شبیہ کو داغدار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، خواتین کے مسائل کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جارہا ہے، خواتین کی ترقی اور انصاف کے نام پر زندگی کے تمام میدان حیات میں اسلام پر حملہ کیا جارہا ہے، جدید ذرائع ابلاغ کا سہارا لیکر اسلام کے خلاف زہر پھیلایا جارہا ہے اور عورت کو آڑ بنا کر دن رات یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ مرد عورت کو مساوی قرار دیا جائے اور عورت کے مزاج وطبیعت اور اس کی مناسب ذمہ داریوں کو دھیان میں رکھے بغیر اس بات کی مانگ کی جارہی ہے کہ عورت کو زندگی کے تمام میدانوں میں مرد کی برابری پر لاکھڑا کیا جائے۔ ان سب مطالبات کا بس ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسی بہانے اسلام اور مسلمانوں کی کمر توڑ ڈالی جائے اور ان کو اپنے مطالبات اور دعووں کو مضبوط بنانے کا موقع مل جائے۔ اپنی اس تہذیب اور ان دعووں کی پوری دنیا میں نشر واشاعت کے لیے وہ بیرونی تعلیم اور دوسرے بہت سارے وسائل وذرائع کا بے دریغ استعمال کررہے ہیں۔ اس سلسلے میں وسائلِ ابلاغ میں بے پناہ ترقی نے ان کی بڑی مدد کی ہے کیوں کہ ان کے ذریعہ پوری دنیا ایک گلوبل گاؤں بن گئی ہے جس سے ہم مسلمان انٹرنیٹ اور کیبل اور ان جیسے بہت سارے وسائل کے ذریعے پھونکے گیے زہر کے خطروں سے چاروں طرف سے گھر گیے ہیں۔ ان معاملات کو واضح کرنا، اس موضوع کو اختیار کرنے کا اہم ترین سبب ہے۔

۲- صورتِ اسلام کو بگاڑنے والے ان حملوں اور مغربی تہذیب کے کھوکھلے دعووں نے حکومتی شکل اختیار کرلی ہے۔ ایسا انہوں نے عورت کے بارے میں عالمی کانفرنسوں کے انعقاد کے ذریعہ کیا ہے جن کا مقصد اصل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرنا ہے۔ وہ ان کانفرنسوں اور سیمیناروں میں جو قراردادیں اور تجویزات طے کرتے ہیں، ان کے بارے میں ہم مسلمانوں سے بھی امید رکھتے ہیں کہ ہم انہیں بغیر سوچے سمجھے اپنے معاشرہ وسماج میں نافذ کریں خواہ وہ قراردادیں

اسلامی شریعت سے ہم آہنگ ہوں یا نہ ہوں۔ ان کی اس ناروا خواہش و ہوس کو امتِ اسلامیہ کے سامنے پرزور طریقے سے واضح کرنا، اس موضوع کو اختیار کرنے کا دوسرا اہم ترین سبب ہے۔

۳۔ ان کھوکھلے دعووں نے مسلمان معاشرہ وسماج میں بڑا رواج حاصل کرلیا ہے۔ ان کے آقاؤں کو ایسے بہت سارے مسلم نمائندے مل گیے ہیں جن کی پرورش و پرداخت اسی غلط تہذیب اور غلط خیالات وافکار کی آغوش میں ہوئی ہے۔ اس طرح وہ مسلمان نمائندے ان کے لیے مسلم سماج کے اندر دخل اندازی کرنے کا ہراول دستہ بن گیے ہیں۔ وہ وہی کچھ بولتے اوراور کہتے ہیں جو ان کے منہ میں ڈالا جاتا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے قانون وقواعد اور ایسے بینر بنائے ہیں جو سراپا اسلامی شریعت کے خلاف ہیں۔ آج حالت یہ ہے کہ مسلم سماج میں بہت کم ایسے لوگ بچ گیے ہیں جو اسلامی شریعت کی پوری اطاعت کرتے اور اس کی روایات واقدار کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں۔ لیکن سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسے ہی لوگوں کی مسلسل تنقید کی جاتی ہے اور ان کے خلاف آوازیں اٹھائی جاتی ہیں تاکہ مغربی تہذیب کے افکار ونظریات کی اتباع وپیروی کرنے پر وہ مجبور ہو جائیں۔

یہی وہ اسباب تھے جنہوں نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم عورت کے مسائل کے بارے میں صحیح اسلامی فکر ونظر کو واضح کریں اور ٹھوس دلیلوں سے ثابت کریں کہ اسلامی شریعت مطہرہ نے عورت کو کتنی اور کیسی تکریم وتعظیم عطا کی ہے اور کس طرح زندگی کے تمام میدانوں میں اس کی حفاظت کا سامان فراہم کیا ہے۔

کتاب کی تالیف میں ہمارا طریقۂ کار:

قارئین کی سہولت کی خاطر کتاب میں گفتگو کے طریقہ کی میں وضاحت کرتا چلوں جو حسب ذیل ہے:

ا۔ تمام آیتوں اور احادیث اور اہل علم کے اقوال کی روشنی میں اپنی گفتگو کو خوب اچھی طرح واضح کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ جملہ شکوک وشبہات کا ازالہ ہوتا جائے اور صاف ستھرا منہج سامنے آجائے۔

۲- کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ ہر مسئلہ میں راجح قول کی وضاحت کر دی ہے، آثار وغیرہ کا بھی ذکر کر دیا ہے اور اس باب میں وارد مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے ان سے متعلق تمام شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

۳- قارئین کی سہولت کی خاطر طویل گفتگو سے احتراز کرتے ہوئے راجح قول کو دلیل کے ساتھ ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

۴- اس کتاب کی تالیف میں ہم نے تمام جدید وقدیم مراجع سے استفادہ کیا ہے اور جب مصادر اصلیہ تک کسی سبب سے رسائی حاصل نہ ہوسکی تو جدید مصادر کا سہارا لیا ہے۔

۵- قرآنی آیتوں کو سورت اور نمبر کے ساتھ درج کیا ہے۔ احادیث کو ان کے اصل مصدر سے نقل کیا ہے، اگر حدیث صحیحین میں نہیں ہے تو اہل علم کے اقوال کی روشنی میں ان کا حکم ذکر کر دیا ہے۔

۶- کتاب میں وارد حدیث ذکر کرتے ہوئے غریب الفاظ کی شرح بھی کر دی ہے۔

میں اس رسالہ میں کمال کا دعوی تو نہیں کرتا اس لئے کہ کوئی بھی انسان نقص سے خالی نہیں ہے، کمال صرف اللہ کی ذات کے لئے ہے، میں نے تو حسب استطاعت ایک کوشش کی ہے، اللہ سے دعا ہے کہ اسے قبول فرما کر میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین!

أ.د.محمود بن أحمد الدوسری

داعی ومبلغ وزارت برائے اسلامی امور، دمام

سعودیہ عربیہ

Dosary33@hotmail.com

الدمام ص ب (2779 رب (31461)

سپرئحط

مردوعورت کے درمیان منصفانہ برابری

اس میں تین فصلیں ھیں

پہلی فصل : مساوات اورعدل میں فرق

دوسری فصل : انسانیت میں منصفانہ برابری

تیسری فصل : اسلام میں منصفانہ برابری

پهلی فصل

مساوات اور عدل میں فرق

اس میں چار بحثیں هیں

پہلی بحث : مساوات کی تعریف

دوسری بحث : عدل کی تعریف

تیسری بحث : عدل اور مساوات کے مابین شرعی امتیاز

چوتھی بحث : مرد وعورت کے درمیان مطلق مساوات کے خطرات

پہلی بحث
مساوات کی تعریف

دو یا دو سے زیادہ چیزوں میں مماثلث اور برابری مساوات کہلاتی ہے۔ علماء کے نزدیک مساوات کے معنی کی تعیین میں اختلاف ہے۔ انسانی فکر میں مساوات کے معنی کی تعیین میں دو متضاد رجحان سامنے آئے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

پہلا رجحان: مساوات کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے درمیان ہر فرق کو مٹایا جائے کیونکہ تمام لوگ برابر ہیں، دین وشریعت اور جنس ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتی، اس مساوات کو مطلق مساوات کہا جاتا ہے۔

دوسرا رجحان: کئی چیزوں کے درمیان مکمل مماثلث واجب ہے الا یہ کہ شریعت جس برابری کی نفی کردے اس اعتبار سے کہ شریعت کو برابری اور نابرابری کا مکمل حق ہے۔(۱)

بلاشبہ پہلے رجحان نے بہت سے عبث دروازے کھول دئے ہیں کیونکہ مساوات اپنے مدلول (مخلوقات اور اشیاء میں برابری اور مشابہت) کے اعتبار سے مراد ہوگی اور عادلانہ مساوات اسی وقت ممکن ہوگی جب مخلوقات اور اشیاء کی صفات وخصائص میں برابری اور مشابہ ہو، ورنہ مبنی برانصاف مساوات ممکن ہی نہیں جیسا کہ مرد وعورت کے درمیان مساوات، کیونکہ دو مختلف چیزوں کے درمیان مساوات ظلم صریح ہے جس کی عدل وانصاف نفی کرتے ہیں۔(۲)

بلکہ پہلا رجحان صریح شرعی نصوص کے خلاف ہے کیونکہ شرعی نصوص بعض اشیاء کے درمیان برابری کی نفی کرتے ہیں، مثلاً مومن اور کافر، روشنی اور تاریکی، مذکر اور مونث وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**افمن كان مؤمنا كمن كانَ فاسقا لايستؤن**﴾ ''کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو

(۱) اثر المساواة فی الفکر الاسلامی المعاصر ڈاکٹر علاء الدین الأمین الزاکی ،مجلة البیان عدد(۲۴۰)شعبان ۱۴۲۸ھ،ص ۸

(۲) المساواة العادلة بين الجنسين فی الاسلام ،ڈاکٹر مکارم محمود الدیری، ص ۱۵۱

فاسق ہو'' (السجدہ:۱۸)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وما يستوى الأحياء ولا الأ موات﴾ (فاطر:۲۲) ''اور زندے اور مردے برابر نہیں ہوسکتے۔''

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وليس الذكر كالأنثى﴾ (آل عمران:۳۶) ''اور مذکر (مرد) مونث (عورت) کی طرح نہیں''۔

شیخ ابن عثیمین نے اس سلسلہ میں کیا ہی خوب بات کہی ہے کہ: ''جو شخص دین اسلام کو مساواتی دین کہتا ہے، اس نے اسلام کی بابت غلطی کھائی ہے۔ اسلام تو دین عدل ہے دو برابر چیزوں کو اکٹھا کرنے اور دو مختلف چیزوں کو جدا جدا کرنے کا نام ہے۔ قرآن کریم میں کہیں بھی مساوات کا حکم نہیں ہے بلکہ قرآن عدل کا حکم کرتا ہے''۔(۱)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے اس محکم قاعدہ کی رو سے ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ:

(۱) مساوات عادلہ دو برابر کی چیزوں کو جمع کرتی اور دو مختلف چیزوں کو متفرق کرتی ہے۔

(۲) مساوات مطلقہ دو مخالف اور مساوی چیزوں کو جمع کرتی ہے گویا مساوات مطلقہ دو باہم متضاد چیزوں میں برابری کرتی ہے جو عدل وانصاف سے بعید تر چیز ہے۔

شیخ رحمہ اللہ کے مذکورہ قاعدہ کی رو سے مساوات کی شرعی واصطلاحی تعریف یہ ہوگی: ''دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے درمیان شرعی احکام میں برابری''۔(۲)

---

(۱) شرح العقيدة الواسطية: ۱/ ۲۲۹–۲۳۰

(۲) حقوق وواجباب المرأة فى الاسلام ،ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، ص: ۳۷

دوسری بحث

عدل کی تعریف

جیسا کہ مساوات کے معنی کی تعیین میں لوگوں کا اختلاف ہے، اسی طرح عدل کے معنی کی تعیین میں بھی اختلاف ہے کیوں کہ اسی طرح عدل کے مفہوم کی تعیین میں بھی متضاد رجحانات (نظریات) سامنے آتے ہیں، مثلاً:

(۱) **پہلا نظریہ**: عدل اور مساوات مترادف کلمات ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۲) **دوسرا نظریہ**: اور یہی شریعت کا بھی رجحان ہے کہ عدل کا مفہوم ہے دو برابر کی چیزوں کو جمع کرنا اور دو متضاد چیزوں میں فرق کرنا۔[۱]

اس دوسرے نظریہ کے اعتبار سے شریعت کا ہر حکم مبنی بر عدل ہے کیونکہ شریعت عدل کا حکم کرتی ہے اور منع بھی کرتی ہے، جمع بھی کرتی ہے اور تفریق بھی کرتی ہے، گویا عدل اصطلاح شرع میں:

کسی چیز کو اسی جگہ رکھنے کا نام ہے جہاں رکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ بالفاظ دیگر، عدل کسی چیز یا جنس کے تمام گوشوں کو توازن کی کسوٹی پر بایں طور رکھنے کو کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا حق بغیر کسی کمی بیشی اور ظلم کے دے دیا جائے۔[۲]

---

(۱) اثر المساواۃ فی الفکر الاسلامی المعاصر، ص: ۹

(۲) المساواۃ العادلۃ بین الجنسین فی الاسلام، ص: ۱۵۱

تیسری بحث

عدل اور مساوات کے مابین شرعی امتیاز

گزشتہ دونوں مباحث میں جو کچھ ذکر ہوا، اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ شریعت نے عدل اور مساوات میں فرق رکھا ہے اور اہم فرق یہ ہیں(۱):

۱- ہر زمانہ میں، ہر جگہ اور ہر شخص کے ساتھ شریعت عدل کا حکم کرتی ہے اور مطلقاً اس کی ترغیب دلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ لِلّهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾(المائدہ:۸)

''اے ایمان والو! تم للّٰہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمھیں خلافِ عدل کام پر آمادہ نہ کرے۔ عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقین مانو کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَاء ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾(النحل:۹۰)

''اللہ تعالیٰ بھلائی کا، عدل کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے اور خود تمھیں نصیحت کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو''۔

(۱) أثرالمساواۃ فی الفکر الا سلامی المعاصر، ص:۱۰-۹

حالانکہ دوسری طرف قرآن کریم میں بعض مقامات پر مساوات کی نفی کی گئی ہے۔ مثلا اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ﴾(فاطر: ٢٢)

''مردے اورزندے برابر نہیں ہیں'' اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى﴾(آل عمران: ٣٦) ''مذکر، مونث کی طرح نہیں ہے''۔

۲۔ عدل برابری اور تفریق دونوں کو شامل ہے اور مساوات صرف برابری کو شامل ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے بعض جگہوں پر مساوات کو عدل سے تعبیر کیا ہے:

مثلاً: حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے والد حضرت بشیر رضی اللہ عنہ (نے اپنے لڑکے نعمان کو ایک عطیہ دیا اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اسی جیسا عطیہ تم نے اپنی تمام اولاد کو دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں تو اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فاتقوا الله و اعدلوا بين أولادكم''

اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کو قائم رکھو۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے اور اپنا ہدیہ واپس لے لیا۔[1]

عطیات میں اولاد کے درمیان برابری عدل ہے[2] اور بیویوں کے مابین نفقہ اور سکن میں برابری عدل ہے اور عدل ہی میں سے یہ بھی ہے کہ میراث اور گواہی میں مرد وعورت کے مابین تفریق ہو اور اس جیسے دوسرے امور جن میں تفریق کرنے کا شریعت حکم دیتی ہے۔

چنانچہ اسلام دین عدل ہے نہ کہ دین مساوات، کیونکہ عدل اطراف کے مابین موازنہ کا متقاضی ہے بایں طور کہ ہر ایک کو اس کا واقعی حق بغیر کسی کمی بیشی کے دیا جائے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا اس بارے میں کہنا یہ ہے کہ بہت سے لوگ عدل کے مقابلے میں مساوات کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو کہ غلط ہے۔ عدل کو مساوات نہیں کہا جائے گا کیونکہ مساوات دو ایسی چیزوں میں جن میں حکمت تفریق کی متقاضی ہے، برابری کا تقاضا کرے گی۔

---

(۱) بخاری (۲/۷۸۱، حدیث نمبر: ۲۵۸۷)

(۲) تحفة الأحوذی للمبارکفوری، ۴/۵۰۶

تسویہ (برابری) کی اس ظالمانہ دعوت کی وجہ سے لوگ کہنے لگے کہ مذکر ومونث میں کیا فرق ہے؟ اورانہوں نے دونوں کو برابر قرار دیا۔ یہاں تک کہ سیکولرزم کا کہنا ہے کہ حاکم اور محکوم میں کون سا فرق ہے؟ کسی کو بھی دوسرے پر کوئی اختیار وتفوق حاصل نہیں ہوسکتا ہے حتی کہ باپ اور بیٹے کے درمیان بھی، باپ کو بیٹے پر کوئی اقتدار نہیں......اسی طرح دوسری چیزوں کو سمجھ لیجئے!

''لیکن جب ہم عدل کہتے ہیں اور وہ ہے ہر ایک کو اس کا واقعی حق دینا تو یہ غلط فہمی دور ہوجاتی ہے اور عبارت درست ہوجاتی ہے''۔(۱)

سچائی یہ ہے کہ عدل، مساوات سے زیادہ عام اور کشادہ معانی کا حامل ہے۔ عدل مساوات کو محدود کرتا ہے۔ عدل کا تقاضا ہے کہ عورت مرد سے آدھا لے اور عدل یہ بھی تقاضہ کرتا ہے کہ دو بہنوں کا حصہ میراث میں برابر ہو۔ حالانکہ پہلی صورت میں مساوات نہیں ہے البتہ عدل اس میں بھی مکمل پایا گیا جس طرح کہ دوسری صورت حال میں پایا گیا کیونکہ عدل کہتے ہی اس کو ہیں کہ ہر ایک کو اس کا واقعی حق دیا جائے جیسا کہ گزر چکا۔

۳۔اس میں عدل کا لفظ شریعت سے تناقض کو دور کرنے کیلئے استعمال کیا گیا ہے کیوں کہ عدل میں تفریق اور مساوات، دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں جبکہ اس میں مساوات کا استعمال شرعی نصوص کی صریح مخالفت ہے جو بعض جگہوں میں تفریق کے ساتھ آئی ہے نیز اس میں ان شرعی نصوص کے مابین دعوائے تناقض بھی نہاں ہے اگر چہ دعویدار نے کھل کر یہ بات نہیں کہی ہے۔

اس کی سب سے واضح مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

﴿أَفَمَن كَانَ مُؤْمِناً كَمَن كَانَ فَاسِقاً لَّا يَسْتَوُونَ﴾(السجدہ: ۱۸)

''کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟ یہ برابر نہیں ہوسکتے''۔

''ثابت ہوا کہ مومنین اور فاسقین کو برابر قرار دینا ظلم ہے کیونکہ عدل یہاں تفریق کی متقاضی ہے۔ اس سلسلہ میں سعدی رحمہ للہ کہتے ہیں کہ ''لایستوٗ ون''یعنی شرعی اور عقلی طور پر۔ جس طرح کہ رات اور دن ،روشنی اور تاریکی برابر نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح آخرت کے ثواب میں بھی مومن اور منافق برابر نہیں ہوں

(۱) شرح العقيدة الواسطية ۲۲۹/۱

گے"۔(۱)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ مالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾(قلم: ۳۵۔ ۳۶)

"کیا ہم مسلمانوں کو مثل گنہ گاروں کے کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسے فیصلے کر رہے ہو"۔

حتی کہ خود مسلمانوں کے مابین دنیا میں ان کے اعمال صالحہ میں برابری ممکن نہیں ورنہ اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ آخرت میں بھی ان کے درجات برابر ہوں۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مسلمانوں کے اعمال کے درمیان مساوات کی نفی کی ہے اور آخرت میں بھی ان کے درجات میں برابری کی نفی کی ہے کیوں کہ یہی عدل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے:

﴿لا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلاًّ وَعَدَ اللّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْراً عَظِيماً﴾(النساء:۹۵)

"اپنی جانوں اور مالوں سے خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں۔اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے۔"

اور اس قولِ الٰہی میں:

﴿لا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُوْلَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلّاً وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾(الحديد:۱۰)

(۱) تيسير الكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان: ۱۲۷/۴

’’تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور جہاد کیا ہے، وہ دوسروں کے برابر نہیں بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کئے۔ ہاں! بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ باخبر ہے‘‘۔

اس جیسی اور بھی بہت ساری آیتیں ہیں جو فرق پر دلالت کرتی ہیں۔

چوتھی بحث

مردوعورت کے درمیان مطلق مساوات کے خطرات

مردوزن کے درمیان مماثل یا مطلق مساوات کا نفاذ ایک سیکولر طرزِ فکر ہے جس کی آواز عالم عرب میں نسواں سیکولر تحریکات نے اٹھائی اور یہ تحریک پورے عالم اسلام میں پھیل گئی۔ یہ مردوعورت کے مابین مطلق مساوات کے ذریعہ عورت کو دین سے دور کردینے کی داعی ہے۔ یہ تحریکیں اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے ظاہر ہوئیں جس کی مغرب میں بہت پہلے سے عورت کی آزادی کی سیکولرزم تحریکیں داعی ہیں۔ انتہاپسند نسوانی تحریک کے انقلاب سے پہلے جو اس فکر پر اعتماد رکھتی ہے کہ عورت اپنی جنس کی وجہ سے مظلوم ہے۔ لہٰذا دونوں جنسوں کے مابین قائم تعلقات میں تبدیلی پیدا کرنا واجب ہے، جسمانی خصوصیات کا لحاظ کئے بغیر اور یہ تحریک دونوں جنسوں میں تخلیقی فرق کے اصول کو توڑ دینے پر قائم ہے جیسا کہ اس تحریک نے خاندان میں پدری اقتدار کو بھی ختم کردیا ہے۔ اسی طرح یہ تحریکات مرد کی قوامیت کی بھی منکر ہیں کیوں کہ قوامیت کا مطلب ہی ان کے نزدیک غلبہ اور دھونس ہے۔

آج جہاں ایک طرف میراث میں مساوات کا مطالبہ ہورہا ہے، اس کے ساتھ ہی مرد کے لئے تعدداز دواج کی مخالفت کی جارہی ہے، اسی کے ساتھ عورت سے ماں کا صحیح کردار ادا کرنے کی بات کی جارہی ہے اور تمام مشترکہ اقدارِ حیات جو ازل سے ہی بنی نوعِ انساں کے ساتھ چلی آرہی ہیں، ان کی بھی دعوے دار ہیں لیکن مغربی معاشروں کی زندگی میں مادی اقدار کی طغیانی اور سرکشی نے انہیں عورت کی طرف محض منفعت، لذت اندوزی اور خاندانی اقدار وروایات کے مقابلے میں مادی منفعتوں کی نظر سے دیکھنے پر مجبور کردیا ہے نیز اخلاقی اقدار کو پسِ پشت ڈال کر بازاری زندگی کا اہتمام کرنا شروع کردیا ہے ساتھ ہی عورت کا ماں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے جو کردار ہوسکتا ہے، اس سے یکسر غفلت برتی جارہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مغرب عورت اور اس کے حقوق کو معاشرتی سیاق وسباق سے باہر کی چیز سمجھ رہا ہے اور اس فکر ونظر نے خاندان، عورت اور ماں کا مفہوم بدل دیا ہے اور اس کی

جدید تعریف تلاش کرنے کا آغاز کردیا ہے۔(۱)

جب کہ یہ بات ہر ایک کے مشاہدہ میں ہے کہ مرد وعورت کے درمیان مساوات کا جو عادلانہ نظام اسلام کے پاس ہے، تمام اقوام اس سے محروم ہیں، عورت کی آزادی کا راگ الاپنے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔

اسلام کا عادلانہ نظام مرد وعورت کے درمیان تعلقات کی نوعیت کی تحدید اس عام حوالے کے ذریعہ کرتا ہے جس پر تمام مسلمانانِ عالم اعتماد کرتے ہیں اور اسلامی تصور کے ان حکمراں اصول وضوابط کے تحت کرتا ہے جن پر دنیا، زندگی اور انسان کے بارے میں اس کے نظریہ وتصور کا دارومدار ہے اور ظاہر ہے، اسلام کا یہ عادلانہ نظام اس نظریہ وتصور کے بالکل مخالف ہے جس پر دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں کے فلسفہ ونظریاتِ حیات کا انحصار ہے۔(۲)

عالمِ اسلام میں جاری آزادی نسواں تحریکات کی تہہ میں جھانکنے والا آسانی سے معلوم کرسکتا ہے کہ ان تحریکات کے لیڈران انہیں مغربی فلسفہ ہائے حیات کے مظاہر سے غایت درجہ متاثر ہیں اور عالمِ اسلام کی نسوانی تحریکات اور مغربی نسوانی تحریکات کے درمیان بے شمار عوامل میں اشتراکِ کلی ہے بلکہ دونوں کے دعووں، نعروں، انہیں پیش کرنے کے طریقوں، دلیلوں اور اسالیب میں بھی دونوں میں پوری یکسانیت ہے۔

مرد وعورت معاشرہ کی دو اہم اور مستقل اکائی ہیں

مرد وعورت کو اللہ تعالیٰ نے جس ساخت پر پیدا کیا ہے، دونوں اپنی اپنی جگہ مختلف مگر ایک مکمل اکائی ہیں، اللہ نے ان میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے، ازدواجی زندگی میں دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں، یہی حال کائنات کی تمام مخلوقات کا ہے، اللہ نے ہر ایک کو مستقل تخلیق کے باوجود ایک دوسرے سے مربوط کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

(۱) تیسیر الکریم الرحمن: ۱۵۲/۴

(۲) تیسیر الکریم الرحمن، ص: ۱۵۲–۱۵۷

ومن کل شئی خلقنازوجین لعلکم تذکرون. (الذاریات:٤٩)

پوری زندہ کائنات میں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی کئی اکائیاں ہیں اور ایک دوسرے کو مکمل کرنے والی اکائیاں بھی جیسے دن اور رات، سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی دونشانیاں ہیں جو اپنی اپنی ذمہ داری نبھانے میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ومن آیاته اللیل والنهار والشمس والقمر. (فصلت: ٣٧)

''اور اللہ کی نشانیوں میں سے رات دن اور سورج اور چاند بھی ہیں۔''

اسی طرح کئی ایسی اکائیاں بھی ہیں جو ایک دوسرے کی مخالف ہیں کیوں کہ ایسا ہونا زمین کو آباد رکھنے کے لیے ضروری ہے جیسے خیر وشر اور ظلم وعدل جیسی اکائیاں جو آپس میں مختلف مگر ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں جیسے اگر برائی نہ ہو تو بھلائی کی پہچان نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اسے برائی سے بچایا جا سکتا ہے۔ حقیقت میں ایسا اختلاف اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا:

وَلَوْلاَ دَفْعُ اللّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الأَرْضُ (البقرہ: ٢٥١)

''اگر اللہ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو راہ سے ہٹاتا نہ رہتا تو دنیا خراب ہو جاتی۔''

اس سے واضح ہو جاتا ہے مرد عورت سماج کی دو اکائیاں ہیں جن پر اس کی استقامت کا دارومدار ہے۔ اگر دونوں ایک دوسرے کا ذریعۂ تکمیل نہ بن کر ایک ہی سمت میں چلنے لگیں گی تو خود ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ دھرتی آباد ہوگی یا پھر اس کی مکمل تباہی یقینی ہے۔[1]

خواتین کی کھلی آزادی اور اس کے خطرات

بھیڑیا ہمیشہ بھیڑیا ہی ہوتا ہے، دشمنان اسلام کبھی بھی عورت کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، خواتین کی آزادی کے نام پر عورت کی عصمت کو تارتار کرنا مقصود ہے، بے حیائی اور بے غیرتی جن کا مشن ہو وہ کیسے عورت کو انصاف دلا سکتے ہیں؟ البتہ انصاف اور ہمدردی کے نام پر اپنی ہوس بجھانے کا سامان

(١) تیسیر الکریم الرحمن، ص:١٥٣–١٥۴

مہیا کر سکتے ہیں،سیکولرازم کے نام پر اسلامی تشخص کوختم کرنامقصود ہے ،اس لئے آزادیٔ نسواں یاہمدردیِ نسواں کے سارے دعوے کھوکھلے اور باطل ہیں، یہ شیطانی فریب اورابلیسی جال ہیں،جن سے عورت کی حفاظت کا ڈھونگ رچا جا تا ہے۔معاشرہ پراس کے جوخطرات مرتب ہوتے ہیں ان میں سے چند کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

ا۔ اس آزادی کے نام پر بے حیائی کوفروغ دے کرعورت کی قیادت وحکمرانی کی سبیل نکالنا چاہتے ہیں۔اسی طرح اب تو دنیا کے بہت کم ملکوں میں عورت کی حکمرانی کے لئے مرد لازم ہونے کا قانون موجود ہے۔

۲۔ آزادی اورنام نہاد برابری کا نعرہ دے کرمردوں کے حقوق کی پامالی مقصود ہے،اس لئے کہ صنف کے لحاظ سے ہرایک کے حقوق مقرر ہیں،میراث میں بھی عورت کا حق مقرر ہے،شریعت میں ان تمام کی رعایت ہے،مگراس تحریک کے ذریعہ حقوق کی پامالی بھی مقصود ہے۔

۳۔اس سے بچوں کے حقوق بھی ضائع ہوجائیں گے،اس لئے کہ پرورش کی اصل ذمہ داری ماں کی ہوتی ہے،ماں کی ممتا کا کوئی جواب نہیں ہوتا ہے،اورنہ ہی اس کا کوئی حق ادا کرسکتا ہے۔

۴۔اس قسم کی تحریکوں کے ذریعہ دین کا دائرہ محدود کرکے دین کودنیا سے الگ کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔

۵۔اس کے ذریعہ سماج اورمعاشرہ کی عزت وپاکدامنی بھی مشکوک ہوجاتی اوراس کی ثقاہت متاثر ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام میں مردوعورت کے حقوق مقرر ہیں،ان کی ذمہ داریاں معین ہیں،فطری قانون سے چھیڑ چھاڑ بندوں کی تباہی کا سبب ہے۔

دوسری فصل

انسانیت میں عادلانہ مساوات

اس میں تین بحثیں ہیں

پہلی بحث: بشری اعتبار سے مساوات

دوسری بحث: انسانی شرافت کے اعتبار سے مساوات

تیسری بحث : حق زندگی میں مساوات

پہلی بحث

بشری اعتبار سے مساوات

تمام لوگ خواہ کسی بھی رنگ اور نسل کے ہوں انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں۔جس طرح کہ وہ پیدائش اور اصل کے لحاظ سے مساوی ہیں۔اس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾(الحجرات:١٣)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو قبائل اور قوم بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور جان لو کہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو، بے شک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے''۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مذکر و مونث کے مابین اصل اور پیدائش میں مساوات ہے۔اسی طرح شعوب اور قبائل کے مابین بشری اعتبار سے بھی مساوات ہے۔کالے، گورے اور سرخ، لمبے اور ناٹے،عربی اور عجمی، مذکر اور مونث میں کوئی فرق نہیں ہے۔اولاد آدم میں قبائل اور گروہ کا اختلاف بشری اعتبار سے نہیں ہے بلکہ یہ باہم متعارف ہونے،تعاون اور قریب آنے کا مصدر ہے۔اسی بنیاد پر دونوں جنسوں یعنی مذکر اور مونث کا اختلاف باعث جذب ہے نہ کہ باعث تضاد جیسا کہ انسانوں کی تقسیم قبائل اور اقوام وغیرہ میں، یہ بعض کو بعض سے متعارف کراتا ہے،لہٰذا لوگ اپنے آباء واجداد کی طرف منسوب ہوتے ہیں،اور آپسی رشتوں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔یہ تقسیم ان کے درمیان بطور فخر نہیں ہے کہ یہ عورت ہے، یہ مرد ہے یا یہ فلاں قبیلہ کا ہے اور یہ فلاں خاندان کا۔

اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا:''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلی نخوت اور فخر وغرور کو ختم کر دیا ہے اور اپنے آباء واجداد پر فخر کو مٹا دیا ہے، چنانچہ تمام انسان دو قسموں میں

منقسم ہیں، یا تو وہ اللہ کا نیک بندہ ہے، جو اللہ کی نظر میں محترم ہے یا فاسق وفاجر جو اللہ کی نظر میں ذلیل ورسوا ہے، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا تھا۔(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿**يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ**﴾(الحجرات:۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبائل اور اقوام بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، جان لو کہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے، بیشک اللہ جاننے والا اور خبردار ہے۔''(۲)

اب ذرا ان اسلامی مواعظِ حسنہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ وعلیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ اور دوسری اقوام کے عورت کی انسانی حیثیت کے بارے میں نظریات کا تقابلی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی مذہب اور اس کے ماننے والے عورت کو انسان شمار ہی نہیں کرتے۔

تحریف شدہ نصرانیت میں عورت:

پاک مذہبی زندگی بسر کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ یا تو آدمی نکاح ہی نہ کرے یا اگر نکاح کرلیا ہو تو میاں اور بیوی ایک دوسرے سے زن وشوہر کا تعلق نہ رکھیں۔ یہاں تک کہ ''بونا فنتور'' جو قدیس کے لقب سے مشہور ہے، کہتا ہے کہ جب تم کسی عورت کو دیکھو تو یہ مت سمجھو کہ تم نے ایک انسانی وجود دیکھا بلکہ یہ بھی نہ سمجھو کہ تم نے کسی وحشی وجود کو دیکھا۔ تم نے تو شیطان کو دیکھا ہے اور اس کی آواز اژدھے کی پھنکار ہے۔(۳)

پانچویں صدی عیسوی میں لاہوتیوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں یہ زیر بحث تھا کہ کیا عورت بے روح جسم ہے یا ذی روح جسم کہ جس کے ساتھ نجات اور ہلاکت وابستہ ہو۔ بحث وتمحیص

---

(۱) دیکھئے تحفة الأحوذی:۱۱۰/۹،عون المعبود ۱۲/۱

(۲) ترمذی ۳۸۹/۵حدیث نمبر:۳۲۷۰۔شیخ البانی نے صحیح کہاہے:دیکھئے صحیح سنن ترمذی:۳۳۴/۳–۳۲۷

(۳) العلمانیة نشأتھا وتطورہا وآثارہا فی الحیاة الاسلامیة المعاصرہ :ڈاکٹر سفر الحوالی، ص:۸۱

کے بعد کانفرنس میں شریک لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت بغیر روح کے صرف ایک جسم ہے۔ نصرانیوں کا عورت کے بارے میں یہ خیال بھی ہے کہ وہ نجات کی مستحق نہیں لیکن حضرت مریم علیہا السلام کو وہ لوگ نجات کا مستحق سمجھتے ہیں۔ (۱)

چھٹی صدی عیسوی میں (۵۸۶ء) فرنسیوں نے ایک کانفرنس منعقد کی جس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ عورت انسان ہے یا نہیں؟ اس میں روح بھی ہے یا نہیں؟ اگر روح ہے تو وہ حیوانی روح ہے یا انسانی؟ اور اگر انسانی روح ہے تو کیا وہ روح مرد کی روح کی مساوی ہے یا اس سے فروتر؟ بحث وتمحیص کے بعد کانفرنس میں شریک لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت انسان ہے اور اسے مرد کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ (۲)

ایسے وقت میں اسلام ظہور پذیر ہوا اور اس نے ثابت کر دیا کہ بشری اور تخلیقی اعتبار سے مرد وعورت میں مکمل عادلانہ مساوات ہے، دونوں کے مابین اچھائی اور برائی، ایمان اور کفر میں مساوات ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا○ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ○ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾ (الشمس:۷-۱۰)

”قسم ہے نفس کی اور اسے درست کرنے کی، پھر اللہ نے اس کو (نفس یعنی مرد وعورت) سمجھ دی برائی کی اور بچ کر چلنے کی، جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا، اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔“

---

(۱) المرأة فى القرآن، عباس محمود العقاد، ص: ۵۴، المرأة بين الفقه والقانون، ڈاکٹر مصطفى السباعى، (ص: ۱۸)

(۲) المرأة بين تكريم الاسلام واہانة الجاہلية: ڈاکٹر محمدن بن احمد المقدم، (ص: ۵۲)

دوسری بحث

انسانی شرافت میں مساوات

تمام لوگ شرافت انسانی میں برابر ہیں خواہ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا بوڑھے اور ہر ایک چاہے مرد ہو یا عورت ایسی مخلوق ہے جو تکریم کے لائق ہے۔ اقدار، آزادی اور عزت و شرافت میں سب برابر ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً﴾ (الاسراء: ۷۰)

''اور یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت عطا فرمائی''۔

اور اللہ تعالیٰ کی انسانوں کو عطا کی گئی تکریم یہ ہے کہ انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور ملائکہ عظام سے اس کا سجدہ کرایا اور دنیا کی سب چیزوں کو اس کے لئے مسخر کیا۔ چنانچہ نفس انسانیت کی وجہ سے انسان پورے عالم کی تمام مخلوقات سے افضل اور مکرم ہے۔ قرآن کریم میں انسانوں کی تمام مخلوقات پر برتری اور فضیلت کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس میں دور اور نزدیک کہیں سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس سے مراد صرف مرد ہی ہیں بلکہ اس سے مراد مرد و عورت دونوں ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے اور یہ ایسا مسلمہ اور جگ ظاہر مسئلہ ہے جس پر کسی دلیل ضرورت نہیں کیونکہ سورج اپنے وجود پر کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔

اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنا انسانی شرافت کو منہدم کرنا ہے

جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا اور تمام مخلوقات پر جس کو برتری دی، اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کی کوشش کرے جیسا کہ آج سرجری وغیرہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے، یا

آپریشن کے ذریعہ جنس تبدیل کردی جاتی ہے اور مرد کو عورت اور عورت کو مرد بنادیا جاتا ہے۔اللہ رب العزت نے شرافت انسانیت کی حفاظت کے لئے اس سے منع فرمایاہے، خواہ وہ مذکر ہو یا مونث، اورانسان کی انسانیت پراس کوظلم سے تعبیر کیا ہے۔ یہ شیطان کا پسندیدہ عمل ہے جس نے کہا کہ:

﴿وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً ○ وَلأُضِلَّنَّهُمْ وَلأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الأَنْعَامِ وَلآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّهِ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيّاً مِّن دُونِ اللّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَاناً مُّبِيناً﴾(النساء:۱۱۸-۱۱۹)

''میں تیرے بندوں میں سے مقرر حصہ لے کر رہوں گا اورانہیں راہ سے بہکا تا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اورانہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں، اوران سے کہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں، سنو! جوشخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کواپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا''۔

فرانسیسی مستشرق غوستاف لوبون اسلام میں عورتوں کے مقام ومرتبہ اورشرافت کی حفاظت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

''اسلام نے مشرق میں عورت کے حال پرعظیم اثر ڈالا، اسلام نے عورت کی معاشرتی حالت کو بہت بلند کیا، چنانچہ قرآن نے انہیں ہمارے یورپی قوانین سے کہیں بہتر وراثت کاحق عطا کیا۔مشرق میں بالعموم عورتوں کولائق احترام وکرامت سمجھا جاتا ہے۔کسی کو یہ ہمت نہیں ہے کہ راہ چلتے عورت پر ہاتھ ڈالے اور نہ کسی فوجی کی یہ جرأت کہ وہ کسی عورت پر دست درازی کرے، چاہے وہ عورت کسی بکھیڑے اور پریشانی ہی میں کیوں نہ ہو۔اس کا شوہراس کا محافظ ونگہبان ہوتا ہے۔مشرق میں توماں کی خدمت کوعبادت کے درجہ میں رکھا جاتا ہے۔مشرق میں کوئی شوہر بیوی کی کمائی کھانے کی کوشش نہیں کرتا ہے، مرد ہی عورت کا مہرادا کرتا ہے۔[1]

---

(۱) حضارۃ العرب ،ترجمہ عادل زعیتر، ص: ۴۸۸-۴۸۷،قدرے تبدیلی کے ساتھ۔

عورت کی شرافت کومنہدم کرنا اسلام کے دائرہ سے باہر ہے:

اسلام نے فیصلہ کیا ہے کہ انسانی شرافت میں مرد وعورت دونوں مساوی ہیں۔ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

عورت یونان میں:

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اہل یونان اپنے عروج واقبال کے زمانہ میں عورت کوگری پڑی چیز کے مشابہ مانتے اوراس کی خرید وفروخت کرتے تھے۔اسے نہ توکسی طرح کی آزادی حاصل تھی اور نہ کوئی شہری حق۔میراث میں بھی اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔عورت پوری زندگی مرد کے قبضہ میں رہتی اور وہی جس سے چاہتا اس کی شادی کرتا۔مالی معاملات میں بھی عورت کوکسی طرح کے تصرف کا حق حاصل نہ تھا۔

عورت روم میں:

یونانیوں کے بعد جس قوم کودنیا میں عروج نصیب ہوا، وہ اہل روم تھے۔یہاں بھی وہی نشیب وفراز ہمارے سامنے آتے ہیں جواوپر آپ دیکھ چکے ہیں۔رومی لوگ وحشت کی تاریکی سے نکل کر جب تاریخ کے روشن منظر پرنمودار ہوتے ہیں توان کے نظام معاشرت کا نقشہ یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنے خاندان کا سردار ہے۔اس کواپنے بیوی بچوں پر پورے حقوق مالکانہ حاصل ہیں بلکہ بعض حالات میں وہ بیوی کوقتل کردینے کا بھی مجاز ہے۔

عورت ہندوستان میں:

ہندوستان میں عورتوں کی بیچارگی کی سب سے بڑی مثال ''ستی'' کی رسم تھی۔جس میں عورت کو اپنے شوہر کی چتاپرقربان ہوکرزندہ جل کرراکھ ہونا پڑتا تھا کیونکہ ان کے نزدیک شوہر کی وفات کے بعد عورت کوزندہ رہنے کا کوئی سبب اوروجہ نہیں ہے۔اسی لئے شوہر کی چتاپراسے قربان کردیا جاتا۔افسوس اورتعجب تو یہ ہے کہ اب تک بعض قدامت پسند ہندو اسے ایک مقدس مذہبی رسم سمجھتے ہیں اوراس پر

پابندی عائد کرنے کو ہندو مذہب میں مداخلت تصور کرتے ہیں۔ ہندوستانی عورت پر اس ظلم وستم کو اسلام نے ختم کیا کیونکہ اس وقت پورے ہندوستان پر اسلامی حکومت تھی تا آنکہ انگریز آئے اورانہوں نے مسلمانوں سے حکومت کی باگ ڈور چھین لی اور ہندوستانی باشندوں کے ساتھ انتہائی براسلوک کیا۔خاص طور پر مسلمانوں پر توانہوں نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔

عورت عرب میں:

اسلام سے پہلے عرب قوم میں بھی عورت مظلوم تھی، ان کے یہاں عورت مملوکہ سامان کی طرح تھی، جس کے کچھ حقوق اور عزت نہ تھے، اسے میراث کا حق حاصل نہ تھا، نکاح کی مختلف ایسی صورتیں رائج تھیں جن سے یہ تصور ہوتا تھا کہ ان کی نظر میں عورت کو سامان تجارت سے زیادہ حیثیت نہیں حاصل ہے۔

عورت عہدِ حاضر میں:

اس دور میں عورت کو گھر کی محفوظ چہاردیواری سے نکلنے پر ابھارا گیا اور مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنے پر مجبور کیا گیا، بلکہ بسا اوقات تو مردوں کی طرح کام کرنے پر مجبور کیا گیا، پھر کام کی شرط اور معاوضہ کی ادائیگی میں مردوں کے مساوی حصہ نہیں دیا گیا، اور نہ عام حقوق میں اسے برابری کا حق دیا گیا۔ یورپ اور عام مغربی سوسائٹی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر نسوانی شرافت کو منہدم کیا جاتا ہے، اس کا سب سے بڑا سبب عقیدہ اور اخلاق کا بگاڑ ہے، نیز دونوں جنسوں کی غیر منصفانہ مساوات بھی اس خرابی کا ایک بڑا سبب ہے۔[1]

---

(۱) المرأة بين الفقه والقانون، ص: ۱۳-۱۴

تیسری بحث

حقِ زندگی میں مساوات

زندگی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو اور جس وقت چاہتا ہے حیات عطا کرتا ہے۔ اور جس وقت جس سے چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ بغیر کسی معتبر شرعی وجہ کے کسی کی زندگی چھین لے۔ جس نے اس کا ارتکاب کیا وہ اپنے آپ کو دنیا اور آخرت میں اللہ کی سزا کیلئے تیار کرلے۔

زندگی کے حق میں مرد وعورت کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردوں کی زندگی، اس کی حفاظت اور حرمت کی ذمہ داری لی ہے، اسی طرح عورت کی زندگی کا بھی اللہ ضامن ہے، بلکہ عورت پر ظلم کرنے والے کیلئے سزا اور عقاب ہے۔ زندگی کے حق پر ظلم کو حرام کرنے والی چند ایک آیات یہ ہیں:

ولاتقتلوا النفس التی حرم الله الابالحق (الاسراء:۳۳)

''اللہ نے جن جانوں کو حرام کیا ہے ان کو قتل مت کرومگر حق کے ساتھ''۔ اور لفظ نفس یہاں مذکر ومونث دونوں کو شامل ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کے مسئلہ میں سزا مقرر کی ہے۔ اور جو بھی اس مذموم جرم کا ارتکاب کرے اس کو بطور سزا کے قصاص مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿**وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ**﴾(البقرہ:۱۷۹)

''اورتمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو! شاید کہ تم ڈرو۔''

اس آیت کریمہ میں مسئلہ قصاص میں مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مرد وعورت کے مابین زندگی کے حق میں عادلانہ مساوات ہے۔

---

(۱) التفسیر الکبیر (۲۰/۱۵۷)

اسی طرح قرآن عظیم نے انسانی جان کے قتل کوحرام قرار دیا ہے خواہ کسی بھی جنس اور عمر کی ہو، اوراس جرم کوتمام انسانیت کوقتل کے برابر قرار دیا ہے۔ اورایک جان کوزندہ کرنے کوتمام جانوں کوزندہ کرنے کے برابر قرار دیا ہے(۱) اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے کہ:

﴿ مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً ﴾(المائدہ:۳۲)

''جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کردیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کردیا''۔

جاہلیت میں بعض لوگ مردوعورت میں تفریق کرتے تھے۔ چنانچہ لڑکیوں کی پیدائش پران کے چہروں پہ ناگواری ظاہر ہوتی تھی بلکہ اس کی پیدائش کو منحوس سمجھتے تھے۔ اسی لئے اسلام نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کو حرام قرار دیا جو وبا کی طرح جاہلیت میں عام تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبیح فعل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالأُنثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدّاً وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلاَ سَاء مَا يَحْكُمُونَ﴾(النحل: ۵۸- ۵۹)

''ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبادے۔ آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں''۔

یہ ان کی بہت بڑی جہالت اور ظلم ہے کہ عورت کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں گویا مذکر کو پیدا کرنا ان کے اختیار میں ہے، وہ اپنے آپ پر ناراض کیوں نہیں ہوتے کہ انہوں نے اپنی عورت کو مونث سے حاملہ کیا؟(۲)

(۱) التحریر والتنویر(۵/۸۹)
(۲) التحریر والتنویر(۱۳/۱۴۸)

چونکہ وہ لڑکیوں کی پیدائش ناپسند کرتے تھے اس لئے اسے زندہ مارڈالتے تھے حالانکہ قیامت کے دن اس زندہ درگور کی جانے والی بچی سے اس کے قاتل کو پھٹکار لگانے اور اسے رسوا کرنے کی خاطر پوچھا جائے گا:

﴿وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ ○ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَت﴾(التکویر:۸-۹)

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی''۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد کے قتل کو ایسا گھاٹا بتایا ہے جو دنیا اور آخرت میں یقینی خسارہ کا سبب ہوگا۔ وہ مقتول مذکر ہو یا مونث اور قاتل مذکر ہو یا مونث اور ان کے اس فعل کو بیوقوفی سے تعبیر کیا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ گمراہ اور غیر ہدایت یافتہ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُواْ أَوْلاَدَهُمْ سَفَهاً بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُواْ مَا رَزَقَهُمُ اللّهُ افْتِرَاء عَلَى اللّهِ قَدْ ضَلُّواْ وَمَا كَانُواْ مُهْتَدِينَ﴾(الأنعام:۱۴۰)

''واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلاکسی سند کے قتل کرڈالا اور جو چیزیں ان کو اللہ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کرلیا، محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ پر چلنے والے نہ ہوئے''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اولاد (مذکر ہو یا مونث) کو فقروفاقہ کے ڈر سے قتل کرنے کو سختی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

﴿وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلاَدَكُم مِّنْ إمْلاَقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾(الأنعام:۱۵۱)

''اور اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل مت کرو تم کو اور ان کو روزی دینے والے تو ہم ہیں'' نیز اللہ رب العالمین دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم إنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْءاً كَبِيراً﴾(الإسراء:۳۱)

''اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولادوں کو نہ مارڈالو ان کو اور تم کو ہم روزی دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے''۔

اس طرح قرآن عظیم نے زندگی کے حق میں مذکر ومونث کے درمیان عادلانہ مساوات رکھی ہے،اس حق پر ظلم کرنا حرام قرار دیا ہے اوراسے سب سے بڑا گناہ بتایا ہے کیونکہ اللہ نے انسان کو شرافت بخشی ہے۔ایک وقت تھاجب حمورابی قانون یہ تھا کہ جس نے کسی کی لڑکی کوقتل کردیا تواس قاتل کے لئے ضروری ہو جاتا تھا کہ مقتول کواپنی بیٹی دیدے تا کہ وہ اسے قتل کردے یا اپنی ملک میں لے لے۔ایسے میں اسلام مرد وعورت کے مابین شرافت میں مساوات کوثابت کرنے کیلئے آیا اور عار کے ڈر سے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کوحرام کردیا جس طرح کہ فقر وفاقہ کے ڈر سے اولاد کوقتل کرنے کو حرام قرار دیا۔اورفقہاء نے صراحت کی ہے کہ ''اگرکسی آدمی نے کسی عورت کو جان بوجھ کر بغیر کسی شبہ کے قتل کردیا تواس قاتل کوقتل کیا جائے گا۔جس طرح کہ اگروہ کسی مردکوقتل کرتاہےتواس کوقتل کیا جائے گا۔''(۱)

(۱) موقف القرآن الكريم من الدعوات المعاصره لتحرير المرأة، ص: ۳۹

تیسری فصل

اسلام میں عادلانہ مساوات

اس میں پانچ مباحث ہیں:

پہلی بحث : ایمان میں مساوات

دوسری بحث : شرعی تکالیف میں مساوات

تیسری بحث : ملکیت اور مالی تصرفات میں مساوات

چوتھی بحث : شرعی سزاؤں میں مساوات

پانچویں بحث : قیامت کے دن بدلہ میں مساوات

تیسری فصل

اسلام میں عادلانہ مساوات کے بیان میں

پہلی بحث

ایمان میں مساوات کی ظاہری صورتیں:

اللہ پر یقین اور اس پر ایمان دین کی اصل اور رکن ہے، بندے سے سب سے پہلے اسی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے ایمان کے تقاضوں، واجبات، ارکان اور اس کی ضرورتوں میں مردوعورت کے مابین کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ اسی طرح ایمانی ملامح اور اوصاف اور دنیا وآخرت میں ان پر مرتب ہونے والے احکام میں بھی کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو خطاب قرآن کریم میں کیا ہے یا ثابت شدہ حدیثوں میں جو خطابات زبان نبوت سے ادا ہوئے، برابر ہیں، مردوعورت کے درمیان ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ عورت کا ایمان بعینہ مرد کا ایمان ہے بغیر کسی ادنی فرق کے یعنی ایمان باللہ کے مسئلہ میں مردوعورت کے درمیان عادلانہ مساوات ہے۔

ایمانی مظاہر میں مساوات:

بہت ساری قرآنی آیتیں ایمان باللہ کے مسئلہ میں مردوعورت کے مابین مساوات کے مظاہر کو واضح کرتی ہیں۔ یہ آیتیں مساوات کو مختلف پیرایوں میں بیان کرتی ہیں اور متنوع مسائل کو شامل ہیں، اور یہ تمام آیتیں اور احادیث ایمان باللہ اور اس کے مقتضیات کو بجالانے میں مردوعورت کے درمیان کامل برابری کی تاکید اور تائید کرتی ہیں۔

ا-ایمانی صفات میں دونوں کے درمیان مساوات:

قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ مردوزن میں کامل مساوات ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت مرد و عورت ہر دو پر مساوی طور پر لازم ہے۔ اسی طرح، ایمانی تقاضوں کو پورا کرنا بھی دونوں پر واجب ہے ، چنانچہ ایمانی صفات میں دونوں برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللَّهَ كَثِيْراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً﴾(الأحزاب:٣٥)

''بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں ،فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے ولی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنے نفس کی نگہبانی کرنے والے مرد اور نگہبانی کرنے والی عورتیں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے وسیع مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے''۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول:

ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ ہر چیز مردوں کیلئے ہے، عورتوں کا کچھ بھی ذکر نہیں ہے۔ تو یہ آیت ''بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں......'' نازل ہوئی۔(۱)

(۱) ترمذی ۳۵۴/۵،(ح:۳۲۱۱) شیخ البانی نے اسے صحیح کہاہے ،دیکھئے صحیح سنن ترمذی ۳۰۷/۳ (ح:۳۲۱۱)

''اعتقادِ قلبی اور عضوی اعمال، زبان کی باتیں، متعدی اور قاصر نفع، بھلائی کے کام اور برائی کے ترک جیسی صفاتِ جمیلہ اور مناقب جلیلہ میں مردوں اور عورتوں میں برابری رکھی گئی ہے کہ جس نے ان مذکورہ اعمال وافعال کو کیا اس نے پورے دین، اس کے ظاہر و باطن، اسلام، ایمان اور احسان کو قائم کیا''۔(۱)

ابن عاشور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان اوصاف مذکورہ والوں سے مراد عورتیں ہیں اور مردوں کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شریعت میں دونوں صنف برابر ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ شریعت مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس طرح نہیں جیسا کہ تورات کی شریعت خاص مردوں کیلئے تھی، سوائے چند احکام کے جن کا غیر عورتوں سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ شریعت اسلامیہ ان شرائع سابقہ کے برعکس ہے کہ یہ شریعت مردوں اور عورتوں دونوں کو عام ہے سوائے ان نصوص کے جو کسی ایک صنف کیلئے مخصوص ہیں۔(۲)

۲- مرتب ہونے والی ایذاء میں مساوات:

ایمان کی وجہ سے واقع ہونے والی ایذاء، مومنات پر واقع ہونے والی ایذاء کے برابر ہے۔ جو ان کے ایمان کی وجہ سے پہنچے اس اصل جزا میں جو اللہ تعالیٰ انہیں دے گا یا جو ان کو ایذاء پہونچائے اس کی سزا میں جو بھی مومنین اور مومنات کو افعال مذمومہ یا اقوال قبیحہ جیسے بہتان، کھلا ہوا جھوٹ وغیرہ سے تکلیف دے گا اس کیلئے اللہ کی طرف سے عذاب عظیم کا وعدہ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيناً﴾(الأحزاب:۵۸)

''جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذاء دیں بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد ہوا ہو وہ بڑے ہی بہتان باز اور کھلم کھلا گنہگار ہیں۔''

---

(۱) تفسير السعدى:۴/۱۵۳

(۲) التحرير والتنوير:۲۱/۲۵۱

کہا جاتا ہے کہ یہ آیت واقعۂ افک میں حضرت عائشہ اور صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔(۱)

۳۔فتنہ اور عذاب میں مساوات:

مومنہ اسی طرح آزمائی جاتی ہے جس طرح مومن آزمایا جاتا ہے۔مومن مردوں اور عورتوں کو جو عذاب دے، ان کو دین میں آزمائش میں ڈالے اور دین سے پھیرنے کیلئے کوئی بھی آزمائش اور عذاب دے، ان کو اللہ نے دھمکی دی ہے۔اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾(البروج:۱۰)

’’بیشک جن لوگوں نے مسلمان مرد اور عورتوں کو ستایا پھر توبہ بھی نہ کی ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کے عذاب ہیں‘‘۔

مومنات کو مومنین پر عطف ان کی شان پر تنبیہ کیلئے ہے تاکہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ خصوصیت خاص مردوں کیلئے ہے اور فتنہ گروں کے فعل کی قباحت کو زیادہ بتانے کیلئے ہے کہ انہوں نے عورتوں پر ظلم کیا ہے جبکہ ان کی شان یہ ہے کہ سختی میں ان کو نہ ڈالا جائے۔(۲)

۴۔اللہ کے نبی ﷺ کے استغفار میں مساوات:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مومنین اور مومنات کے حق میں استغفار کا حکم دیا ہے۔ان کے ایمان کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ﴾(محمد:۱۹)

’’سو، اے نبی آپ یقین کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش

---

(۱) زادالمسیر ۶/۴۲۱

(۲) زادالمسیر ۳۰/۲۲

مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی، اللہ تم لوگوں کی آمد ورفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے''۔

مومنین کے بعد مومنات کا ذکر اس جگہ ان کی اہمیت پر متنبہ کرنے کیلئے ہے کیونکہ اکثر وبیشتر قرآن صرف مومنین کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے۔ وہ بطریق اغلب مومنات کو بھی شامل ہوتا ہے اور اس بات کو بتانے کیلئے کہ تکالیف شرعیہ مرد وعورت سب کیلئے عام ہیں۔(۱)

حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو مومنین اور مومنات کیلئے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ ہر مومن اور مومنہ کے بدلے اس کو ایک نیکی عطا کر دیتا ہے''۔(۲)

۵۔ مصیبت میں مساوات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن اور مومنہ کی مستقل آزمائش ہوتی رہتی ہے۔ اس کے نفس میں، اس کی اولاد میں اس کے مال میں حتی کہ وہ اللہ سے مل جاتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا''۔(۳)

نبی ﷺ نے اصل مصیبت میں مردوں اور عورتوں کے مابین مساوات کو بیان کیا ہے اور یہ کہ یہ مصیبت برابر ان کو لاحق ہوتی ہے نفس، مال اور اولاد میں یہاں تک کہ اپنے رب سے مل جائیں اور ان کے ذمہ گناہ نہیں ہوتا۔

---

(۱) زادالمسیر: ۸۸/۲۶

(۲) طبرانی مسندالشامیین: (۲۳۴/۳،ح:۲۱۵۵)صحیح الجامع میں شیخ البانی نے اسے حسن کہاہے:۱۰۴۲/۲،(ح:۲۰۲۶)

(۳) ترمذی ۲۰۲/۴،(ح:۲۳۹۹) شیخ البانی نے اسے حسن صحیح کہاہے:صحیح سنن ترمذی:۵۶۵/۲،(ح:۲۳۹۹)

دوسری بحث

تکالیف شرعیہ میں مساوات

اسلام کا شرعی خطاب سب کیلئے ہے،عرب وعجم کی تمیز اور کالے گورے اور مرد وعورت میں کسی تمیز کے بغیر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے مبعوث فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَنَذِيراً وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (سبا:۲۸)

''اے نبی! ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اس حقیقت کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

یہاں تکالیف شرعیہ میں مرد وعورت کے مابین عادلانہ مساوات ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں مردوں کو کسی چیز کا مکلّف بنایا گیا ہے وہیں اس کے پہلو بہ پہلو عورت کو بھی مکلّف بنایا گیا ہے۔ بہت سی آیات قرآنیہ میں عورت مرد کے مساوی ہے۔ چنانچہ جس طرح مردوں سے اللہ کی عبادت، فرائض کی ادائیگی اور محارم سے اجتناب، اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرنے، دین کو قائم کرنے اور دعوت الی اللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مطالبہ کیا گیا ہے، اسی طرح یہ تمام باتیں عورتوں سے بھی مطلوب ہیں۔

جس طرح مردوں پر ارکان اسلام کی ادائیگی واجب ہے، اسی طرح عورتوں پر بھی واجب ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے بلکہ یہ دین اسلام کا معلوم بالضرورۃ مسئلہ ہے الا یہ کہ حیض ونفاس کی مدت میں عورت سے نماز مطلق ساقط ہے۔ عورت نماز اس مدت میں چھوڑ دیگی اور اس پر اس کی قضا بھی نہیں ہے، اور روزہ بھی ساقط ہو جاتا ہے لیکن اس کی قضا واجب ہے۔ اور حج بھی ہر حال میں ان پر فرض ہے۔ لیکن حالت حیض میں عورت بیت اللہ کا طواف نہیں کریگی، یہ سب اس پر اللہ کی رحمت ہے اور اس سے اس کے اجر میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائیگا۔ (۱)

---

(۱) المرأة بين تكريم الانسان واهانة الجاهلية (ص: ۷۷-۷۸)

چنانچہ مرد وعورت میں سے ہر ایک مستقل بالذات تکالیف شرعیہ کے مکلّف ہیں سوائے ان تکالیف کے جن میں کسی کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔اس بارے میں علامہ ابن قیم کا کہنا ہے کہ عبادات بدنیہ اورسزاؤں میں مصلحت یہ ہے کہ مرد وعورت سب شریک ہوں۔ دونوں صنفوں میں ایک کواس کی ضرورت صنف آخر کی ضرورت کی طرح ہے۔لہٰذا دونوں میں تفریق مناسب نہیں ہے۔ ہاں! تفریق کے لائق جگہوں میں تفریق ہے اوروہ ہے جمعہ، جماعت کہ دونوں خاص مردوں پر واجب ہیں نہ کہ عورتوں پر کیونکہ وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو ظاہر کیا جائے اور مردوں سے ان کا اختلاط ہو۔اسی طرح جہاد کی عبادت میں بھی ان کے مابین تفریق ہے کیونکہ عورتیں اس کی اہل ہیں ہی نہیں۔ حج کے وجوب میں دونوں برابر ہیں کیونکہ ہر ایک اس کی مصلحت کا محتاج ہے۔ نیز زکاۃ، روزہ اور طہارت کے وجوب میں بھی دونوں برابر ہیں۔ (۱)

شرعی تکالیف میں مساوات کی دلیل:

یہاں دوایسی دلیلیں ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ تکالیف شرعیہ میں اصل یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں:

پہلی دلیل: مکلّف ہونے کا دارومدار (۲):

شرعی احکام کے مکلّف ہونے کا دارومدار انسان کا عاقل اور بالغ ہونا ہے۔اس کی دلیل حضرت علی کی یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تین لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے: سونے والا یہاں تک کہ بیدار ہوجائے، بچہ یہاں تک کہ بالغ ہوجائے، مجنوں یہاں تک کہ عقل والا ہوجائے۔ (۳)

---

(۱) اعلام الموقعین عن رب العالمین ،ج:۲،ص: ۱۲۸

(۲) دیکھئے حقوق و واجبات المرأة فی الاسلام، از ڈاکٹر عبدالکریم زیدان (ص:۳۸)

(۳) رواہ ابو داود،ج: ۴، ص: ۱۴۱، رقم ۴۴۰۳ ،شیخ البانی نے صحیح کہاہے ،صحیح سنن ابوداود(۴۴۰۳)

مردوعورت میں مکلّف ہونے کے مناط کا تحقق:

جب شرعی احکام کے خطاب اور مکلّف ہونے کا دارومدار بلوغت اور عقل ہے تو یہ بات عورتوں میں بھی پائی جائے گی جس طرح مرد میں پائی جائے گی۔اسی بنیاد پر مونث جب بالغہ اور عاقلہ ہوجائے تو شرعی تکالیف اوراس کے احکام کے خطاب کی مکلّف ہوگی۔

تکالیف شرعیہ میں عورت مرد کے برابر ہونے میں اس بات کی کھلی اور روشن دلیل ہے کہ اسلام نے عورت کی عقل کو احترام بخشا کیوں کہ اسلام میں عقل ہی مکلّف ہونے کا معیار ہے۔اس طرح اسلام نے عورت کے اقدار کو بلند کیا اور اسے شرافت بخشی۔

دوسری دلیل : شریعت کا عموم[1]:

شریعت اسلامیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت عموم ہے یعنی یہ شریعت پوری انسانیت کیلئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً﴾ (الأعراف:۱۵۸)

''اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں''

اور لفظ''الناس'' کے معنی میں عورت بہ اتفاقِ علماء بھی داخل ہے۔[2]

تکالیف شرعیہ میں مساوات کے مظاہر

جب شارع حکیم کے مردوں سے خطاب میں عورتیں بھی داخل ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہروہ حکم جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم دیا ہے،عورتوں پر بھی نافذ ہوگا،ان سے بھی ان کا مطالبہ ہے،الا یہ کہ اس کے برعکس کوئی دلیل موجود ہو۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شرعی تکالیف میں مردوعورت کے اشتراک پر واضح اور بلیغ حجت کیلئے آیات نازل کیں،جن میں سے چند یہ ہیں:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

(۱) دیکھئے حقوق و واجبات المرأة فی الاسلام ،(ص:۴۱)

(۲) دیکھئے إرشاد الضحول إلى تحقيق علم الأ صول، (ص:۱۱۱)

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَـئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّهُ إِنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبہ: ۷۱)

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد ومعاون ہیں اور دوست ہیں۔ وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا۔ بیشک اللہ غلبے والا اور حکمت والا ہے''۔

شرعی خطاب میں مساوات:

قرآن کریم میں وارد ہونے والے تکالیف اور شرعی خطابات میں مساوات کے مظاہر حسب ذیل ہیں:

۱- نگاہ نیچی رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت میں مساوات:

اسے قرآن نے دونوں میں مشترک ایمانی صفت شمار کیا ہے۔ چنانچہ قرآنی نسق ایسے الفاظ میں آئے ہیں جن کی عبارتوں میں توازن اور برابری ہے۔ جن میں خطاب مرد وعورت دونوں کو ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾ (النور: ۳۰-۳۱)

''مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کیلئے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے باخبر ہے اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں''۔

۲- اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تابعداری کے وجوب میں مساوات:

ہر مرد وعورت پر واجب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کردے۔ اس

کی مخالفت نہ کرے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً﴾ (الأحزاب:٣٦)

''اور کسی مسلمان مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ یاد رکھو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا''۔

٣۔ آداب اور اخلاق میں مساوات:

قرآن کریم نے مرد وعورت میں سے ہر ایک کو برے اخلاق سے منع کیا ہے جیسا کہ اللہ کے اس قول سے ظاہر ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ (الحجرات:١١)

''اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت سے مسخرا پن نہ کرے، ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برا القب دو''۔

تیسری بحث

ملکیت اور مالی تصرف میں مساوات

اسلام نے ملکیت اور مالی تصرفات میں مردوعورت کے مابین کامل مساوات رکھی ہے۔اس نے وجوب اورادائیگی کی اہلیت میں اور تصرف میں عورت کے حق کو ثابت کیا ہے اورتمام عقود میں مشارکت کا حق دیا ہے، مثلاخرید وفروخت کا حق ،قرض لینے اور دینے کا حق ،راہن کا حق ،مرتہن کا حق اوراسی طرح وکالہ، اجارہ،تبرع،صدقہ ، وقف، کفالہ اورخاص مال میں تجارت اوراس جیسے دوسرے بہت سے حقوق جن میں مردوعورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔(۱)

چنانچہ بالغہ عورت شادی شدہ ہو یاغیرشادی شدہ،اس کیلئے باپ، بھائی،شوہراورلڑکے کی جانب سے مستقل مالی ذمہ ہے،ملکیت اورتصرف میں دونوں برابر ہیں،اپنی ہراس چیز میں جس کے وہ مالک ہوں بغیرکسی مداخلت کے سوائے ان قیود کے جن کی شریعت نے رعایت کی ہے اور جن کوعقل سلیم قبول نہیں کرتی۔اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُواْ اللّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (النساء:۳۲)

’’مردوں کا وہ حصہ ہے جوانہوں نے کمایااورعورتوں کیلئے ان کا وہ حصہ ہے جوانہوں نے کمایا۔اوراللہ تعالیٰ سےاس کا فضل مانگو یقیناًاللہ تعالیٰ ہرچیز کا جاننے والا ہے‘‘۔(۲)

قرآن کریم نے عورتوں کیلئے مردوں کی طرح میراث کی ملکیت کے حق کوفرض کیا ہے، البتہ مقدار میں اختلاف ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا

---

(۱) المرأة بين تكريم الانسان واهانة الجاهلية، ص: ۴۸

(۲) موقف القرآن الكريم من الدعوات المعاصرة لتحرير المرأة، ص: ۴۷

تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً﴾(النساء:۷)
''ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں سے مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی (جو مال ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ اس میں حصہ مقرر کیا ہوا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ذکر کے بعد الگ سے عورتوں کا ذکر کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ مردوں اور عورتوں کا حصہ ہے، تاکہ ان کی شمولیت کو اس حکم میں معمولی نہ سمجھا جائے حالانکہ عورتوں کا یہ حق ثابت ہے، اگرچہ بہت تھوڑا اور معمولی ہوتا کہ میراث میں ان کی حق تلفی نہ کی جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ﴾ ''کم ہو یا زیادہ''۔[1]

اسی طرح مہر کو ان کی خالص ملکیت بتایا، اوراس میں کسی کو شریک نہیں کیا، الا یہ کہ عورت کی مرضی شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَآتُواْ النَّسَاء صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَّرِيئاً﴾ (النساء:٤)

''اورعورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو۔ ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہوکر کھاؤ پیو''۔

قرآن کریم نے عورتوں کو اپنے شوہروں کو مال دے کر چھٹکارا حاصل کرنے کی پوری آزادی دی ہے، اگر ان کا نباہ نہ ہو سکے اور عورت اسی میں آرام دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾(البقرہ:۲۲۹)

''اگر تم ڈرو اس بات سے کہ تم اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکو گے تو تم دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اس چیز میں جو عورت بطور چھٹکارہ کے دے''۔

اس مسئلہ میں عورت کا حال مرد کی طرح ہے کہ مرد اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبتوں کو مال سے دور کر دیتا ہے، جبکہ مال ہی اس کے چھٹکارے کا ایک راستہ ہو ان حدود میں جن کو اللہ نے مباح

(۱) تفسير أبي السعود: ۱۴۶/۲

کیا ہے۔

غیر مسلموں کے یہاں:

جس وقت ساری دنیا کی تمام قوموں میں عورت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جارہا تھا، اس وقت بھی مذہبِ اسلام عورت کو اس کی اہلیت کے کمال میں مرد کے برابر کا درجہ دے رہا تھا۔ ملکیت اور خرچ کرنے کا معاملہ ہو یا مردوں کی طرح ذمہ داریاں نبھانے کی بات ہو، اسلام کا دامن اس سلسلہ میں بڑا وسیع ہے، فرانس کے قانون میں آج بھی عورت کے لئے کسی کورٹ کا فیصلہ کافی نہیں ہے بلکہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں سے بھی کچھ خرچ نہیں کرسکتی، جب کہ اسلام میں پرورش کی مدت بلوغت سے قبل یا مجنوں اور یتیم وغیرہ کے لئے یہ پابندی خود ان ہی کے مال کی حفاظت کے لئے ہے۔(۱)

آج بھی قانونی لحاظ سے دنیا کے کسی بھی ملک کا قانون عورت کے حقوق کی ادائیگی میں اسلام کے قانون کے سامنے ظلم کرتا ہوا ہی نظر آتا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اسلام دین فطرت ہے، انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین شخصی یا عوامی مصلحت کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، جو فطری قوانین کی بلندیوں تک کبھی نہیں پہنچ سکتے اور یہی ہے اسلام کا نقطۂ کمال جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عورت اسلام کی نظر میں ایک مکمل انسان ہے جس میں کوئی خامی نہیں۔ اسی طرح ان سارے ہوس پرستوں کو بھی یہاں مسکت جواب مل جاتا ہے جنہوں نے صرف اپنے فائدہ کے مدنظر عورت کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر پر اوچھے اور بے بنیاد الزامات لگائے ہیں۔

---

(۱) المرأة بين الفقه والقانون، (ص: ۳۱)

چوتھی بحث

شرعی سزاؤں میں مساوات

اس میں چار مطالب ہیں:

(۱) ارتداد کی سزا میں مساوات

(۲) قتل کی سزا میں مساوات

(۳) زنا کی سزا میں مساوات

(۴) چوری کی سزا میں مساوات

شرعی سزاؤں میں مساوات

جب عورت شرعی تکالیف میں مرد کے برابر ہے تو وہ بھی مرد کی طرح اعتقاد، اقوال اور افعال کی ذمہ داریوں کو برداشت کرنے میں ٹھہری، جیسا کہ وہ ان شرعی تکالیف کی ادائیگی میں کوتاہی کے نتائج کو برداشت کرنے میں بھی مرد کی طرح ہے اور ان پر جو سزائیں شارعِ حکیم نے تجویز کی ہیں اس پر بھی مرتب ہونگی۔ اس سلسلہ میں مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ عقوبات کو فرض کیا ہے۔ جن کا نام حدود ہے ہر اس شخص پر جو کلیات اسلام سے تجاوز کر جائے، جن کلیات پر اسلام قائم ہے۔ اور یہ سزائیں دین، عقل، عزت، مال، نفس اور امن کی حفاظت کیلئے ہیں اور یہ سزائیں ہر تجاوز کرنے والے پر فرض ہیں چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

شرعی سزاؤں اور حدود میں مساوات حسب ذیل ہیں:

پہلا مطلب

ارتداد کی سزا میں مساوات

اسلام نے ارتداد (اسلام سے پھر جانا) کی سزا قتل تجویز کی ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ ایسا اسے توبہ کرنے کا موقع دیئے جانے، غلط فہمیوں کا ازالہ کر دینے، رکاوٹوں کو ختم کر دیئے جانے، شرائط کی تحقیق کر لیے جانے اور عقیدہ وفقہ کے بارے میں مذکورہ بالا تمام شرطوں پر اچھی طرح غور وفکر کر لیے جانے کے بعد صرف مذہب کی حفاظت کے پیش نظر کیا جائے گا۔(۱)

دلائل: (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی

(۱) دیکھئے ابن بطال کی شرح صحیح بخاری (۸/۵۸۴)

مسلمان کا خون جوکلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا ماننے والا ہو، حلال نہیں ہے، البتہ تین صورتوں میں جائز ہے: جان کے بدلہ جان، شادی شدہ ہوکر زنا کرنے والا اور اسلام سے نکل جانے والا (مرتد) جماعت کو چھوڑ دینے والا۔(۱)

مرتد اگر رجوع الی الاسلام نہ کرے اور کفر ہی پر اصرار کرے تو اس کے قتل پر علماء کا اجماع ہے۔ البتہ مرتدہ (عورت) کے قتل میں اختلاف ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک اس کو بھی قتل کیا جائیگا اور یہی راجح ہے۔(۲)

۲- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنا دین بدل دے، اس کو قتل کردو''۔(۳)

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر، امام زہری اور ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ مرتدہ کو قتل کیا جائے گا۔(۴)

۳- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جب ان کو یمن بھیجا تو ان سے کہا: ''جو اسلام سے مرتد ہوجائے اس کو دوبارہ اسلام کی دعوت دو، اگر رجوع کرلے تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن اڑادو، اور جو عورت اسلام سے پھر جائے اس کو دعوت دو اگر رجوع کرلے تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن ماردو''۔(۵)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث نص ہے، اختلاف کی صورت میں اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، تمام حدود میں مرد وعورت کی شرکت اس کی تائید کرتی ہے جیسے زنا، چوری، شراب نوشی اور قذف وغیرہ۔(۶)

---

(۱) بخاری، الفاظ انہیں کے ہیں، ۲۱۴۵/۴ (۶۸۷۸) مسلم ۱۳۰۲/۳ (۱۶۷۶)

(۲) عمدة القاری: (۴۱/۲۴)

(۳) بخاری: (۲۱۲۱/۴، ح: ۶۹۲۲)

(۴) بخاری: (۲۱۶۰/۴)

(۵) فتح الباری لابن حجر: ۲۷۲/۱۲، ابن حجر نے اسے حسن کہاہے۔

(۶) فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۲۷۲/۱۲

دوسرا مطلب
قتل کی سزا میں مساوات

قتل کی سزا میں مرد وعورت کے مابین عادلانہ مساوات کا اتمام یہ ہے کہ دونوں کا خون برابر ہے اوراس کا حکم بھی برابر ہے کہ قاتل پر قصاص واجب ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

دلائل: اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَى بِالْأُنثَى﴾(البقرہ:۱۷۸)

''اے ایمان والو! مقتولوں کا بدلہ لینا تمہیں جائز ہے۔آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اورعورت کے عوض عورت''۔

اس آیت کے شانِ نزول کا خلاصہ:(۱) عربوں میں قتل کے سلسلہ میں جو اسراف پایا جاتا تھا اس کا اس آیت میں ابطال مقصود ہے کیونکہ اہل عرب قاتل کو سزا دینے پر برابری نہیں کرتے تھے بلکہ غلام کے بدلے میں آقا کو قتل کردیتے اوراگر کوئی عورت کسی عورت قتل کرتی تو قاتلہ کے قبیلے کے مردوں کو قتل کرتے تھے۔

مذکورہ بالا اہل عرب کی باتوں سے اس آیت کریمہ کا مقصود صاف واضح ہوتا ہے، لہذا مفہوم مقابل کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عورت کے بدلہ میں مرد اورغلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔(۲)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ مسلم جو ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دیتا ہواس کا خون حلال نہیں ہے مگر تین وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے، جان کے بدلے جان، شادی شدہ زانی اوراپنے دین اور جماعت کو چھوڑ دینے والا۔(۳)

(۱) دیکھئے تفسیر الطبری: (۱۰۳/۲)،تفسیر البغوی:(۱۴۴/۱)
(۲) التحریر والتنویر:۱۳۶/۲
(۳) بخاری،ج: ۴، ص: ۲۱۴۵،رقم ۲۸۷۸، و مسلم :ج ۳ ،ص ۱۳۰۲ ،رقم: ۱۶۷۶

وجہ استدلال : سنت قرآن کریم کے موافق ہے کہ قتل کی حد میں مرد وعورت برابر ہیں۔

۳۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کا خون آپس میں برابر ہے۔(۱)

وجہ استدلال : خون میں سب برابر ہیں تو خون کے علاوہ دیگر امور میں بھی ان کا حکم بھی برابر واجب ہوگا۔(۲)

تیسرا مطلب

زنا کی سزا میں مساوات

زنا کی سزا میں مساوات کا اہتمام مرد اور عورت کے درمیان یہ ہے کہ ہر ایک کوڑے مارے جائیں: جو بلا کسی شبہ اپنے اختیار سے زنا کرے اور وہ زانی غیر شادی شدہ ہو اور رجم کرنا پتھر سے حتی کہ مرجائے، جو زنا کرے اپنے اختیار سے بغیر کسی شبہ کے اور وہ محصن یعنی شادی شدہ ہو۔صحیح احادیث سے بھی اسی کا ثبوت ملتا ہے:

دلائل:

۱۔﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾(النور:۲)

''زنا کار مرد وعورت میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ، ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہئے اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو۔ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہئے''۔

وجہ استدلال: زانی مرد اور عورت اگر آزاد ہوں، بالغ ہوں، عاقل ہوں، غیر شادی شدہ

---

(۱) سنن ابن ماجہ: ۲/۸۹۵،۲۶۸۳، امام البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن ابن ماجہ (۲/۳۵۸) (ح:۲۱۸۹) میں صحیح قرار دیا ہے

(۲) دیکھئے ابن بطال کی ''شرح صحیح البخاری'' (۷/۲۴۴)

ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ جو معصیت اور فعل قبیح انہوں نے کیا ہے یہ اس کی سزا ہے۔(۱)

ابن عاشور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول:"کل واحد منهما" اس بات کی دلیل ہے کہ سزا میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں کسی کو کسی پر کوئی اولیت حاصل نہیں ہے اور یہ سزا زنا کی حد میں مرد وعورت کے درمیان مکمل مساوات ہے۔(۲)

آیت کریمہ میں زانیہ کا تذکرہ زانی سے پہلے حکم کے اہتمام کیلئے کیا گیا ہے کیونکہ مرد کے زنا کی وجہ اور سبب عورت ہی ہوتی ہے اور مرد کی مدد سے زنا واقع ہوتا ہے۔ اگر عورت اپنے آپ کو روک لے تو مرد زنا پر قادر ہی نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا عورت کا تذکرہ مرد سے پہلے آیا کیونکہ وہی تحذیر کی زیادہ محتاج ہے۔(۳)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ مسلم جو"**لااله الا الله**"اور"**انی رسول الله**" کی گواہی دیتا ہو اس کا خون حلال نہیں ہے۔ مگر تین وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے: نفس نفس کے بدلہ میں قتل کیا جائیگا، اور شادی شدہ ہو کر زنا کرنے والا.....(۴)

وجہ استدلال: شادی شدہ زانی کی سزا جبکہ وہ نکاح صحیح کر چکا ہو پھر بھی زنا کرے تو امام وقت اس کو رجم کرے گا چاہے مذکر ہو یا مونث۔(۵)

امام نووی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا قول:"**الثيب الزانی**" سے مراد محصن (شادی شدہ) ہے۔ اس میں مرد وعورت دونوں داخل ہیں اور یہ حجت ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ زانی کی سزا رجم ہے بشرطیکہ فقہ کے ابواب میں مذکور شرائط پائی جائیں۔(۶)

---

(۱) تفسیر الطبری: ۱۸/۶۶

(۲) ایضاً (۱۸/۱۱۸)

(۳) التحریر والتنویر :۱۸/۱۱۸

(۴) بخاری:ج ۴ ص ۲۱۴۵،رقم ۲۸۷۸، مسلم :ج ۳ ص ۱۳۰۲،رقم ۱۶۷۶

(۵) دیکھئے عون المعبود شرح سنن أبی دائود (۱۲/۴)

(۶) شرح الأربعین النوویه (ص:۱۷)

۳۔ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے حاصل کرلو، مجھ سے حاصل کرلو، اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کیلئے ایک راستہ بنایا ہے۔ غیر شادی شدہ غیر شادی شدہ سے (زنا کرے) تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کیلئے جلاوطن کرنا ہے، اور اگر شادی شدہ، شادی شدہ سے (زنا کرے) تو سو کوڑے اور سنگ سار کرنا ہے۔(۱)

وجہ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے اور جلا وطن کرنا ہے خواہ مرد ہو یا عورت اور ثیب (شادی شدہ) کی سزا رجم (سنگ سار کرنا) ہے مرد ہو یا عورت۔

چوتھا مطلب

چوری کی سزا میں مساوات

چوری کی سزا میں مرد وعورت کے مابین عادلانہ مساوات یہ ہے کہ (ہر ایک کا) دایاں ہاتھ کلائی تک کاٹ دیا جائیگا جس نے دوسرے کے محفوظ مال کو چپکے سے لے لیا بغیر کسی شبہ کے یا ظاہری ضرورت کے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاء بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (المائدہ: ۳۸)

''چور مرد اور چور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو یہ ان کے کئے کی سزا ہے''۔

وجہ استدلال: فقہ کی کتابوں میں مذکور شرطوں کے پائے جانے پر سارق اور سارقہ کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

سارق کے ساتھ سارقہ کے ذکر کی وجہ: لوگوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے ہے کہ چوری کی حد صرف مردوں پر جاری ہوگی کیونکہ اہل عرب کے نزدیک عورت کا کوئی مرتبہ نہیں تھا تو اس پر کوئی حد بھی جاری نہیں ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿الْحُرُّ بِالْحُرِّ

---

(۱) مسلم: ۱۳۱۶/۳، رقم: ۱۶۹۰

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَى بِالْأُنثَى﴾(البقرہ:۱۷۸) میں مونث کا بھی تذکرہ کیا گیا۔(۱)

اوراللہ تعالیٰ نے آیت میں سارقہ سے پہلے سارق کا تذکرہ اورآیت زنا میں زانیہ کا تذکرہ زانی سے پہلے اس لئے کیا کہ مال کی محبت مردوں پراورلذت اندوزی کی شہوت عورت پرغالب رہتی ہے۔(۲)

سارق اورسارقہ کے ہاتھ کاٹنے کی شرطیں:

اولاً: چوری شدہ چیز کا نصاب ہونا ضروری ہے اورنصاب ربع دینار ہے، یا تین درھم، یا جو چیز ان دونوں میں سے کسی کے برابر ہو۔

دلیل: (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا مگر ربع دینار یااس سے زیادہ میں۔(۳)

۴گرام کا ایک دینار ہوتا ہے دیکھئے: **توضیح الأحکام من بلوغ المرام لعبداللہ البسام۵/ ۳۰۷**۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک ڈھال چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی۔(۴)

وجہ استدلال: دونوں حدیثیں اس بات پردلالت کرتی ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے ربع دینار (سونا) یاجس کی قیمت چاندی کے تین درہم کے برابر ہو۔

ثانیاً: چوری شدہ چیز کا محفوظ ہونا ضروری ہے، چنانچہ غیرمحفوظ مال کی چوری پرہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ مال،شہراورحاکم کے اختلاف سے حفاظت بھی مختلف ہوگی۔

ثالثاً: شبہ اس کی نفی کرتا ہو، چنانچہ ایسے مال کی چوری میں جس میں چورکا حصہ ہے، ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا مثلا بیٹا باپ کی اورباپ بیٹے کی چیز چوری کریں اورفقیرایسے غلہ میں چوری کرے جوفقیروں کیلئے ہے یا ایسے مال میں چوری کرے جس میں خودبھی شریک ہے۔

رابعاً: چوری ثابت ہو، خود چور کا اقرار معتبر ہوگا یا دوعادل گواہوں کی گواہی معتبر ہوگی۔(۵)

---

(۱) التحریر والتنویر (۵/۱۹۰)
(۲) النکت والعیون (۲/۳۵)
(۳) بخاری:۴/۲۱۲۰، (ح:۶۷۹۰)،مسلم:۳/۱۳۱۲(ح:۱۶۸۴)، الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔
(۴) بخاری،الفاظ بخاری کے ہیں،۴/۲۱۲۱،(۶۷۹۸)مسلم:۳/۱۳۱۳(۱۶۸۶)
(۵) توضیح الأحکام من بلوغ المرام: ۵/ ۳۰۹،تفسیر السعدی ۱/ ۴۸۲،۴۸۳۔

پانچواں مطلب

روز قیامت کی جزا میں مساوات

قرآن کریم نے مرد وعورت کے مابین اخروی جزا میں عادلانہ مساوات رکھی ہے۔اس سلسلہ میں مذکر ومونث میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ انہیں ان کے اعمال کے مطابق جزادی جائے گی،اگر خیر کا عمل کیا تو خیر اوراگر براعمل کیا تو بری جزا ملے گی۔بلکہ وہ عورت جو دنیا میں اللہ کی مرضیات پر چلے اس مرد سے زیادہ اللہ کے نزدیک مکرم ہے جس نے اپنی زندگی گناہوں میں گذاری۔اس کی مثال اللہ نے یوں بیان کی ہے:

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتاً فِيْ الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ﴾(التحریم: ۱۱)

''اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی جب کہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس سے جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اوراس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے''۔

اور کبھی اس کے برعکس یوں فرمایا:

﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَأَةَ نُوحٍ وَامْرَأَةَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئاً وَقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ﴾(التحریم: ۱۰)

''اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے نوح اورلوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو شائستہ اور نیک بندوں کے گھروں میں تھیں، پھر ان کی انہوں نے خیانت کی، پس وہ دونوں نیک بندے ان سے اللہ کے کسی عذاب کو نہ روک سکے اور حکم دے دیا گیا کہ اے عورتو! دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی جاؤ''۔

گویا مذکر یا مونث ہونا اللہ کے ثواب سے ظفریاب ہونے کا سبب نہیں ہے اور نہ ہی اللہ کے عقاب کو پانے کا سبب ہے۔ اسلام میں نسل پرستی نہیں ہے۔ تمام لوگ چاہے مذکر ہوں یا مونث، گورے ہوں یا کالے، یا کسی بھی جنس کے ہوں اللہ تعالیٰ کے سامنے سب برابر ہیں۔ فضیلت اور امتیاز کا واحد معیار اللہ کا تقوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو''۔

وہ آیات جو آخرت کی جزا میں برابری پر دلالت کرتی ہیں

قرآن کریم کی بہت ساری آیات اخروی جزاء میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کے مابین عادلانہ برابری کی وضاحت کرتی ہیں، کہ مذکر اور مونث میں کوئی فرق نہیں ہے مگر تقوی کے ذریعہ۔

وہ آیات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی آیت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لاَ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُواْ وَأُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُواْ فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُواْ وَقُتِلُواْ لأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ ثَوَاباً مِّن عِندِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ (آل عمران: ۱۹۵)

''پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، میں ہرگز ضائع نہیں کروں گا تم آپس میں ایک ہی ہو۔ اس لئے وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذاء دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے، میں ضرور ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ ہے ثواب اللہ کی طرف سے، اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے''۔

وجہ استدلال: عورت جب احکام شرعیہ کی مخاطب اوراس کے بجالانے کی مکلّف ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی وہی وعدہ کیا جو مردوں سے کیا کہ ان کے وہ اعمال جوانہوں نے کئے، ضائع نہیں کئے جائیں گے، اوراس عمل پرانہیں بہترین بدلہ دیا جائیگا۔

اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿**بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ**﴾ ''تم میں کا بعض بعض سے ہے'' کے معنی یہ ہیں کہ تم سب میرے ثواب میں برابر ہو۔[1]

دوسری آیت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿**وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتَ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُوْلَـئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلاَ يُظْلَمُونَ نَقِيراً**﴾ (النساء:۱۲۴)

''جوایمان والا ہومرد ہو یا عورت اوروہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گےاور کھجور کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائیگا''۔

وجہ استدلال: اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں سے جونیک اعمال کرنے والے ہیں مذکرہوں یا مونث، جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے، یہ بات دونوں کے درمیان عمل صالح اورایمان کے وجوب میں عادلانہ مساوات پردلالت کرتی ہے نیز ثواب میں برابری کی دلیل بھی ہے۔﴿**وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَات**﴾ میں مساوات اعمال چاہے قلبی ہوں یا بدنی سب داخل ہیں اور ہر عامل چاہے جن ہو یا انسان، چھوٹا ہو یا بڑا، مذکر ہو یا مونث۔[2]

تیسری آیت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿**وَعَدَ اللّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ**﴾ (التوبہ:۷۲)

''ان ایمان دار مردوں اورعورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں اوران صاف ستھرے پاکیزہ

(۱) تفسیرابن کثیر: ۱/۴۴۲

(۲) تفسیر السعدی: ۱/۴۱۵-۴۱۶

محلات کا جوان ہیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے، یہی زبردست کامیابی ہے''۔

وجہ استدلال: اللہ تعالیٰ نے آخرت کی تمام نعمتوں حتی کہ سب سے بڑی نعمت میں بھی مومن مردوں اور عورتوں میں برابری رکھی ہے۔

چنانچہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کو سچ جانا اور رسول جو کچھ لے کر آئے ہیں اس کا اقرار کیا وہ چاہے مرد ہوں یا عورتیں، اللہ نے ان سے ایسی جنتوں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، کا وعدہ کیا ہے یعنی ایسے باغات جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی۔

اور جملہ ''اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی چیز ہے'' جملہ اسمیہ مستانفہ ہے۔ ماقبل پر معطوف نہیں ہے اور یہ اللہ کے مومن بندوں اور بندیوں کو باخبر کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی نعمت، کرامت اور بخشش دے گا ان میں سب سے بڑی چیز اس کی خوشنودی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول: ''یہی زبردست کامیابی ہے'' کا معنی یہ ہے کہ یہ نعمتیں اور رضوان (خوشنودی) آیت میں مومن مردوں اور عورتوں کی سب سے بڑی کامیابی ہے جس سے وہ سرفراز ہوں گے اور جہنم کی ذلت سے نجات پائیں گے۔(۱)

چوتھی آیت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾(النحل:۹۷)

''جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نزدیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے''۔

وجہ استدلال: ہر عامل مذکر ہو یا مونث جس نے نیک عمل کیا اللہ تعالیٰ دنیا میں اسے پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے اور آخرت میں اس سے بھی بہتر بدلہ دیا جائیگا، جو انہوں نے کیا۔(۲)

---

(۱) تفسیر الطبری: ۱۰/۱۷۹-۱۸۳

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۲۰۷/۴، اضواء البیان: ۴۴۰/۲

پانچویں آیت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابومَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَات﴾(غافر: ٤٠)

''جس نے نیکی کی خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان دار ہو تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے''۔

وجـــہ اسـتـدلال: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس نے دنیا میں نیک عمل کیا اور وہ مومن ہو خواہ مرد ہو یا عورت تو وہ سب آخرت میں جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جنت کے پھل، اس کی نعمتیں اور اس کی لذتیں انہیں بے حد و بے حساب دے گا۔[۱]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عامل کی تقسیم آیت شریفہ میں مذکر اور مونث کی بطور اہتمام ہے کہ سب داخل ہیں۔[۲]

چھٹی آیت: اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزاً عَظِيماً﴾(الفتح: ٥)

''تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ اللہ ان سے گناہ دور کردے اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے''۔

یہاں مومنین کے ساتھ مومنات کا تذکرہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہے کہ یہ وعدہ خاص مردوں کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ مومن عورتوں کا بھی اس میں برابر حصہ ہے کیونکہ ان جنگوں میں وہ بھی داخل ہیں، کہ انہوں نے مریضوں اور زخمیوں کو سنبھالا اور ان کی تیمارداری کی اور جنگ کے وقت فوج کو پانی پلایا اور مشکل وقت پر صبر کی وجہ سے نیز شوہروں اور لڑکوں اور رشتے داروں کی غیر حاضری پر

---

(۱) دیکھئے مصدر سابق (۲۴/۶۷)

(۲) روح المعانی: ۲۴/۷۰

انہوں نے صبر کیا۔اوراللہ تعالیٰ کے قول: ''وکـــــان ذلک ''میں مذکورہ باتوں کا اشارہ کہ اللہ ان سبھوں کو جنت میں داخل کرے گا۔(۱)

ساتویں آیت:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

''قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ ایمان دار مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اوران کے دائیں دوڑ رہا ہوگا آج تمہیں ان جنتوں کی خوش خبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے یہ بہترین کامیابی ہے''۔

وجہ استدلال: اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جو ثواب اور یوم آخرت میں جو بشارت دی ہے اس کا ذکر کیا ہے، اس نور کے سبب جس کو انہوں نے دنیا میں حسن اعتقاد اور حسن عمل سے حاصل کیا ہے۔(۲)

مومنات کو مؤمنین پر عطف کرنے کی وجہ یہاں اوراس جیسی دوسری مدنی سورتوں میں اس لئے ہے کہ تنبیہ ہوجائے کہ اس دین میں عورتوں کا حصہ مردوں کے برابر ہے،سوائے ان معدودے چند احکام میں جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں،جس کی خاص وجہ بھی ہےاوراس قانون کو باطل کرنا مقصود ہے جو یہودیوں کے یہاں رائج تھا کہ عورتیں ملعون ہیں اور طاعاتِ کبیرہ سے ان کو محروم رکھا جاتا تھا۔(۳)

خــلاصــہ: اس طرح ہم پاتے ہیں کہ قرآن کریم نے مردوعورت کے درمیان عادلانہ مساوات رکھی ہے۔ان جوہری قضیوں میں جن سے عورت کی شان بلند ہوتی ہے اور مرد کے مثل قرار

---

(۱) التحرير والتنوير: ۱۲۸/۲۲

(۲) مجموع الفتاوى لابن تيميه :۱۵/ ۲۸۵

(۳) دیکھئے مصدر سابق (۳۴۳/۲۷)

دی گئی ہے۔ان کی طبعی خلقت کی رعایت کرتے ہوئے اور جن فطری صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور زندگی میں اس کے طبعی کردار کے ساتھ۔اس مساوات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد عورت کی طرح ہے یا عورت مرد کی طرح ہے ہر معاملہ میں، بلکہ ان کے درمیان کچھ اختلافی پہلو بھی ہیں جن کی وضاحت آنے والے ابواب میں ہوگی۔

چین و ہندوستاں اور یونان کیا؟ بابل و نینوا، روم و ایران کیا؟
کیا عرب اور جاپان کیا ہر جگہِ جنسِ عورت تھی دنیا میں رسوا بہت

صنفِ نازک پہ انؐ کا کرم دیکھئے،کر گیے کس قدر محترم دیکھئے!
کہہ گیے ماں کے قدموں تلے ہے عدنِ، اس طرح اس کا رتبہ بڑھایا بہت

ىئةجنثرپس

عبادات میں منصفانہ امتیاز

اس میں آٹھ فصلیں ھیں:

پہلی فصل : طہارت کے بیان میں

دوسری فصل : خصال فطرت کے بارے میں

تیسری فصل : زینت اور لباس کے بارے میں

چوتھی فصل : نماز کے بارے میں

پانچویں فصل : جنائز کے بارے میں

چھٹی فصل : اعتکاف، روزہ اور زکوۃ کے بارے میں

ساتویں فصل : مناسک (حج) کے بارے میں

آٹھویں فصل : عقیقہ کے بارے میں

پہلی فصل

طہارت کے بیان میں

اس میں دو بحثیں ہیں:

پہلی بحث :

بچہ اور بچی کے پیشاب کی تطہیر

دوسری بحث :

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

پھلی بحث

بچہ اور بچی کے پیشاب کی تطہیر

دودھ پیتے بچے اور بچی کے پیشاب سے پاکی حاصل کرنے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ جو کھانا اپنے ارادہ اور خواہش سے نہ کھا رہے ہوں یعنی جو بچے ابھی اتنے چھوٹے ہوں کہ دانہ نہ کھاتے ہوں بلکہ صرف ماں کا دودھ ہی ان کی خوراک ہو ان کے پیشاب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ بچی کے پیشاب کو دھونا چاہئے اور بچے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا ہی کافی ہے۔

اس مسئلہ میں راجح قول یہ ہے کہ بچے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے، اور بچی کے پیشاب پر پانی چھڑکنا کافی نہ ہوگا بلکہ اس کو دھونا واجب ہے۔

شافعیہ کا صحیح مذہب یہی ہے، نیز امام احمد اور اصحاب ظواہر بھی اسی کے قائل ہیں۔

دلائل: ۱- ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے لڑکے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں جو کہ ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا، اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور پیشاب پر پانی چھڑک دیا، دھویا نہیں۔[۱]

اور ایک روایت میں ''نضح'' کے بجائے ''رش'' کا لفظ ہے[۲] اور مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور کپڑے پر چھڑک دیا، اسے دھویا نہیں۔[۳]

۲- حضرت ابو سمح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا...... (ایک مرتبہ) حسن یا حسین آپ کے پاس لائے گئے اور انہوں نے آپ کے سینے پر پیشاب کر دیا۔ میں

---

(۱) بخاری (۱/۹۳، رقم:۲۲۳)
(۲) صحیح بخاری (۴/۱۸۲۲) (ح:۵۶۹۳)
(۳) مسلم: (۱/ ۲۳۸، رقم:۲۸۷)

دھونے کیلئے آگے بڑھا تو آپ نے فرمایا: بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائیگا۔(۱)

۳۔حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیتے بچے کے پیشاب کے بارے میں فرمایا: غلام کے بول کیلئے نضح کیا جائیگا اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائیگا۔قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ بچہ یا بچی ابھی کھانا نہ کھارہے ہوں، اور جب وہ کھانا کھانے لگیں تو ہر ایک کا پیشاب دھویا جائے گا۔(۲)

یہ اور ان جیسی دوسری احادیث صراحت کرتی ہیں کہ بول غلام میں نضح پر اکتفا کیا جائیگا بلکہ اس کی بھی صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے دھویا نہیں جبکہ بول جاریہ کو دھونے کی صراحت آئی ہے اور نضح اس میں کافی نہ ہوگا۔

تفریق کی حکمت: غلام (دودھ پیتا بچہ) اور جاریہ (دودھ پیتی بچی) میں اور بول جاریہ اور بول غلام میں علماء نے فرق بیان کیا ہے جس سے تفریق کی حکمت واضح ہوتی ہے

(۱) بچہ اہل خانہ کو فطری طور پر زیادہ پسند ہوتا ہے، لہٰذا اس کو لوگ زیادہ گود لیتے ہیں اور جب گود زیادہ لیں گے تو پیشاب بھی زیادہ لگے گا چنانچہ آسانی کیلئے غلام کے پیشاب کی نجاست میں تخفیف کی گئی ہے۔(۳)

(۲) بول غلام چونکہ تنگ سوراخ اور لمبی نالی سے نکلتا ہے اس لئے طاقت کے ساتھ نکلتا ہے اور اس کے چھینٹے زیادہ لگتے ہیں تو حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ تخفیف ہو۔رہی بات بچی کی تو اس کا پیشاب کشادہ سوراخ اور کم طاقت کے ساتھ نکلتا ہے اور ایک ہی جگہ باقی رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے گندگی اس جگہ جم جاتی ہے۔

---

(۱) رواہ ابو داو د: ۱ / ۱۰۲ ،رقم:۳۷۴۔ و صححه الالبانی فی ”صحیح سنن ابی داود: ۱ / ۱۱۱ ،رقم:۳۷۶

(۲) رواہ الترمذی: ۲ / ۵۰۹، رقم : ۶۱۰ ، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن الترمذی (۱/۳۳۴،ح:۶۱۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) المجموع ۵/۵۹۰، اعلام الموقعین لابن القیم ۲/۵۹

(۳) بچے کے اندر بچی کی بہ نسبت حرارت زیادہ ہوتی ہے اور یہ حرارت فضلاتِ غذا کو کم کر دیتی ہے۔[۱]

(۴) دونوں کے پیشاب کے نظام میں فطری وتکوینی اختلاف ہے۔[۲]

لیکن ہمیں علمِ یقین ہے کہ ہماری حکیمانہ شریعت دو مماثل چیزوں کے درمیان وہیں تفریق کرتی ہے جہاں حکمت اس تفریق کی متقاضی ہوتی ہے اور جمع بھی وہیں کرتی ہے جہاں جمع کرنا حکمت کا تقاضہ ہوتا ہے کیوں کہ اللہ کے تمام احکام مبنی پر حکمت و مصلحت ہوتے ہیں جو کبھی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتی ہے۔[۳]

سنتِ مصطفیٰ ہے میری ہم سفر، اس لیے صاف و روشن مری رہگزر
میرے پاس آسکی نہ کبھی گمرہی، زور شیطاں نے یوں تو لگایا بہت

---

(۱) دیکھئے أعلام الموقعين (۲۰/۲)

(۲) الموسوعة الطبية الفقهيه، از ڈاکٹر احمد محمد کنعان (ص:۱۲۸-۱۲۹)

(۳) توضيح الأحكام من بلوغ المرام، از عبد الله البسام (۱۴۹/۱)

دوسری بحث

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے بیان میں

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

مرد کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

دوسرا مطلب :

عورت کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

پہلا مطلب

مرد کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

راجح قول کے مطابق مرد کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ حالانکہ بیٹھ کر پیشاب کرنا افضل ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کا یہی مذہب ہے۔

علماء نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کیلئے دو شرطیں لگائی ہیں:

۱- پیشاب کے چھینٹے کپڑے اور بدن پر لگنے سے محفوظ ہو۔

۲- ستر کھلنے کا اندیشہ نہ ہو۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔

دلیل:

''عن حذيفة رضى الله عنه قال: رايتنى انا و النبى ﷺ نتماشى، فاتى سباطة قوم خلف حائط ، فقام كمايقوم احدكم ، فبال......''.

''حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ کو کہ آپ پیدل جارہے تھے، ایک قبیلے کے کوڑے خانے کے دیوار کے پیچھے پہنچے اور آپ کھڑے ہوئے جیسا کہ تم میں کا کوئی کھڑا ہوتا ہے پھر آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا''۔(۱)

اس حدیث سے استدلال دو طرح سے ہے:

اول : اس حدیث میں صراحت ہے کہ آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا اور آپ کا یہ فعل جواز پر دلالت کرتا ہے۔

ثانی: اس میں ظاہری دلالت اس بات کی ہے کہ صحابہ کرام کھڑے ہوکر پیشاب کیا کرتے تھے اور بول کے وقت قیام ان کیلئے نئی چیز نہیں تھی اور نبی ﷺ نے انہیں کی طرح کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔

---

(۱) بخاری:۱/۹۳ ح۲۲۵ ، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں، مسلم:۱/۲۲۸، ح: ۲۷۳

آثــار: کچھ ایسے آثار منقول ہیں جن سے وضاحت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی کبھی کھڑے ہوکر بھی پیشاب کیا کرتے تھے۔ان آثار میں سے چند یہ ہیں:

۱- ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے:...... زید نے کہا''میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا''۔(۱)

۲- ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے:......ابوظبیان نے کہا:''میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا''۔(۲)

۳- ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے: قبیصہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کررہے ہیں۔(۳)

علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ عمر،علی اور زید بن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ ان لوگوں نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا جواس بات کی دلیل ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے البتہ جبکہ اس کے چھینٹوں سے محفوظ ہو۔(۴)

ایک اشکال اور اس کا جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:''جو شخص تم سے بیان کرے کہ نبی ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو(اس بات کو نہ مانو) کیونکہ آپ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے''۔(۵)

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ حدیث عائشہ کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق یہ بات کہی اور درون خانہ جو واقع ہوا اس پر آپ کے علم کو محمول کیا جائیگا اور بول قائم کا واقعہ گھر کے باہر پیش آیا جس پر آپ مطلع نہ ہوسکیں اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنے والی حدیث

---

(۱) رواہ ابن ابی شیبه فی مصنفه:۱/۱۱۵،رقم ۱۳۱۰
(۲) رواہ ابن ابی شیبه فی مصنفه:۱/۱۱۵،رقم ۱۳۱۱
(۳) رواہ ابن ابی شیبه فی مصنفه:۱/۱۱۵،رقم ۱۳۱۱
(۴) فتح الباری:۱/۳۳۰
(۵) رواہ الترمذی:۱/۱۷، حدیث نمبر ۱۲، علامه البانی رحمه الله نے اسے ''صحیح سنن الترمذی'' (۱/۲۵)، (ح:۱۲) میں صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت حذیفہ نے بیان کی ہے جو کبار صحابہ میں سے ہیں۔ (۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے واقعہ کو خلاف عادت پر محمول کیا جائیگا جو کسی ضرر یا بیان جواز کیلئے پیش آیا۔ (۲)

آ کریں ہم مڑ کے پیچھے، چودہ صدیوں کا سفر
امتِ اقرأ کو کر دیں ہم کنارِ زندگی

پھر کریں طیبہ سے اپنا رشتۂ جاں استوار
پھر کریں جاری وہیں سے آبشارِ زندگی

(۱) فتح الباری: ۱/ ۳۳۰

(۲) حاشیۃ السندی علی سنن النسائی ۱/ ۲۶

دوسرا مطلب

عورت کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

عورت کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے حکم کے بارے میں میری اطلاع کے مطابق کسی بھی عالم نے کلام نہیں کیا ہے سوائے صاوی کے، جن کا کہنا ہے کہ عورت کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا شدید مکروہ ہے۔(۱)

اس مسئلہ میں عورت کو مرد پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عورت جب کھڑے ہوکر پیشاب کرے گی تو لامحالہ پیشاب کپڑے اور بدن پر لگے گا۔مزید یہ کہ میرے علم کے مطابق کسی بھی عالم نے عورت کو کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

دلیـــــــل: کچھ دلائل (حدیثیں) ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ عورت بیٹھ کر ہی پیشاب کرے گی۔ان حدیثوں میں سے چند یہ ہیں:

☆ عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے۔آپ کے ہاتھ میں ڈھال تھی جسے آپ نے رکھا پھر بیٹھ کر استنجا کیا ڈھال کی طرف۔تو بعض نے کہا کہ دیکھو عورت کی طرح استنجا کر رہے ہیں۔(۲)

احمد بن عبدالرحمٰن مخزومی رحمہ اللہ (جو امام ابن ماجہ کے مشائخ میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ: ''عربوں کی عادت کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی تھی۔کیا تم نے اس بات کو عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں دیکھا کہ کہنے والے نے کہا کہ بیٹھ کر اس طرح پیشاب کرتے ہیں جس طرح کہ عورتیں کرتی ہیں''۔(۳)

خـــلاصـــه کـلام: جب عورت کھڑی ہوکر پیشاب کرے گی تو لامحالہ پیشاب کپڑوں اور بدن پر لگے گا، لہٰذا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ان کے لئے حرام ہے۔کیونکہ عذاب قبر (پیشاب سے نہ بچنے کے سبب) نہیں ہوتا ہے مگر حرام کام کے ارتکاب پر یا واجب کے ترک پر۔

---

(۱) دیکھئے: حاشية الصاوی علی الشرح الکبیر (۱۳۸/۱)

(۲) رواہ ابن ماجہ: ۱/ ۱۲۴، رقم: ۳۴۶، صحیح سنن ابن ماجہ (۱۲۴/۱، ح:۲۸۱) میں علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) سنن ابن ماجہ: ۱/ ۱۱۲، رقم: ۳۰۹

دوسری فصل

خصال فطرت

اس میں دو مباحث ھیں:

پہلی بحث :

ختنہ کے بارے میں

دوسری بحث :

حلق کے بارے میں

پهلی بحث

ختنہ

اس میں دومطالب هیں:

پہلا مطلب :

مردکا ختنہ

دوسرا مطلب :

عورت کا ختنہ

پہلا مطلب
مرد کا ختنہ

علماء کے دو اقوال میں سے صحیح قول کے مطابق، مردوں کے لئے ختنہ واجب ہے نیز شافعیہ اور حنابلہ اسی کے قائل ہیں۔

دلائــــل: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر میں قدوم میں ختنہ کیا''۔(۱)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (النحل:۱۲۳)

''پھر ہم نے تمہارے پاس وحی کی کہ ملت ابراہیمی کی اتباع کرو''۔

اللہ کے نبی ﷺ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور یہ تخصیص صرف توحید کے ساتھ خاص ہو اس کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس سے مراد عام اتباع ہے۔ (یعنی نبی ﷺ کو ابراہیم علیہ السلام کی ہر چیز میں اتباع کا حکم دیا گیا) کیونکہ توحید اور ختنہ وغیرہ ایسے خصال ہیں جن کے بارے میں ثابت ہے کہ یہ ملت ابراہیمی میں سنت تھے۔(۲)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ﴾ (البقرة : ۱۲٤)

''اور جبکہ ابراہیم کو اس کے رب نے آزمایا چند باتوں میں'' کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو طہارت کے بارے میں آزمایا: پانچ سر کے بارے میں اور پانچ جسم میں۔ سر کے پانچ یہ ہیں: مونچھ کٹوانا، کلی کرنا، ناک صاف کرنا، مسواک کرنا، اور مانگ نکالنا۔ اور جسم کے

---

(۱) رواہ البخاری : ۲/ ۱۰۳۴، رقم : ۳۳۵۶۔ مسلم: ۴/ ۱۸۳۹ ، رقم : ۲۳۷۰

(۲) دیکھئے تحفة المودود (ص:۱۳۹)

پانچ یہ ہیں: ناخن کاٹنا، زیر ناف بالوں پر استرہ استعمال کرنا، ختنہ کرنا، بغل کے بال اکھیڑنا، اور استنجا پاخانہ کی جگہوں کو دھونا۔(۱)

۳۔ عثیم بن کثیر بن کلیب کے دادا کلیب جہنی سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میں اسلام لایا تو نبی ﷺ نے فرمایا: حالت کفر کے بال کاٹ دو یعنی حلق کرالو۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک دوسرے نے مجھ کو بتایا کہ نبی ﷺ نے ان کے ساتھ آئے ان کے دوسرے ساتھی سے کہا: کفر کے بال کاٹ دو اور ختنہ کرو۔(۲)

امر وجوب کیلئے ہوتا ہے اور یہاں پر اس کو وجوب کے معنی سے پھیرنے والی کوئی بات موجود بھی نہیں ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر چہ نبی ﷺ کا خطاب ایک کیلئے تھا لیکن اس حکم میں دوسرے لوگ بھی شامل ہوں گے۔ (لیکن نبی ﷺ نے دوسرے سے بھی یہ بات فرمائی) حتی کہ خصوصیت پر دلیل قائم ہو جائے۔(۳)

مزید یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ ختنہ شعائر اسلام میں سے ہے، ایک مسلمان اسی سے کافر سے ممتاز ہوتا ہے حتی کہ اگر غیر مختون مقتول جماعت میں کوئی مختون پایا جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن کیا جائیگا۔(۴)

ختنہ نہ کرنے کی وجہ سے ذکر کے آس پاس چمڑی رہ جاتی ہے، جس کی وجہ سے صفائی برابر نہیں ہو پاتی اور طہارت بھی مکمل نہیں ہو پاتی ہے، اس کے نیچے پیشاب بھی جمع ہو جاتا ہے اور یہ کلیہ ہے کہ جس چیز سے کوئی واجب مکمل ہوتا ہے وہ چیز بھی واجب ہو جاتی ہے۔ اس لئے نماز کی صحت تو ختنہ ہی پر موقوف ہے۔(۵)

---

(۱) رواہ الحاکم فی المستدرک: ۲/ ۲۹۳، رقم: ۳۰۵۵، اس کی سند کو احمد شاکر نے تحقیق تفسیر الطبری (۹/۳) میں صحیح قرار دیا ہے۔
(۲) رواہ ابو داود: ۱/ ۹۸، ح ۳۵۶، صحیح سنن ابی داود (۱/۱۰۲) (ح:۳۵۶) میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔
(۳) فتح الباری (۱۰/۳۴۱)
(۴) شرح السنة للبغوی ۱/۷۰، تحفة المودود ص ۱۳۰
(۵) تحفة المودود (ص: ۲۰۳)

دوسرا مطلب

عورت کا ختنہ

سب سے صحیح قول یہ ہے کہ ختنہ عورتوں کے حق میں مشروع ہے اور یہ ختنہ ان کیلئے باعث تعظیم ہے، البتہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ واجب ہونے کی کوئی صریح صحیح دلیل نہیں ہے اور اکثر اہل علم مثلاً حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

دلائل: ۱۔ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت مدینہ میں ختنہ کیا کرتی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ ختنہ کرنے میں مبالغہ نہ کرنا اس میں عورت کیلئے زیادہ لذت اور شوہر کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔(۱)

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ختنہ عورتوں کیلئے مشروع اور جائز ہے کیونکہ ختنہ کرنے والی عورت کو آپ نے منع نہیں فرمایا بلکہ باقی رکھتے ہوئے مبالغہ سے منع فرمایا۔

۲۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی عورت سے ہم بستری کرے اور ختنہ سے ختنہ مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔(۲)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب ختنہ سے ختنہ مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔(۳)

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتیں ختنہ کرواتی تھیں جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ عورتیں ختنہ کرواتی تھیں''۔(۴)

---

(۱) (رواہ ابو داود: ۴/ ۳۸۲، ح ۵۲۷۱) شیخ البانی نے اسے صحیح کہاہے دیکھئے صحیح ابوداود: ۳/۲۹۵(۵۲۷۱)

(۲) رواہ مسلم: ۱/ ۲۷۲، ح ۳۴۹

(۳) ابن ماجہ (۱/۲۰۰) (ح:۶۱۱)، شیخ البانی نے اسے صحیح کہاہے، صحیح سنن ابن ماجہ ۱/۱۸۷، (۴۹۸)

(۴) المغنی: ۱/ ۱۱۲، تحفتہ المودود (ص:۱۹۲)

اس میں کافی دلیل ہے کہ ختنہ عورتوں کیلئے مشروع ہے، واجب نہیں ہے۔

۳۔ عورتوں کے ختنہ نہ کرانے سے وہ خرابی نہیں آتی جو مردوں کے ختنہ نہ کرانے سے ہوتی ہے چنانچہ غیر مختون مرد کی طہارت اور نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور یہ خرابی غیر مختون عورت میں نہیں پائی جاتی۔

اسی لئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مرد و عورت کے ختنہ کے مقصد کے بیان میں فرمایا کہ مرد کے ختنہ کا مقصد اس گندگی اور نجاست کو پاک کرنا ہے جو قلفہ میں چھپی رہتی ہے اور عورت کے ختنہ کا مقصد اس کی شہوت کو معتدل کرنا ہے۔[1]

لہٰذا مقصد کے اختلاف سے حکم مختلف ہو جائیگا۔ اس سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ مردوں کیلئے ختنہ واجب اور عورتوں کیلئے مکرم ہے، واللہ اعلم

تفریق کی حکمت : چونکہ ختنہ نہ کرانے سے بہت سی خرابیاں واقع ہوتی ہیں اس لئے مناسب یہ تھا کہ مردوں کیلئے ختنہ واجب ہو اور عورتوں کے ختنہ نہ کرانے کا ضرر معمولی ہے جیسا کہ بعض عورتوں کو ہوتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان کے حق میں ختنہ مباح ہو۔ نیز اس مسئلہ میں علمی رائے پر بھی ہماری نگاہ ہونی چاہئے تاکہ شریعت کی حکمت سے ہم واقف ہو سکیں جس کو اہل اختصاص جانتے ہیں۔

نوزائیدہ بچوں کا ختنہ کرانے سے کئی طرح کے صحت مندانہ فوائد انہیں حاصل ہوتے ہیں جن میں اہم ترین فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ ذَکر کے حشفہ میں پیشاب کی بوندیں باقی رہ جانے سے نوزائیدہ بچہ جلن اور سوزش کے مرض کا شکار ہوسکتا ہے جس کا علاج صرف ختنہ ہے۔ اگر ختنہ نہ کرایا جائے تو مستقبل میں وہ بچہ کئی طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوسکتا ہے جن میں سب سے خطرناک اور جان لیوا بیماری سرطانِ ذکر یا شرمگاہ کا کینسر ہوسکتا ہے۔

۲۔ ختنہ کرا دینے سے پیشاب کی نالیوں کی سوزش اور سوجن سے بچہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ کئی

---

(۱) مجموع الفتاوی: ۲۱ / ۱۱۴

تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ جن بچوں کا ختنہ نہیں کرایا گیا، وہ پیشاب کی نالیوں کی سوجن یعنی سوزاک کی بیماری میں زیادہ مبتلا ہوئے۔

۳—اس کے ذریعہ شرمگاہ کے کینسر سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔

۴—اس سے بیوی رحمِ مادر کے کینسر سے محفوظ رہتی ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ذکر اور رحم کا کینسر Cells کے بیکٹیریا سے ہی جڑے ہوئے ہیں خصوصاً ۱۶اور ۱۸ نمبر کے جراثیمی گروہ سے۔

چونکہ یہ جراثیم ایک دوسرے میں پھیل جاتے ہیں اور غیر مختون افراد اس میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے اس بات کا امکان زیادہ ہوتا ہے کہ ان کی بیویوں میں بھی وہ مرض پیدا ہو جائے جبکہ ختنہ کرائے ہوئے انسان کی بیوی کو اس مرض میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ کے برابر ہوتا ہے۔[۱]

رہی بات عورت کے ختنہ کرانے کی تو اس سے اس کو جلن اور سوجن کی بیماری سے نجات مل جاتی ہے اور مائیکروبیائی سوجن سے بھی وہ محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ عورت کا عضو، مرد کے عضوِ خاص کے برخلاف، پیشاب کی نالی سے زیادہ دور ہوتا ہے۔[۲]

عورت کے ختنے کے خلاف عالمی مہم:

حالانکہ عورت کا ختنہ اسلامی قانون کے مطابق ہے جیسا کہ گزشتہ سطور و صفحات میں اس سے متعلق وارد احادیث و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک رواج اور آبائی رسم نہیں جسے فروغ دینے والے خوب فروغ دے رہے ہیں، پھر بھی عورت سے متعلق منعقد کی جانے والی عالمی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں عورت کے ختنے کو نہایت بھیانک شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور اسے عورت یا بچی پر ایک ظلم کی طرح پیش کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھرم بھی پھیلایا جاتا ہے کہ یہ کئی طرح کے صحتی مسائل بھی پیدا کرتا ہے اور اس بات کی دعوت دی جاتی ہے کہ ہر ملک میں عورت پر اس ظلم وستم کے روا رکھنے والوں کے خلاف سخت قوانین وضع کیے جائیں اور انہیں سخت سے سخت سزائیں دی جائیں۔

---

(۱) دیکھئے الختان، از ڈاکٹر محمد علی البار (ص:۷۶-۸۱)

(۲) دیکھئے: مصدر سابق (ص:۷۳)

مذکورہ الزامات وشکوک کا ازالہ:

مندرجہ بالا شکوک وشبہات کا ازالہ مندرجہ ذیل نکتوں سے کیا جاسکتا ہے:

۱۔ان کانفرنسوں اور سیمیناروں میں پاس کی جانے والی قراردادوں میں آپسی اختلافات پائے جاتے ہیں کیوں کہ وہ ختنے کو عورت اور بچی پر ظلم سمجھتی ہیں لیکن وہ قتلِ جنین کے ذرائع کو جرم نہیں سمجھتیں۔

۲۔اقوامِ متحدہ کو مغربی ممالک میں پھیلی ناجائز جسمانی تعلقات کی بناء پر جنم لینے والی بیماریوں پر عورت کے ختنے سے زیادہ توجہ صرف کرنا چاہئے کیوں کہ وہ ختنے سے کہیں زیادہ مرد عورت دونوں کے لیے یکساں ہلاکت خیز ہیں۔

۳۔اقوامِ متحدہ کے ذریعہ منعقد کی جانے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ مذہبی ختنے اور ظالمانہ ختنے کے درمیان تفریق کریں جبکہ دونوں طرح کے ختنوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور ظالمانہ ختنے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیوں کہ اس کی بنیاد بچی کی شرمگاہ کا پورا یا جزوی حصہ کاٹ لینے پر ہے جس سے کئی طرح کی صحتی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔[1]

۴۔ایسے سیمینار جب شریعت کے خلاف باتوں کی طرف دعوت دیتے ہیں تو پھر بطنِ مادر میں پل رہی بچی کے Cells کو مار ڈالنے کے خلاف دفعات اور قراردادیں پاس کیوں نہیں کرتے اور محفوظ ختنے کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتے؟

۵۔ قاہرہ میں ۱۴۱۵ھ مطابق 1994ء میں منعقد کی جانے والی ختنے کے خلاف کانفرنس کے دوران اور اس کے بعد منعقد ہونے والی دوسری اس طرح کی کانفرنسوں میں حقیقی ختنے پر دھیان نہیں دیا گیا کیوں کہ ان میں پرامن اور غیر مامون ختنوں میں کوئی تفریق کی گئی اور نہ ہی مامون ومحفوظ ختنے کی بات اٹھائی گئی۔بس اس پر شور مچایا گیا تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا جاسکے اور پوری دنیا کے میڈیا کے ذریعہ یہ ڈھنڈھورا پیٹا جائے کہ مذہبِ اسلام عورت کو ذلیل کرتا اور اس کا استحصال کرتا ہے

---

(۱) العدوان علی المرأة فی المؤتمرات الدولیة (ص:۴۱۵)

اور ختنے کے ذریعہ اس کی انسانیت، انوثت اور ازدواجی زندگی کی عمارت کو منہدم کردیتا ہے۔[1]

حقیقت میں مذہبِ اسلام ان کھوکھلے دعووں سے جو یہ لوگ بڑے شدومد سے کرتے ہیں، پوری طرح آزاد ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسلام نے عورت کے لیے ختنہ کو واجب نہیں کیا بس جائز قرار دیا ہے۔ اس معاملے کو پوری طرح خود پر یا اس کے ولیوں پر چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ خود صحیح اور درست فیصلہ لے سکیں کہ اس کا ختنہ کرانے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر اس کا عضوِ خاص زیادہ بڑھا ہوا ہے یا پھر اس کی خواہشِ نفس کی آگ اس قدر تیز ہے کہ وہ صبر نہیں کر پا رہی ہے تو ایسی حالت میں اس کا ختنہ کرانا جائز رکھا گیا ہے اور اگر اس کو ختنہ کرانے کی ضرورت نہ ہو تو نہ کرائے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبِ اسلام نے عورت کے ختنہ کو واجب جاننے یا گرداننے والوں اور پوری طرح اس کی مخالفت کرنے والوں میں سے کسی کا بھی راستہ نہ اپنا کر اپنا ایک الگ ہی معتدل ومتوازن اور وسطیت واعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ نہ ختنہ کو واجب قرار دینے والوں کے ساتھ ہے اور نہ ہی اس کی بالکلیہ مخالفت کرنے والوں کے ساتھ اور نہ ہی عورت کی عالمی تحریکات وجمعیات کی طرف داری کرنے والوں کی گمراہی کے ساتھ ہے جو یہ بھولے ہوئے ہیں کہ ان کے پاس شریعتِ الٰہیہ کی صورت میں ایک ایسا سرمایہ ہے جس نے زندگی کے ہر موڑ پر حکمت ومصلحت کو نفس کوشی پر ترجیح دی ہے۔ جہاں بھی مصلحت وحکمت پائی گئی، وہیں پر اللہ کی شریعت بھی روشن نظر آتی ہے۔

---

(۱) دیکھئے: الختان از ڈاکٹر محمد علی البار (ص:۲۹۰)

دوسری بحث

حلق

اس میں دومطالب ہیں:

پہلا مطلب :

مرد کا سر مونڈنا

دوسرا مطلب :

عورت کا سر مونڈنا

پہلا مطلب

مرد کا سر مونڈوانا

مرد کیلئے اپنا بال حلق کرانا جائز ہے مکروہ نہیں ہے، جمہور کا یہی مسلک ہے اور بالوں کو سنوارنا، لمبا کرنا اور دیکھ ریکھ کرنا حلق سے افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے اور آپ کی اقتداء افضل ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا صحیح تر مذہب یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکرم بنایا ہے اور ایسے کام سے منع کیا ہے جس میں مسخ یا مثلہ ہو، بلکہ اس نے صفائی کی دعوت دی ہے اور ہر جائز چیز سے آراستہ ہونے کی اجازت دی ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے تغییر خلق اللہ لازم نہ آتی ہو، یا وہ اللہ کی حرام کردہ چیز نہ ہو۔

دلائل: (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ایسے بچے کو دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ حلق کیا گیا تھا اور بعض حصہ چھوڑ دیا گیا تھا تو نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ پورے سر کا حلق کراؤ یا پورے سر کو چھوڑ دو۔[1]

اس حدیث میں واضح دلیل ہے کہ مردوں کیلئے حلق کرانا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب (شوافع) کے نزدیک ہر حال میں حلق کرانا جائز ہے لیکن اگر تیل وغیرہ کے ذریعہ اس کی حفاظت اور دیکھ ریکھ مشکل ہو تو حلق مستحب ہے، اور مشقت نہ ہو تو حلق نہ کرانا ہی مستحب ہے۔[1]

(۲) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے آل جعفر کو مہلت دی

---

(۱) ابوداود: ۸۳/۴، حدیث نمبر: ۴۱۹۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن ابی داود (۵۴۴/۲) (ح: ۴۱۹۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) صحیح مسلم بشرح النووی: ۱۶۷/۷

(تین بار) کہ وہ آئیں، پھر آل جعفر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ: ''آج کے بعد میرے بھائی پر تم لوگ آنسو نہ بہانا'' پھر فرمایا: میرے بھتیجوں کو بلاؤ، ہم لوگ لائے گئے، اس وقت ہم چوزے سے تھے، تو آپ نے فرمایا: نائی کو بلاؤ اور آپ نے ہمارے سروں کو منڈایا۔(۱)

نبی ﷺ نے جعفر کے لڑکوں کو حلق کرانے کا حکم دیا۔ اگر حلق منع ہوتا تو آپ ہرگز اس کا حکم نہ دیتے۔(۲)

بلاشبہ بالوں کی دیکھ ریکھ اور حفاظت ہی زیادہ بہتر ہے الا یہ کہ صورت حال حلق کی متقاضی ہو۔ کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آل کو دیکھا کہ ان کے سروں میں جوئیں پڑ گئی ہیں تو آپ نے ان کو حلق کرانے کا حکم دیا۔

آج دنیا کو ضرورت سب سے بڑھ کر جس کی ہے
وہ ہے بے شک مانئے، سیرت سہانی آپؐ کی

---

(۱) ابوداود: ۴/ ۸۳ ح ۴۱۹۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح سنن ابی داود'' (۲/۵۴۳) (ح:۴۱۹۲) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) دیکھئے تفسیر قرطبی (۲/۳۸۲)

دوسرا مطلب

عورت کا سر مونڈوانا

عورت کے بال مردوں سے مختلف ہوتے ہیں، کیونکہ اسے بالوں پر توجہ دینے کا حکم دیا گیا ہے اوراس لئے بھی کہ بال عورتوں کی مطلوبہ زینت ہے۔ بلکہ عورتوں کے بال ان اہم خصائل میں سے ہیں جن کے ذریعہ عورت اپنے جمال کو ظاہر کرتی ہے۔ نیز بالوں کے ذریعہ ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے اور دراز زلفیں خوبصورتی کی علامت مانی جاتی ہیں،

عورتوں کے حلق کرانے کی تین حالتیں ہیں:

(۱) کسی مصیبت کے وقت حلق کرانا: اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں جزع فزع کرنے والی، مصیبت کے وقت بال منڈانے والی اور کپڑا پھاڑنے والی عورت سے بری ہوں۔[۱]

(۲) بیماری وغیرہ جیسی ضرورت سے حلق کرانا: یہ صورت جائز ہے کیونکہ اسلامی قاعدہ ہے کہ "الضرورات تبیح المحظورات" ضرورتیں حرام چیزوں کو حلال کردیتی ہیں۔ یہ قاعدہ اتفاقی ہے۔

(۳) حج یا عمرہ کے بعد یا بغیر ضرورت کے حلق کرانا: اس مسئلہ میں اہل علم (علماء) کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عورتوں کو حلق کرانا منع ہے۔ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ بعض علماء اسے حرام کہتے ہیں اور بعض مکروہ۔ حرمت کے قائل مالکیہ، شوافع اور حنابلہ ہیں اور یہی راجح مذہب بھی ہے۔

---

(۱) رواہ البخاری: ۱/ ۳۸۲ ح ۱۲۹۶، مسلم: ۱/ ۱۰۰ ح ۱۰۴

دلائل:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: عورتوں کیلئے حلق نہیں ہے بلکہ ان کیلئے قصر ہے۔[۱]

اس حدیث میں عورتوں کو حلق سے روکا گیا ہے اورقصر کی اجازت دی گئی ہے۔ باوجود یہ کہ نبی ﷺ نے نائیوں کوتین دفعہ بلایا اثناء حج میں[۲]۔ لیکن عورتوں کو حلق سے منع فرمایا۔ اس حدیث کی رو سے چونکہ عورتوں کیلئے حج میں حلق کرانا جائزنہیں ہے اس لئے حج کے علاوہ دوسری جگہوں پر بدرجہ اولی حرام ہوگا الا یہ کہ مرض وغیرہ کی بنا پرمجبوری پیش آجائے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اورمردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پرلعنت کی ہے۔[۳]

وجہ استدلال: عورتوں کا سر منڈانا خلاف فطرت ہے، اسی طرح بسا اوقات شوہر اس کو ناگوار سمجھتا اوراس سے اورنفرت کرتا ہے، وہ ازدواجی تعلق جو الفت ومحبت پر قائم ہے اس کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔ جبکہ اسلام زن وشو کے درمیان قائم محبت ومودت کی فضا کی حفاظت کا سب سے زیادہ حریص ہے۔ لہٰذا ایسی تدابیر اوراسباب اختیار کئے جائیں گے جن سے میاں بیوی کے درمیان یہ پیار محبت ہمیشہ قائم رہے۔

---

(۱) رواہ ابو داود : ۲ / ۲۰۳ ح ۱۹۸۴ ، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح سنن ابی داود“ (۱/۵۵۵) (ح:۱۹۸۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) البخاری :(۴ / ۱۸۷۳،ح: ۵۸۸۵)، مسلم (۲/۹۴۵–۹۴۶) (ح:۱۳۰۱–۱۳۰۲)

(۳) صحیح بخاری (۴/۱۸۷۳) (ح:۵۸۸۵)

تیسری فصل

زینت اور لباس کے بارے میں

اس میں چار مباحث ہیں:

پہلی بحث: سونے چاندی کے زیورات پہننے کے بارے میں

دوسری بحث :

خضاب کے بارے میں

تیسری بحث :

خوشبو لگانے کے بارے میں

چوتھی بحث :

لباس کے بارے میں

پهلی بحث

سونے چاندی کے زیورات پہننا

اس میں دو مباحث هیں:

پہلا مطلب :

مرد کے لئے سونے چاندی کے زیورات پہننا

دوسرا مطلب :

عورت کے لئے سونے چاندی کے زیورات پہننا

پہلا مطلب

مردوں کیلئے سونے اور چاندی کے زیورات کا استعمال

اولاً: مردوں کیلئے سونے کے زیور کے استعمال کا حکم:

مرد سونے کے زیور سے زیب وزینت اختیار نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ عورتوں کی زینت ہے۔ لہٰذا اگر مرد نے سونے کا زیور استعمال کیا تو اس نے شریعت کے مباح کردہ حدود سے تجاوز کرلیا، اور عورتوں کی مشابہت اختیار کی نیز سونے کا استعمال مردوں کیلئے ایک قسم کا فخر ومباہات ہے۔ اسی لئے بالاتفاق مردوں کیلئے سونے کا زیور ناجائز ہے۔

دلائل: (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بائیں ہاتھ میں ریشم اور دائیں ہاتھ میں سونے کو لیا اور ہاتھ بلند کرکے ارشاد فرمایا: ''یہ دونوں چیزیں مری امت کے مردوں کیلئے حرام اور عورتوں کیلئے حلال ہیں۔''(۱)

(۲) حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عزوجل نے مری امت کے مردوں پر سونا اور ریشم حرام کیا ہے اور عورتوں کیلئے جائز کیا ہے۔''(۲)

وجہ استدلال: سونا اور ریشم عورتوں کیلئے جائز اور مردوں کیلئے حرام ہے۔

(ثانیا): مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی کا حکم:

علماء کے اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں اور راجح جمہور کا مسلک ہے کہ مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی کا استعمال حرام ہے۔

---

(۱) (ابن ماجہ: ۱۱۸۹/۲، ح ۳۵۹۵)شیخ البانی نے صحیح کہاہے،دیکھئے :صحیح سنن ابن ماجہ ۱۹۷/۳،(ح:۲۹۱۲)

(۲) (نسائی:۱۹۰/۸، ح: ۵۲۶۵)شیخ البانی نے صحیح کہاہے، دیکھئے :صحیح سنن النسائی (۴۰۰/۳) (ح:۵۲۸۰)

دلائل:

(۱) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات چیزوں سے منع فرمایا: ''سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا یا سونے کے حلقہ (چھلا وغیرہ) سے منع فرمایا۔[1]

اور مسلم میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سونے کی انگوٹھیوں سے منع فرمایا''۔[2]

یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سونے کی انگوٹھی کا استعمال حرام ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے صراحت کے ساتھ اس کی نفی فرمائی ہے اور یہ نفی حرمت کی متقاضی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اس کو نکال کر پھینک دیا اور ارشاد فرمایا: تم میں کا ایک شخص آگ کے شعلے کا قصد کرتا ہے اور اسے ہاتھوں میں لئے پھرتا ہے۔ پھر نبی ﷺ کے رخصت ہوجانے کے بعد اس آدمی سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی لے لو اور اس سے (کسی اور طریقہ سے) نفع حاصل کرلو، تو ان صحابی نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں ہرگز کبھی بھی اس چیز کو نہیں لے سکتا جس کو نبی ﷺ نے پھینک دیا ہو۔[3]

نبی ﷺ کے قول کی بنیاد پر جیسا کہ پہلی حدیث میں مذکور ہوا مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی بالاجماع حرام ہے، نیز آپ کے اس فعل کی بنیاد پر بھی کہ آپ نے اسے ہاتھ سے نکال کر پھینک دیا جیسا کہ دوسری حدیث میں گذرا۔ جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئیں ان میں سختی کے ساتھ سونے کی انگوٹھی سے منع کیا گیا۔

---

(۱) بخاری: ۱۸۶۷/۴، ح:۵۸۶۳

(۲) مسلم ۱۶۳۵/۳، ح: ۲۰۶۶

(۳) مسلم: ۱۶۵۵/۳، ح:۲۰۹۰

ثالثا: مردوں کیلئے چاندی کے زیور کا حکم:

باتفاق ائمہ اربعہ مردوں کیلئے چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔

دلائل: بہت ساری حدیثیں چاندی کی انگوٹھی کے جواز پر دلائل ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جسے آپ اپنے ہاتھوں میں پہنے رہتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں گئی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں گئی یہاں تک کہ بئر اریس میں یہ انگوٹھی گر گئی اور تلاش بسیار کے بعد بھی نہ مل سکی اس پر ''**محمد رسول الله**'' نقش تھا۔(۱)

مردوں کیلئے سونے اور چاندی میں فرق:

سونا چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ نبی ﷺ نے مردوں کیلئے حرام قرار دیا ہے اور چاہے یہ سونا برتن کی شکل میں ہو یا انگوٹھی وغیرہ کی شکل میں۔ چاندی کے سلسلہ میں عام نفی وارد نہیں ہوئی ہے سوائے برتن کے۔ لہٰذا آلات حرب کو چاندی سے مزین کرنا اور چاندی کے دوسرے زیورات وغیرہ کا استعمال مردوں کیلئے اس شرط پر جائز ہوگا کہ اس کا پہننا مردوں کیلئے جائز ہو۔ امام ابن تیمیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔(۲)

---

(۱) بخاری: ۴/ ۱۸۷۰، ح: ۵۸۷۳، مسلم: ۳/ ۱۶۵۶، ح: ۲۰۹۱

(۲) مجموع الفتاوی: ۲۵/ ۶۵

دوسرا مطلب

عورت کیلئے سونے چاندی کے زیورات کے استعمال کا حکم

علماء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ عورت کیلئے سونے اور چاندی کے ذریعہ مزین اور آراستہ ہونا جائز ہے۔ چنانچہ ان کیلئے ہر وہ چیز جائز ہوگی جو عادتاً عورتیں استعمال کرتی ہیں، چاہے یہ پہننا کان میں ہو یا گردن میں، سینہ پر ہو یا کلائی میں، سر پر ہو یا انگلیوں میں، اور چاہے وہ زیور ہار کی شکل میں ہو یا بالی وغیرہ کی شکل میں، اور چاہے انگوٹھی ہو یا پازیب۔ جمہور علماء سلف وخلف کے نزدیک عورتوں کیلئے سونے، چاندی اور جواہرات کے زیور کا استعمال جائز ہے۔ اس سلسلہ میں محلق اور غیر محلق میں کوئی فرق نہیں ہے۔

دلائل:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ نجاشی بادشاہ نے ہدیتاً کچھ زیورات حضو ﷺ کی خدمت میں بھیجے، جس میں حبشی نگینہ والی ایک سونے کی انگوٹھی بھی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اس انگوٹھی کو لیا اور امامہ بنت ابی العاص (بنت زینب بنت محمد ﷺ) کو بلا کر فرمایا: اے میری لڑکی! اس کو تم پہن لو۔[۱]

(۲) سابق میں حدیث گذر چکی ہے کہ سونے اور ریشم کے سلسلہ میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کیلئے جائز ہیں۔

مذکورہ دلائل کی بنیاد پر جب یہ بات جائز ہے کہ عورتوں کیلئے سونے کا ہر زیور جائز ہے تو چاندی کا زیور بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ چاندی کی حرمت سونے سے کم ہے۔[۲]

---

(۱) رواہ ابوداود: ۴/ ۹۲، ح ۴۲۳۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح سنن ابی داود" (۲/۵۵۳) (ح:۴۲۳۵) میں حسن قرار دیا ہے۔

(۲) دیکھئے :بدائع الصنائع : ۵/ ۱۳۳

دوسری بحث

خضاب لگانے کے بارے میں

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

بڑھاپے کا خضاب

دوسرا مطلب :

دونوں ہتھیلیوں اور پیروں پر مہندی کا خضاب

پہلا مطلب

بڑھاپے کا خضاب

بڑھاپے میں مرد وعورت کیلئے سرخ اور زرد رنگ کا خضاب جائز ہے، ان کے مابین اس سلسلہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حنفیہ، حنابلہ اور شوافع کے نزدیک بوڑھے مرد وعورت کیلئے خضاب مستحب ہے، مندرجہ ذیل احادیث کی بنیاد پر:

(۱) نبی ﷺ نے مسلمانوں کو اس پر ابھارا ہے اور خضاب کو ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان فرق کرنے والی چیز بتایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہود ونصاری خضاب نہیں لگاتے ہیں لہٰذا تم لوگ ان کی مخالفت کرو''۔[۱]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انصار کے چند بوڑھوں کے پاس سے گذرے جن کی داڑھیاں سفید تھیں تو آپ نے ان سے فرمایا ''اے گروہ انصار! سرخ یا زرد رنگ کا خضاب استعمال کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو''۔[۲]

(۲) خضاب لگانا نبی ﷺ سے ثابت ہے، چنانچہ ابن جریج نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ چار ایسے کام کرتے ہیں جنہیں آپ کے ساتھیوں کو کرتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا، انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ زرد خضاب استعمال کرتے ہیں۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ...... جہاں تک زردی کا سوال ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو زرد خضاب استعمال کرتے ہوئے دیکھا ہے لہٰذا میں اسی رنگ کے خضاب کو پسند کرتا ہوں۔[۳]

---

(۱) بخاری: ۴/ ۱۸۷۲، ح ۵۸۹۹، مسلم: ۳/ ۱۶۶۳، ح: ۲۱۰۳

(۲) رواہ احمد فی المسند: ۵/ ۲۶۴، ح: ۲۲۳۳۷، ابن حجرنے ''الفتح'' اور البانی رحمہ اللہ نے ''الصحیحۃ'' (۳/ ۲۴۹) میں حدیث نمبر (۱۲۴۵) کے تحت اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۳) بخاری: ۴/ ۱۸۶۵، ح ۵۸۵۱، مسلم: ۲/ ۸۴۴، ح: ۱۱۸۷

دوسرا مطلب

دونوں ہتھیلیوں اور پیروں پر مہندی کا خضاب

بلاشبہ مہندی ہر زمانہ میں عورتوں کیلئے بہترین زینت رہی ہے، حتی کہ لوگ مہندی کا استعمال عورتوں کی خصوصیات میں سے سمجھتے ہیں۔

دلائل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عثمان بن مظعون کی بیوی خضاب اور خوشبو کا استعمال کرتی تھی۔ مگر پھر اسے ترک کر دیا۔ ایک مرتبہ وہ میرے پاس آئی تو میں نے پوچھا کہ تمہارا شوہر گھر ہی پر ہے یا کہیں گیا ہوا ہے؟ تو اس نے کہا کہ حاضر ہے لیکن غائب کی طرح ہے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ تو بتایا کہ عثمان دنیا اور عورتوں کو پسند نہیں کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے تو میں نے یہ بات آپ کو بتادی۔ پھر رسول اللہ ﷺ عثمان بن مظعون سے ملے اور پوچھا کہ ''کیا تمہارا بھی اس پر ایمان ہے جس پر میرا ایمان ہے؟'' تو انہوں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے فرمایا: ہمارے اندر تمہارے لیے نمونہ موجود ہے۔ (۱)

وجہ استدلال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی کی تزئین بالحنا کے ترک پر نکیر کی، شوہر موجود ہو یا نہ ہو۔

مردوں کیلئے پیروں اور ہتھیلیوں میں خضاب لگانا حرام ہے: شریعت مطہرہ نے مردوں کو عورتوں کی مشابہت سے روکا ہے چاہے یہ مشابہت کلام وحرکات میں ہو یا لباس وزینت وغیرہ میں۔

تشبہ بالنساء سے روکنے والی دو ایک احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (۲)

---

(۱) رواہ احمد فی المسند: ۶/ ۱۰۶، ح ۲۴۷۹۶، مسند کے محققین نے اسے صحیح لغیر قرار دیا ہے، دیکھئے مسند احمد (۴۱/ ۲۷۳) حدیث نمبر: (۲۴۷۵۳)

(۲) بخاری: ۴/ ۱۸۷۳، ح ۵۸۸۵

چونکہ مہندی لگانا عورتوں کی خاص زینت ہے لہٰذا مردوں کیلئے اس کا استعمال تشبہ بالنساء کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کے عموم کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔

۲–احادیث میں مردوں کیلئے مہندی کے خضاب کی حرمت صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مخنث لایا گیا جس نے اپنے ہاتھوں اور پیروں میں مہندی لگا رکھی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ تو بتایا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ عورتوں کی مشابہت اختیار کر رہا ہے، تو نبی ﷺ نے اسے نقیع کی طرف جلاوطن کرنے کا حکم دیا، تو لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہ ہم اسے قتل کردیں؟ نبی ﷺ نے کہا کہ نمازیوں کو قتل کرنے سے مجھے روکا گیا ہے۔[۱]

نبی ﷺ کا مخنث کو منع کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہاتھوں اور پیروں میں مہندی کا خضاب مردوں کیلئے حرام ہے کیونکہ اس میں تشبہ بالنساء ہے اور علماء میں سے کسی نے بھی مردوں کیلئے پیروں اور ہاتھوں میں مہندی کا خضاب لگانے کی رخصت نہیں دی ہے سوائے بیماری وغیرہ کے یا کسی عذر کی وجہ سے۔

عورتوں کیلئے ہاتھوں اور پیروں میں خضاب کا جواز

عورتوں کیلئے مہندی اور اس جیسی دوسری چیزوں کے خضاب کے جواز میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے، جسے وہ ہاتھوں اور انگلیوں میں بطور زینت استعمال کرتی ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''شادی شدہ عورت کیلئے ہاتھوں اور پیروں میں مہندی کا خضاب مستحب ہے، مشہور احادیث کی بنا پر اور مردوں کیلئے حرام ہے سوائے دوا وغیرہ جیسی ضرورت کیلئے۔[۲]

---

(۱) ابوداود: ۴/ ۲۸۲، ح: ۴۹۲۸، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہاہے، دیکھئے: صحیح ابوداود (۲۰۸/۳) (۴۹۲۸)

(۲) المجموع: ۳۶۲/۱

عورتوں کیلئے مہندی کے خضاب کے جواز کی دلیلیں:

بہت ساری احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کیلئے ہاتھوں اور پیروں میں مہندی کا لگانا جائز ہے۔انہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماقبل میں مذکور وہ حدیث بھی ہے جس میں آپ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی سے خضاب نہ لگانے کی وجہ دریافت کی تھی۔ نیز حضرت ابو ہریرہ کی ماقبل میں حدیث گذر چکی جس میں اس مخنث کا تذکرہ ہے جس نے تشبہ بالنساء میں مہندی کا خضاب لگا رکھا تھا۔

اصلی اباحت جواز پر دلالت کرتی ہے:

عورتیں ہمیشہ سے ہی مہندی اور دوسری زینت کی چیزوں سے متزین ہوتی رہی ہیں۔ پھر شریعت مطہرہ نے بعض چیزوں سے منع فرمادیا جیسے گودنا، بال اکھیڑنا اور بھویں صاف کرا دینا وغیرہ اور دوسری اشیاء کو علی حالہ باقی رکھا۔انہیں میں مہندی بھی ہے جو جائز ہے۔

خلاصہ: یہ حکم مردوں کی جبلت کے موافق ہے کیونکہ ان کے اندر شدت ہے۔نیز وہ خاندان پر قوام (حاکم) ہیں اور جسمانی مشقت برداشت کرنے کا مادہ مردوں کے اندر ہے جبکہ عورتوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے نرمی رکھی ہے نیز وہ زینب وزینت کو پسند کرتی ہیں۔

تیسری بحث

خوشبو کے بارے میں

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

مردوں کی خوشبو کا وصف

دوسرا مطلب :

عورتوں کی خوشبو کا وصف

خوشبو

خوشبوان چیزوں میں سے ہے جسے نفس پسند کرتا ہے، کیونکہ اس سے دل مضبوط ہوتا اور روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔دوسری طرف، شریعت مطہرہ نے جسم سے گندگی کو دور کرکے صاف ستھرا رہنے پر ابھارا ہے۔خاص طور سے مجمع عام میں جیسے جمعہ اور نمازِ عیدین وغیرہ۔اسی طرح شریعت نے اچھی خوشبو کے استعمال پر ابھارا ہے اور مرد وعورت کی خوشبو میں فرق عطر کے لحاظ سے کچھ نہیں ہے بلکہ رنگ اور مہک کے اعتبار سے ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلا مطلب

مردوں کی خوشبو کا وصف

شریعت مبارکہ نے مردوں کیلئے اکثر وبیشتر زینت کی چیزوں کو حلال کیا ہے سوائے معدودے چند کے مثلاً سونا اور ریشم وغیرہ کیوں کہ اس میں احکم الحاکمین کی عظیم حکمت پوشیدہ ہے۔

چنانچہ مردوں کیلئے رنگ دار عطر لگانا مکروہ ہے، البتہ ایسا عطر اس کیلئے بہتر ہے جس کی بو ظاہر ہو اور رنگ پوشیدہ ہوتا کہ عورتوں کی مشابہت نہ ہو۔لہٰذا مرد کیلئے افضل یہ ہے کہ ایسی خوشبو استعمال کرے جس کا رنگ ظاہر نہ ہو الا یہ کہ اس کے علاوہ دوسرا عطر نہ پائے۔

دلائل: (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مردوں کا عطر وہ ہے جس کی بو ظاہر ہو اور رنگ مخفی ہو، اور عورتوں کا عطر وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور بو ہلکی ہو۔[۱]

۲۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''خیر'' (بہترین) کا لفظ آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''مردوں کا بہترین عطر وہ ہے جس کی بو ظاہر ہو، رنگ مخفی ہو اور عورتوں کا بہترین عطر وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو ہلکی ہو۔[۲]

امام شوکانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتاتی ہے کہ مردوں کے لیے بغیر رنگ والی خوشبو لگانا اچھا ہے جیسے کستوری، عنبر، صندل وغیرہ جبکہ رنگ والی خوشبو لگانا ناپسندیدہ ہے جیسے عبیر وغیرہ۔[۳]

---

(۱) ترمذی:۵/۱۰۷، ح: ۲۷۸۷، وصححه الالبانی فی صحیح سنن الترمذی:۳/۱۱۲،ح: ۲۷۸۷

(۲) ترمذی: ۵/۱۰۷، ح: ۲۷۸۸، وصححه الالبانی فی صحیح سنن الترمذی:۳/۱۱۳ ،ح: ۲۷۸۸

(۳) نیل الأوطار (۷/۱۶۰)

دوسرا مطلب

عورتوں کی خوشبو کا وصف

دین اسلام نے عورتوں کی بہت زیادہ حفاظت کی ہے اور ان تمام راستوں کو بند کر دیا ہے جن کے ذریعہ سے بگاڑ پیدا ہوسکتا تھا اور دلوں کو فتنوں سے محفوظ رکھنے پر ابھارا ہے۔ انہیں میں ایک یہ ہے کہ دین اسلام نے عورتوں کو ایسا عطر استعمال کرنے سے منع کیا ہے کہ جس کی خوشبو غیر محرم سونگھے کیونکہ اسمیں فتنہ ہے اور عورتوں کو ایسا عطر لگانے سے منع کیا گیا ہے جس کی بو گھر سے نکلتے ہوئے ظاہر ہو۔ اس کیلئے حکم یہ ہے کہ عورت ایسا عطر استعمال کرے جس کا رنگ ظاہر ہو نہ کہ بو۔

دلائل: ا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث جس میں عورتوں کے عطر کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کا عطر وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو پوشیدہ ہو۔

۲۔ حضرت عمران بن حصین کی مذکورہ مرفوع حدیث جس میں ہے کہ: ''عوتوں کا بہترین عطر وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو مخفی ہو''۔

۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو عورت خوشبو لگائے اور کسی قوم کے پاس سے اس لئے گزرے تا کہ وہ لوگ اس کی بو پائیں تو وہ عورت زانیہ ہے۔ (۱)

اور عورت اس زجر و توبیخ کی مستحق ہے کیونکہ اس نے مردوں کو اپنی خوشبو سے ہیجان میں مبتلا کر دیا ہے اور انہیں اپنی طرف دیکھنے پر ابھارا ہے اور جس نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی آنکھ سے زنا کیا اور یہ آنکھوں کے زنا کا سبب ہے، اور یہ گناہ ہے۔ (۲)

یہ عورت اس طرح سے زنا پر آمادہ ہے، اور زنا کے اسباب پیدا کرنے کی کوشش کرنے والی ہے

---

(۱) نسائی: ۱۵۳/۸، ح: ۵۱۲۶، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن نسائی (۳/۳۷۲) (ح: ۵۱۴۱) میں حسن قرار دیا ہے۔

(۲) تحفۃ الاحوذی: ۵۸/۸

اور زنا کرنے والوں کو دعوت دے رہی ہے اسی وجہ سے مجازاً اسے زانیہ کہا گیا ہے۔

اور عورت جب عطر لگا کر نکلے گی تو خطرہ اس بات کا ہے کہ شہوت بھڑک جائے اور پھر حقیقتاً زنا میں مبتلا ہو جائے۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب عورت مسجد جائے تو خوشبو دھولے جس طرح جنابت کا غسل کرتے وقت اپنے بدن کو دھوتی ہے۔[۱]

۵۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم عورتوں میں سے کوئی مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو لگا کر نہ آئے''۔[۲]

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت بخور (خوشبو) لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔[۳]

ان احادیث صریحہ صحیحہ کے مجموعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورت کیلئے ایسی خوشبو جو گھر سے نکلتے وقت ظاہر ہو لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر چہ نماز کی ادائیگی کیلئے ہو۔ تو کیسے جائز ہوگا اس عورت کیلئے جو قسم قسم کی خوشبو استعمال کرتی ہو۔ اور پھر مارکٹوں اور عام جگہوں پر جاتی ہو۔

تفریق کی وجہ:

اولاً: بو کی حیثیت سے: عطر کی بو عورت کے ستر کے منافی ہے کیونکہ اللہ نے ان کو چھپانے کا حکم دیا ہے۔ اسی لئے گھر سے نکلتے وقت عطر نہ لگانے کا سختی سے حکم دیا گیا ہے۔ اگر چہ یہ نکلنا نماز ہی کیلئے کیوں نہ ہو کیونکہ اگر اس حالت میں وہ نکلے گی اور مردوں کے پاس سے ہو کر گذرے گی تو وہ ایسی ہی ہے گویا اس نے زنا کیا۔

''رسول اللہ ﷺ کو من جانب اللہ یہ علم تھا کہ آئندہ اطباء آئیں گے اور یقیناً وہ اس بات کا اقرار کریں گے کہ ناک اور شہوانی اعصاب کے مابین اتصال ہے''۔[۴]

---

(۱) نسائی: ۸/ ۱۵۳، ح ۵۱۲۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن نسائی (۳/۳۷۳)(ح:۵۱۴۲) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) مسلم: ۱/ ۳۲۸، ح ۴۴۳

(۳) مسلم ۱/ ۳۲۸، ح ۴۴۴

(۴) دیکھئے: وغدا عصر الایمان، لعبد المجید الزندانی (ص:۲۶)

’’کیونکہ سونگھنے کا تعلق شہوت سے ہے‘‘۔ (۱)

لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اسے زنا سے تعبیر فرمایا اور مذکورہ عورت کو زانیہ کہا کیونکہ وہ اپنے عطر اور خوشبو کے ذریعہ مردوں کی شہوت کو اپنی طرف متحرک کرنے والی ہے، اور ان کو اپنی جانب دعوت نظارہ دینے والی ہے۔

ثانیا: رنگ کے اعتبار سے: اور معلوم بات ہے کہ عورت کی زینت حسی اور ظاہری زینت ہے۔ اسی لئے اس کیلئے ایسا عطر مناسب ہے جس میں رنگ ہو کیونکہ یہ اس کی طبیعت کے موافق ہے اور مرد کا معاملہ اس سے مختلف ہے لہٰذا اس کیلئے ایسا عطر مناسب ہے جس میں بو ہو رنگ نہ ہو۔

محمدؐ سے جس کو محبت نہیں ہے
تو سمجھو، مقدر میں جنت نہیں ہے
وہ رہبر ہیں جس کے، اسے زندگی میں
کسی رہنما کی ضرورت نہیں ہے

---

(۱) وغدا عصر الایمان ، لعبد المجید الزندانی (ص:۲۵)

چوتھی بحث

لباس کے بارے میں

اس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

مردوں کے لئے ریشم پہننا

دوسرا مطلب :

عورتوں کے لئے ریشم پہننا

تیسرا مطلب :

اسبال

چوتھا مطلب:

انگوٹھی پہننا

پہلا مطلب

مردوں کیلئے ریشم پہننا

اولا: مردوں کیلئے ریشم پہننے کا حکم:

جو لباس بطور زینت کے پہنا جائے ان میں سب سے اہم لباس ریشم ہے۔ یہ نرمی اور آسودگی کا شعار (علامت) ہے اور زیب و زینت اور عیش پرستی میں مبالغہ مردوں کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ عورتوں کی صفت ہے اور شریعت مطہرہ نے مردوں کو عورتوں کی مشابہت سے منع کیا ہے۔

معتدل زینت مردوں سے بھی مطلوب ہے جس میں مبالغہ نہ ہو تاکہ مشقت کے کاموں کو برداشت کرسکیں۔ مزید یہ کہ ریشم کے پہننے میں کفار کی مشابہت ہے کیوں کہ یہ ان کا دنیا میں لباس ہے۔ حدیث میں بھی مردوں کو ریشم پہننے کی واضح ممانعت آئی ہے۔

اسی لئے ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین کے نزدیک مردوں کیلئے خالص ریشم حرام ہے بلکہ امام نووی اور ابن قدامہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

دلائل: (۱-۲) نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سونے اور ریشم کو میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کیلئے حلال کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ دونوں چیزیں (سونا، ریشم) میری امت کے مردوں کیلئے حرام اور عورتوں کیلئے جائز ہیں۔ یہ دونوں احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

۳- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم کو سات چیزوں سے منع فرمایا ہے جن میں سے ایک ریشم بھی ہے۔ (۱)

۴- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونا، چاندی، ریشم اور دیباج کافروں کیلئے ہے دنیا میں اور تمہارے لئے ہے آخرت میں۔ (۲)

---

(۱) اس کی تخریج گزر چکی ہے

(۲) بخاری: ۴/ ۱۸۵۹، ح: ۸۵۳۱

۵- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشم پہنا تو وہ آخرت میں نہیں پہنے گا۔(۱)

۶- اور عمر رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: جس نے دنیا میں ریشم پہنا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔(۲)

وجہ استدلال: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ریشم خواہ کسی قسم کا ہو مردوں کیلئے حرام اور عورتوں کیلئے جائز ہے اور اس طرح کی سخت وعید حرام چیز ہی میں ہوتی ہے۔

ثانیا: مرض یا ضرورت کے وقت ریشم پہننے کا حکم:

ائمہ ثلاثہ اور امام مالک کی ایک روایت کے مطابق ایسا لباس پہننا جائز ہے جس میں اعلام ہوں، جو چار انگلی سے زیادہ نہ ہو ضرورت کے وقت اسی بنیاد پر مردوں کیلئے ریشم جائز ہے دو صورتوں میں:

پہلی صورت: جب تھوڑا ہو اس شرط کے ساتھ کہ اس کی لمبائی چار انگلی سے زیادہ نہ ہو، جیسے کپڑے کا ایک ٹکڑا، یا نمونہ، یا کپڑے کے کنارے میں وغیرہ۔

سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیا اور کہا: نبی ﷺ نے ریشم پہننے سے منع کیا ہے مگر دو چار انگلیوں کے بقدر۔(۳)

حضرت عثمان نہدی سے روایت ہے کہ ہمارے پاس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خط آیا اور اس وقت ہم آذربائیجان میں عتبہ بن فرقد کے ساتھ تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم سے منع کیا ہے مگر اس طرح، اور اشارہ کیا اپنی دو انگلیوں سے (انگوٹھے سے متصل دو انگلی) کہتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق ان کی مراد اعلام ہے۔(۴)

---

(۱) بخاری: ۴/ ۱۸۶۰، ح: ۵۸۳۴
(۲) بخاری: ۴/ ۱۸۶۰، ح: ۵۸۳۵
(۳) مسلم: ۳/ ۱۶۴۳، ح: ۲۰۶۹
(۴) بخاری: ۴/ ۱۸۵۹، ح: ۵۸۲۸

الحالة الثانية: کسی بیماری کی وجہ سے مثلاً جلدی امراض وغیرہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے زبیر اور عبدالرحمٰن کو ریشم پہننے کی اجازت دی کیونکہ انہیں کھجلی ہوئی تھی۔(۱)

ابن حجر رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ طبری نے کہا ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ ریشم پہننے کی نہی میں وہ شخص داخل نہیں ہے جس کو کوئی ایسی بیماری ہو جو ریشم کے پہننے سے ہی ختم ہوتی ہو کیونکہ اس صورت میں ریشم پہننا جائز ہے۔(۲)

ثالثا: مرد کیلئے ریشم کے بستر کا حکم:

علماء کے اس مسئلہ میں دو مختلف اقوال ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ مرد کیلئے ریشم کا بستر جائز نہیں ہے۔ جمہور علماء میں مالکیہ، شوافع، حنابلہ اور حنفیہ میں ابو یوسف اور محمد کا یہی مذہب ہے۔

دلیل: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہم کو سونے چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے منع کیا، اور ریشم اور دیباج پہننے سے نیز اس پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔(۳)

اس حدیث کی بنیاد پر علماء کہتے ہیں کہ ریشم کا بستر مردوں کے لئے حرام ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف قوی دلیل ہے جو بیٹھنا جائز کہتے ہیں اور جو لوگ منع کرتے ہیں ان کیلئے بھی یہ حدیث قوی دلیل ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔(۴)

عقلی استدلال: یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہننے کی حرمت کا سبب افتراش (بستر) میں بھی موجود ہے(۵) کیونکہ اگر ریشم پہننے کی حرمت کی علت اسراف ہے تو یہ اسراف افتراش میں بدرجہ اولیٰ

---

(۱) بخاری: ۴ / ۱۸۶۱، ح: ۵۸۳۹

(۲) فتح الباری: ۱۰ / ۲۹

(۳) بخاری: ۴ / ۱۸۶۱، ح: ۵۸۳۷

(۴) فتح الباری: ۱۰ / ۲۹۲

(۵) المجموع (۴/۴۳۵)

پایا جاتا ہے اور اگر اس کی علت فخر ہے تو افتراش میں اس سے زیادہ سخت ہے اور اگر اس کی علت تشبہ بالنساء ہے تو بستر میں تشبہ بالناس پایا جائیگا۔ جب شریعت نے مردوں کے لئے چار انگل سے زیادہ ریشم حرام قرار دیا ہے تو بستر میں کیسے اجازت دے سکتی ہے جو کئی میٹر سے بنا ہوتا ہے۔

رابعا: مردوں کیلئے ریشم کی حرمت کی حکمت:

اگر کوئی کہے کہ ریشم کا لباس سب سے زیادہ معتدل اور جسم کے لئے سب سے زیادہ موافق ہے تو کیوں شریعت کاملہ نے ریشم کو مردوں کیلئے حرام قرار دیا ہے جبکہ شریعت نے تو طیبات کو حلال کیا ہے اور خبائث کو حرام اور ریشم قطعی خبائث میں سے نہیں ہے۔؟

علماء نے اس حرمت کی حکمتیں بیان کی ہیں:

(۱) شریعت نے اس کو حرام کہا ہے تاکہ نفس اس سے رک جائے اور محض اللہ کیلئے اسے ترک کردے۔ خاص طور پر جبکہ اس کے بدلہ میں دوسری چیزیں ہیں۔ لہذا یہ عام آزمائش میں داخل ہے۔ اور جس نے اسے دنیا میں چھوڑ دیا تو اس کو بدلہ میں جنت میں اس کی پوری جزا ملے گی۔

(۲) ریشم اصلاً عورتوں کیلئے ہے جیسے سونے کا زیور جو مردوں کے لئے حرام ہے نیز یہ کہ اس میں عورتوں کی مشابہت کی خرابی بھی موجود ہے۔

(۳) اس لئے حرام کیا گیا کہ اس سے فخر، تکبر اور گھمنڈ پیدا ہوتا ہے۔

(۴) ریشم مردوں کے لئے حرام ہے کیونکہ اس کے پہننے سے نسوانیت اور زنانہ پن آتا ہے اور یہ بہادری اور مردانہ پن کے خلاف ہے کیونکہ اس کے پہننے سے دل کے اندر نسوانی صفات پیدا ہوتے ہیں اسی لئے آپ یقیناً ان لوگوں کو جو ریشم پہنتے ہیں ان کے اندر نسوانیت اور زنانہ پن یقیناً پائیں گے جو بالکل ظاہر ہے۔[۱]

(۵) اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ عورتیں بغیر زینت کے نہ رہ سکیں گی۔ لہذا ان پر مہربانی کی اور ان کیلئے حلال کردیا، نیز اس لئے بھی کہ اس کی زیب وزینت شوہر کے لئے ہے۔[۲]

---

(۱) المجموع: ۴/۷۹-۸۰

(۲) دیکھئے: فتح الباری (۱۰/۲۹۲)، فیض القدیر (۳/۵۷۲)

اگر مذکورہ باتیں درست ہیں تو یہ ایک معقول حکمت ہے ورنہ پوری حکمت اللہ کی شریعت کی اتباع ہے اور سرِ تسلیم خم کر دینا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً﴾ (الأحزاب:٣٦)

''اور کسی مسلمان مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

دوسرا مطلب

عورتوں کے لئے ریشم پہننا

اولا: عورتوں کیلئے ریشم پہننے کا حکم:

عورتوں کیلئے ہر قسم کا ریشم جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔

دلائل: (۱) نبی ﷺ نے ریشم اور سونے کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کیلئے حرام اور عورتوں کیلئے جائز ہیں۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دومہ کے (بادشاہ) اکیدر نے نبی ﷺ کے پاس ریشم کا کپڑا ہدیہ بھیجا۔ آپ نے اسے علی کو دے دیا اور کہا کہ اسے پھاڑ کر تینوں فاطماؤں (فاطمہ بنت رسول ﷺ، فاطمہ بنت اسد" حضرت علی کی والدہ، فاطمہ بنت حمزہ) میں تقسیم کردو کہ وہ دوپٹہ بنالیں۔(۱)

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو ریشمی جوڑا ہدیہ کیا گیا تو آپ نے اسے مجھے دیدیا اور میں نے اسے پہن لیا تو میں نے غصے کو آپ کے چہرے سے پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمہیں اس لئے نہیں دیا تھا کہ تم پہنو گے بلکہ میں نے تو تمہارے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ تم عورتوں میں اوڑھنی کیلئے بانٹ دو گے۔(۲)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کیلئے ریشم پہننا جائز ہے اور آج اس پر اجماع ہے۔(۳)

---

(۱) مسلم: ۳/ ۱۶۴۵، ح: ۲۰۷۱

(۲) مسلم: ۳/ ۱۶۴۴، ح: ۲۰۷۱

(۳) شرح صحیح مسلم للامام النووی: ۱۴/ ۴۱

وجه استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کیلئے ہر قسم کا ریشم جائز ہے اور مردوں کیلئے حرام ہے۔

ثانیا:

عورتوں کیلئے ریشم کے بستر کا حکم

علماء کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں اور راجح یہ ہے کہ ریشم کا بستر عورتوں کیلئے جائز ہے۔ جمہور علماء میں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کا یہی مذہب ہے۔

دلیـــــل: ریشم اور سونے کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کیلئے حرام اور عورتوں کیلئے حلال ہیں۔ یہ حدیث پہلے کی سطور میں کئی بار آچکی ہے۔

وجه استدلال: اس میں وضاحت ہے کہ عورتوں کیلئے ریشم مطلقاً حلال ہے۔ لباس اور بستر کی تفریق کے بغیر اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ عورتوں کیلئے ریشم کا بستر جائز نہیں ہے۔ ہر چیز میں اصل اباحت ہے، حتی کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مانع آجائے اور یہاں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ لہذا ریشم کا بستر عورتوں کے لئے جائز ہے۔

دوسرا مطلب

اسبال

اولا: مردوں کیلئے اسبال کا حکم

مرد کے ازار یا کپڑے کی لمبائی کی پانچ حالتیں ہیں:

(۱) نصف پنڈلی تک ہو:

اس کا حکم: یہ صورت مستحب ہے کیونکہ سنت کے مطابق ہے۔

اس کی دلیل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلم کا ازار نصف ساق تک ہوتا ہے۔ (۱)

۲۔ ابوسعید خدری ہی سے مروی ایک دوسری مرفوع حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ مومن کا ازار نصف ساق تک ہوگا۔ (۲)

۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ازار کی جگہ پنڈلی اور پٹھے کے نصف تک ہے۔ (۳)

(۲) پنڈلی سے آگے ٹخنوں تک ہو:

اس کا حکم: یہ صورت جائز ہے۔

اس کی دلیل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث گذر چکی ہے کہ مسلم کا

---

(۱) ابو داود: ۴/ ۵۹، ح: ۴۰۹۳، شیخ البانی نے صحیح کہاہے دیکھئے: صحیح سنن ابی داود، (۵۱۸/۲)(ح:۴۰۹۳)

(۲) رواہ ابن ماجہ: ۲/ ۱۱۸۳، ح: ۳۵۷۳، علامہ البانی نے صحیح کہاہے، صحیح سنن ابن ماجہ (۱۹۱/۳)(۲۸۹۱)

(۳) نسائی: ۸/ ۲۰۶، ح ۵۳۲۹، علامہ البانی نے صحیح کہاہے دیکھئے: صحیح سنن النسائی (۴۱۷/۳)(۵۳۴۴)

ازار نصف ساق تک ہوگا، لہذا ساق اور کعبین تک بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ حضرت ابو سعید خدری ہی سے مذکور دوسری مرفوع حدیث میں ہے کہ مومن کا ازار نصف پنڈلی تک ہوگا۔ لہذا پنڈلی اور ٹخنوں تک بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ حضرت حذیفہ کی مرفوع حدیث گذر چکی ہے کہ ازار کی جگہ نصف ساق یا پٹھے (العضلة) تک ہے۔ اگر نہیں تو اس سے پیچھے، پھر بھی اگر تم انکار کرو تو ساق کے نچلے حصے تک۔

(۳) ازار کو ٹخنوں پر لٹکانا:

اس کا حکم: یہ صورت حرام ہے۔

اس کی دلیل: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میری پنڈلی کے پٹھے کو پکڑا یا اپنی پنڈلی کے پٹھے کو اور کہا: یہ ازار کی جگہ ہے، اگر تم یہ بات نہ مانو تو اس سے نیچے لٹکا سکتے ہو اور اگر تم کو اس سے بھی انکار ہو تو جان لو کہ کعبین میں ازار کا کوئی حق نہیں ہے۔ (۱)

(٤) کعبین سے نیچے ہو:

اس کا حکم: اس کی حرمت کعبین پر ازار لٹکانے سے زیادہ ہے، اور اس صورت میں سخت وعید بھی وارد ہوئی ہے۔

اس کی دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس نے ازار کو کعبین سے نیچے لٹکایا تو وہ جہنم میں ہوگا۔ (۲)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یعنی جو کعبین سے نیچے ہو......تو وہ جہنمی ہے، یہ اس کے فعل کی سزا ہے۔ (۳)

۲۔ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے سفیان بن سہل! تم اسبال نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسبال کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔ (۴)

---

(۱) رواہ الترمذی: ۴/۲۴۷، ح ۱۷۸۳، علامہ البانی نے صحیح کہاہے دیکھئے: صحیح سنن ترمذی (۲/۲۹۰)(۱۷۸۳)

(۲) بخاری: ۴/۱۸۴۸، ح ۵۷۸۷

(۳) فتح الباری: ۱۰/۲۵۷

(۴) رواہ ابن ماجہ: ۲/۱۱۸۳، ح ۳۵۷۴، علامہ البانی نے حسن کہاہے دیکھئے: صحیح سنن ابن ماجہ (۳/۱۹۲)(۲۸۹۲)

۳۔ حضرت ابو جری جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں ان الفاظ میں نصیحت کی: اپنے آپ کو ازار کے اسبال سے بچاؤ (یعنی کپڑا ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکاؤ) کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے، اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔(۱)

(۵) فخر یہ ازار کو ٹخنوں سے نیچے گھسیٹنا:

اس کا حکم: اس کی حرمت بہت سخت ہے اور اس میں بہت بڑی وعید ہے۔

اس کی دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف دیکھے گا بھی نہیں جس نے بطور گھمنڈ اپنے ازار کو گھسیٹا۔''(۲)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھتا جس نے اپنے ازار کو تکبر سے گھسیٹا۔(۳)

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک دوسری مرفوع حدیث میں ہے کہ ایک آدمی اپنے ازار گھسیٹتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ، اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا ہی رہے گا''۔(۴)

خلاصہ: مذکورہ احادیث جن باتوں پر دلالت کرتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) مرد کیلئے ازار نصف ساق تک لٹکانا مستحب ہے، یہ سنت کے مطابق ہے۔

(۲) نصف ساق سے آگے ٹخنوں تک ہو، یہ بلا کراہت جائز ہے۔

(۳) ٹخنوں پر ہو، یہ حرام ہے۔

(۴) ٹخنوں سے نیچے ہو، یہ بہت سخت حرام، اور اس میں سخت وعید ہے۔

(۵) ازار کو بطور گھمنڈ کے گھسیٹے، یہ شدید ترین حرام ہے، اس میں بہت بڑی دھمکی ہے۔

---

(۱) رواہ ابوداود: ۴/ ۵۶، ح ۴۰۸۴، علامہ البانی نے صحیح کہاہے دیکھئے :صحیح سنن ابوداود (۲/۵۱۶)(ح:۴۸۰۴)

(۲) رواہ البخاری: ۴/ ۱۸۴۸، ح ۵۷۸۸

(۳) رواہ البخاری: ۴/ ۱۸۴۷، مسلم: ۳/ ۱۶۵۱، ح :۲۰۸۵

(۴) رواہ البخاری: ۴/ ۱۸۴۸، ح: ۵۷۹۰

۲۔ عورت کے اسبال کا حکم

مردوں کے برعکس عورتوں کیلئے اسبال جائز ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے انہیں اپنے کپڑے ذراع تک لٹکانے کی اجازت دی ہے، قدمین کو ڈھکنے کے لئے، اور یہ مردوں کے برعکس ہے۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے تکبر میں اپنے کپڑے کو گھسیٹا تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں، تو ام سلمہ نے پوچھا کہ عورتیں اپنے کپڑے نچلے حصے کو کیسے رکھیں گی؟ تو آپ نے کہا "یرخین شبراً" ام سلمہ نے کہا تب تو ان کے قدم کھل جائیں گے، آپ نے فرمایا: "فیرخین ذرا عاً، لا یزدن علیه"۔(۱)

وجہ استدلال: اس میں عورتوں کیلئے اسبال جائز قرار دیا گیا ہے، نیز مسبل کے حق میں واردشدہ وعید سے عورتیں مستثنیٰ ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ مردوں کیلئے دو حالتیں ہیں: ایک استحباب کی حالت، اور استحباب یہ ہے کہ ازار نصف ساق تک رکھے۔ دوسری جواز کی حالت اور وہ یہ ہے کہ ٹخنوں تک ہو۔ اسی طرح عورتوں کیلئے بھی دو حالتیں ہیں: (۱) استحباب کی حالت "وھو ما یزید علی ماھو جائز للرجال بقدر الشبر" جائز کی حالت ذراع کے بقدر۔(۲)

---

(۱) ترمذی: ۴/ ۲۲۳، رقم ۱۸۳۱، علامہ البانی نے صحیح کہاہے دیکھئے: صحیح سنن ترمذی (۲/۲۷۱)(۱۷۳۱)

(۲) فتح الباری: ۱۰/ ۲۵۹

چوتھا مطلب

انگوٹھی پہننا

اولا: مردوں کیلئے انگوٹھی پہننے کی جگہ

یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ مرد کیلئے چاندی کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے،اور سونے کی انگوٹھی حرام ہے۔لیکن ہاتھ کی کس انگلی میں انگوٹھی پہنی جائے گی؟ کہا جاتا ہے کہ انگلیوں میں انگوٹھی پہننے کی دو حالتیں ہیں۔

پہلی حالت: دائیں یا بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہننا مستحب ہے۔اس کی تائید چند احادیث سے ہوتی ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی اس میں ہوتی،اور آپ نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔(۱)

چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہننے کی حکمت کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ خنصر میں اس کو پہننے کی حکمت یہ ہے کہ ہاتھ سے جن چیزوں کو لیا جاتا ہے،ان کی بے عزتی کے معاملے میں یہ انگلی سب سے دور ہوتی ہے کیوں کہ وہ کنارے میں پڑتی ہے۔کسی کام کو کرنے میں ہاتھ کو اس سے پریشاں نہیں ہوتی جبکہ دوسری انگلی میں پہننے سے پریشانی ہوتی ہے۔(۲)

۲۔حضرت ثابت سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی انگوٹھی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ گویا کہ میں آپ کی چاندی کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں اور حضرت انس نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو بلند کیا۔(۳)

---

(۱) مسلم: ۳/ ۱۶۵۹، ح: ۲۰۹۵

(۲) شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۴/ ۷۱

(۳) مسلم: ۱/ ۴۴۳، ح: ۶۴۰

۳۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ (۱)

مذکورہ تمام احادیث پر غور وفکر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے کبھی دائیں ہاتھ میں اور کبھی بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی۔

اسی لئے علماء کا دونوں حدیثوں میں جمع (تطبیق) کا اختلاف ہے اور شاید سب سے بہترین مسلک یہ ہے کہ ''انگوٹھی دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہننا جائز ہے''۔

اور علامہ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ نے اسی کو ثابت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''جہاں تک دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں نبی ﷺ کی احادیث مختلف ہیں اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کے آثار بھی مختلف ہیں اور علماء کے نزدیک یہ جواز پر محمول ہے۔ (۲)

دوسری حالت : شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی میں انگوٹھی پہننا منع ہے۔ اس بارے میں چند احادیث وارد ہوئی ہیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس انگلی اور اس انگلی (شہادت اور بیچ کی انگلی) میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وسطی اور اس سے متصل انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ (۳)

امام نووی فرماتے ہیں کہ مردوں کیلئے شہادت اور اس سے متصل انگلی میں انگوٹھی پہننا مکروہ ہے اور یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (۴)

(۲) حضرت علی ہی سے مروی ایک دوسری حدیث میں سبابہ اور وسطی کی صراحت ہے:
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

---

(۱) ابوداود: ۴/ ۹۱، ۴/ ۴۲۲۶، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن ابی داود (۲/ ۵۵۱) (ح: ۴۲۲۱) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) التمھید: ۱۷/ ۱۰۹

(۳) مسلم: ۳/ ۱۶۵۹، ح: ۲۰۷۸

(۴) شرح صحیح مسلم للنووی: (۱۴/ ۷۱)

شہادت اور بیچ والی انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔[۵]

خلاصہ: مردوں کیلئے انگوٹھی پہننے کے سلسلہ میں مذکورہ احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) دائیں اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہننا مستحب ہے۔

(۲) شہادت اور بیچ کی انگلی میں پہننا ممنوع ہے۔

(۳) بنصر (چھوٹی انگلی کے بعد والی انگلی) کے سلسلہ میں سکوت ہے۔لہذا یہ سکوت اباحت کی اصل پر باقی رہے گی۔واللہ اعلم

ثانیا: عورتوں کیلئے انگوٹھی پہننے کی جگہ:

عورتوں کیلئے ہر انگلی میں انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ سبابہ اور وسطی کے سلسلہ میں ممانعت کی جو احادیث مروی ہیں وہ خاص مردوں کیلئے ہیں نہ کہ عورتوں کیلئے۔اس سلسلہ میں علماء کا اجماع ہے۔

اجماع کی بات امام نووی نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ خنصر میں انگوٹھی پہننا سنت ہے اور عورت کسی بھی انگلی میں انگوٹھی پہن سکتی ہے۔[۲]

---

(۵) رواہ ابوداود :(۴/۹۰) (ح:۴۲۲۵)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح سنن ابی داود“ (۲/۵۵۱) (ح:۴۲۲۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) شرح صحیح مسلم للنووی (۱۴/۷۱)

چوتھی فصل

نماز کے بارے میں

اس میں چھ مباحث ہیں:

پہلی بحث : اذان

دوسری بحث : امامت

تیسری بحث : ستر

چوتھی بحث : نماز جمعہ

پانچویں بحث : جماعت کی نماز

چھٹی بحث : حیض اور نفاس والی عورتوں سے نماز کا ساقط ہونا

پہلی بحث

اذان

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب: مرد کی اذان

دوسرا مطلب: عورت کی اذان

پہلا مطلب

مرد کی اذان

اذان اسلام کے ظاہری شعائر میں سے ہے اور یہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت وشرف کی ایک نشانی، زمین میں اللہ کے دین کے غلبہ (تمکین) کا عنوان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیمتاً سب سے زیادہ اشرف اور عظیم کام ہے، اس میں بہت بڑا ثواب ہے۔ کیونکہ موذن لوگوں کو باخبر کرتا ہے کہ فرض نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ اسی لئے علماء نے موذن کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ وقت کا جانکار اور اس کا محافظ و امانت دار ہو۔

اور مقصود مرد وعورت کی اذان کا حکم بیان کرنا ہے ان مسجدوں کے بارے میں جن میں دونوں فریق جاتے ہیں اور راجح قول یہ ہے کہ اذان مردوں پر فرض کفایہ ہے۔

دلائل: (ا) مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں کا کوئی ایک تمہارے لئے اذان دے اور تم میں سب سے بڑا تمہاری امامت کرے۔[1]

(ا) رواہ البخاری: ا/ ۲۰۲، ح: ۶۲۸، مسلم: ا/ ۴۶۵، ح: ۶۷۴

(۱)**وجه استدلال**: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اذان مردوں پر واجب ہے، کیونکہ حدیث میں امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

(۲) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: جس گاؤں میں تین آدمی ہوں اور وہاں اذان اور نماز نہ ہوتی ہو تو شیطان ان پر غالب آجاتا ہے۔(۱)

وجه استدلال: اس حدیث میں جو وعید ہے وہ صرف واجب کے ترک یا حرام کام کرنے پر ہی آتی ہے۔ چنانچہ اذان کو چھوڑ دینا شیطان کے غلبہ کی ایک قسم ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

(۳) اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بلال کو اذان کی صفت کے بارے میں بتادو۔ نیز آپ نے فرمایا: یہ ان شاء اللہ سچا خواب ہے۔ تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو کچھ خواب میں دیکھا ہے، بلال کو بتادو، تاکہ وہ ایسی ہی اذان دیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔(۲)

وجه استدلال: اللہ کے نبی ﷺ کا حکم دینا کہ بلال کو اذان کی صفت بتادو، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اذان مردوں کیلئے مشروع ہے۔

---

(۱) رواہ ابوداود: ۱/ ۱۵۰، ح: ۵۴۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح سنن ابی داود" (۱/۱۶۳)،(ح:۵۴۷) میں حسن قرار دیا ہے۔

(۲) رواہ ابوداود: ۱/ ۱۳۵، ح: ۴۹۹، علامہ البانی نے اسے "صحیح سنن ابی داود" (۱/۱۴۷)،(ح:۴۹۹) میں حسن صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا مطلب

عورت کی اذان

جمہور علماء کے نزدیک مردوں کی جماعت کیلئے اذان دینے کی ذمہ دار عورت نہیں ہے اوراگر مخالفت کرکے اس نے اذان دے بھی دی تو اس کی اذان صحیح نہیں ہوگی، اوراس کا یہ فعل حرام ہوگا۔ اسی کی صراحت مالکیہ، شوافع، اورابن حزم نے کی ہے، اوریہی مسلک حنابلہ کا بھی ہے، ان کا کہنا ہے کہ اذان عورتوں کیلئے مشروع نہیں کی گئی ہے اگرچہ وہ تنہا ہوں (بلکہ مکروہ ہے) تو مردوں کیلئے ان کی اذان کیسے صحیح ہوگی؟

ابن رشد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: جمہور کے نزدیک عورتوں پر اذان نہیں ہے اور نہ اقامت ہے۔(۱)

امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مردوں کیلئے عورت کی اذان صحیح نہیں ہے، یہی ہمارا مذہب ہے، جمہور علماء نے اسی کا فیصلہ کیا ہے، اور''**کتاب الام**''میں بھی اسی کی صراحت کی گئی ہے۔(۲)

دلائل: (ا)۔رسول اللہ ﷺ کا قول: تم میں کا کوئی ایک تمہارے لئے اذان کہے، اورتم میں کا سب سے بڑا تمہاری امامت کرے۔ یہ حدیث سابقہ سطور میں گزرچکی ہے۔

وجہ استدلال: حدیث اس بات پردلالت کرتی ہے کہ اذان کے سلسلہ میں عورتوں کو بالکل مخاطب نہیں کیا گیا ہے بلکہ خطاب مردوں سے ہے، کیونکہ نماز باجماعت مردوں پرفرض ہے۔

(۲) عورت کی اذان کا کوئی ثبوت نہیں ہے، نہ تو عہد صحابہ میں اورنہ ان کے بعد کے ادوار میں، لہٰذا عورتوں کی اذان محدثات (دین میں نئی بات نکالنا) میں سے ہوگی اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تمام کاموں میں بدترین کام وہ ہے جو دین میں اپنی طرف سے بڑھائے جائیں، اوردین میں جوکام نیا نکالا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(۳)

امام زیلعی کہتے ہیں کہ: جہاں تک عورتوں کی اذان کا تعلق ہے تو یہ سلف سے ثابت نہیں ہے ،جبکہ جماعت عورتوں پربھی مشروع تھی، لہٰذا اب عورتوں کی اذان محدثات میں سے ہوگی۔(۴)

---

(۱) بداية المجتهد : ١ / ٨٠

(٢) المجموع (٣/١٠٨)

(٣) رواه مسلم : ٢ / ٥٩٢ ، ح: ٨٦٧

(۴) تبيين الحقائق لعثمان بن علي الزيلعي : ١ / ٩۴

دوسری بحث

امامت

مردوں کی امامت کے جواز میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور جب معروف شرعی شرطیں پوری ہو جائیں گی تو مرد امامت کا مستحق ہوگا۔

اور جہاں تک عورتوں کی ان جماعتوں کی امامت کا تعلق ہے جن میں مرد بھی ہوں تو راجح قول کے مطابق: عورت کی امامت جائز نہیں ہے اس جماعت کیلئے جس میں مرد ہوں اور نہ عورتوں کے پیچھے مردوں کی نماز جائز ہے۔ اس سلسلہ میں فرض، نفل اور تراویح کی نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اور حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

دلائــــل: (۱) حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر کوئی شخص کسی قوم کی زیارت کیلئے جائے تو ان کی امامت خود نہ کرے بلکہ انہیں میں کا کوئی شخص امامت کرے۔[۱]

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے قوم کی امامت مردوں کے ساتھ خاص کی ہے نہ کہ عورتوں کیلئے۔

(۲) ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قوم کی امامت وہ شخص کرے جو سب سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم ہو، اگر قراءت میں سب برابر ہیں تو پھر وہ شخص جس کو سب سے زیادہ سنت کا علم ہو۔ آدمی دوسرے آدمی کی سرداری میں اس کی امامت نہ کرے۔[۲]

وجہ استدلال: عورتوں کیلئے مردوں کی امامت جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ائمہ

---

(۱) رواہ ابو داود: ۱/ ۱۶۲، ح ۵۹۶، علامہ البانی نے "صحیح سنن ابی داود" (۱/۱۷۸) (ح:۵۹۶) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) رواہ مسلم: ۱/ ۴۶۵، ح ۶۷۳

کے مراتب بیان کرنے میں مردوں کو خاص کیا ہے اور عورتوں کا کوئی حصہ آپ نے نہیں بتایا ہے۔

(۳) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ قوم کبھی بھی فلاح نہیں پاسکتی جس پر کوئی عورت حاکم ہو۔ (۱)

وجہ استدلال: اس مذکورہ حدیث کو عام مان کر نماز میں عورت کی امامت جائز نہیں ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ میں، عبید بن عمیر، مسور بن مخرمہ اور بہت سے دوسرے لوگ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بالائی حصہ سے آتے تھے، اور ہماری امامت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ابوعمرو کرتے تھے، اور آپ کے یہ غلام ابوعمرو ابھی تک آزاد نہیں ہوئے تھے۔ (۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت ان کے غلام ذکوان کرتے تھے۔ (۳)

وجہ استدلال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے باوجود قرآن کے سب سے زیادہ جانکار ہونے کے امامت کیلئے اپنے غلام کو مقدم کیا حالانکہ وہ قرآن اور سنت کی سب سے زیادہ جانکار تھیں۔

اور ذکوان کبھی کبھی قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے جو ان کے عدم حفظ پر دلالت کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی امامت مرد کیلئے درست نہیں ہے اور نہ عورت اذان کی ذمہ دار ہوگی۔ لہٰذا امامت کی تو بدرجہ اولیٰ ذمہ دار نہیں ہوگی۔

بلکہ ازواج مطہرات میں سے کسی کے بارے میں بھی نہیں آتا کہ مردوں میں سے کسی کی امامت کی ہو اپنے علم، تقویٰ اور ادب کے باوجود، چاہے وہ محارم ہی میں سے کیوں نہ ہو، اسی لئے عورت کی امامت اس جماعت کیلئے جس میں مرد ہوں جائز نہیں ہے اگرچہ وہ سب سے زیادہ کتاب اللہ کی عالمہ اور حافظہ ہو۔

---

(۱) رواہ البخاری: ۴/۲۲۲۱، ح: ۷۰۹۹

(۲) رواہ الشافعی فی مسندہ: ۱/ ۵۴

(۳) رواہ البخاری تعلیقا بصیغۃ الجزم: ۱/ ۲۱۸، ووصلہ ابن ابی داود فی ''کتاب المصاحف'' ص: ۴۵۵-۴۵۷

ایک عورت جو جمعہ کا خطبہ بھی دیتی ہےاور نماز کی امامت بھی کرتی ہے

چند سالوں قبل مختلف ذرائع ابلاغ نے (میڈیا اور پرنٹ میڈیا) ایک انتہائی قبیح خبر شائع کی تھی جو شکل و آواز کے اعتبار سے نہایت افسوس ناک خبر تھی اور جس سے جانی بوجھی سازش مقصود تھی کہ عورت امامت اور جمعہ کا خطبہ بھی دے سکتی ہے۔

خبر کی حقیقت:

ایک امریکی افریقی یونیورسٹی کی پروفیسر امینہ ودود، جو امریکہ کے صوبہ ورجینیا کی کسی یونیورسٹی میں اسلامی ڈیپارٹ منٹ میں درس دیتی ہے، کو دعوت دی گئی جیسا کہ اس نے خود اپنی زبان سے اس کا اقرار کیا کہ اسے نیویارک کے ایک علاقہ سے نماز جمعہ پڑھانے اور خطبہ دینے کیلئے بلایا گیا تو اس نے اس دعوت کو قبول کرلیا جیسا کہ اسی جیسی ایک اور دعوت اس واقعہ سے دس سال پہلے جنوبی افریقہ کے کسی شہر میں اس نے قبول کی تھی۔

اس فعل شنیع کی داعی:

آزاد خیال عورتوں اور مردوں کی ایک جماعت جو مسلم عورتوں کی مطلق آزادی کی داعی ہے، خاص کر امریکی مسلم عورتوں کی اوران کی شان، اقدار اور مرتبہ کو بلند کرنے کی داعی ہے اور اس کی اہانت کے تمام مظاہر کو ختم کرنے اور ہر شرف وعزت کو پانے کی داعی ہے۔جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے۔

مردوں اور عورتوں نے ایک ساتھ مل کر نماز ادا کی۔ ننگے سر ایک عورت نے اذان دی۔اس زمانہ میں اس سے زیادہ قبیح بدعت اور کیا ہوگی جس میں امت مسلمہ آزمائی گئی۔اللہ ہمارے لئے کافی اور بہترین وکیل ہے۔اس کارستانی کے وقوع پذیر ہونے کے ساتھ ہی طرح طرح کی باتیں منظرِ عام پر آنے لگیں اور خوب ہنگامے اور بحث مباحثے ہوئے لیکن ان سب کو بیان کرنے کا یہ مقام وموقع نہیں۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: نیویارک کا حادثه (ص:٦ اور اس کے بعد کے صفحات) محمد نعیم ساعی کی تحریر۔

تاریخی شہادت

فقہاء اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی پوری اسلامی تاریخ میں مردوں کی جماعت کیلئے عورتوں کی امامت وخطابت کا جواز نقل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ہر ایک نے مطلقاً عدم جواز کی صراحت کی ہے، بلکہ اس کی بھی صراحت کی ہے کہ ایسی نماز اصل میں قبول ہی نہیں ہوگی۔

شاذ فقہی اختلاف کا سہارا:

بہر حال جس نے مردوں کیلئے عورتوں کی امامت کو جائز قرار دیا ہے وہ ابوثور، مزنی اور طبری رحمہم اللہ کے شذوذ میں سے ہے۔ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے جائز قرار دیا ہے کہ قاری و عالمہ عورت اپنے اہل خانہ جس میں مرد و عورت دونوں ہوں، کی امامت کرسکتی ہے۔ مرد علیحدہ اور عورتیں ان کے پیچھے ہوں گی۔ (۱)

ان کے دلائل: ام ورقہ بنت عبداللہ بن نوفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی زیارت کیلئے ان کے گھر جاتے تھے، اور ان کے لئے آپ نے ایک موذن مقرر کر دیا تھا اذان کیلئے اور ان کو حکم دیا تھا کہ اپنے گھر والوں کی امامت کرو۔ (۲)

اس دلیل کا مناقشہ مندرجہ ذیل استدلال سے ممکن ہے: (۱) اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ موذن حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ کی اقتداء میں ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہوں۔ ہوسکتا کہ ام ورقہ کیلئے وہ اذان دیکر کسی مسجد میں فرض نماز کی ادائیگی کے لئے چلے جاتے ہوں۔ (۳)

(۲) اور اگر ام ورقہ کیلئے امامت کو ثابت مان بھی لیا جائے تو یہ انہیں کیلئے خاص ہوگی نہ کہ سب عورتوں کیلئے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اذان اور اقامت عورتوں کیلئے مشروع نہیں ہے بلکہ مردوں کے

---

(۱) دیکھئے: المنتقی (۱/۲۳۵)، المجموع (۱/۲۵۵)

(۲) ابوداود (۱/۱۶۱) (ح:۵۹۱)، علامہ البانی نے اسے "صحیح سنن ابی داود" (۱/۱۷۷) (ح:۵۹۲) میں حسن قرار دیا ہے۔

(۳) دیکھئے: احکام الامامة والائتمام فی الصلاۃ (ص:۱۳۳)

لیے مشروع ہے، لہٰذا اذان اور اقامت مردوں کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے یہ امامت بھی انہیں کیلئے خاص ہوگی۔(۱)

(۳) ابوثور، مزنی اور طبری وغیرہ جیسے وہ علماء جنہوں نے عورتوں کی امامت کو جائز کہا ہے ان کے اقوال میں اضطراب ہے۔ کچھ نے مردوں سے زیادہ پڑھی لکھی عورت کیلئے جائز کہا ہے، بعض نے جواز کو ذوی الارحام کیلئے خاص کہا ہے۔ بعض نے عجوز یعنی بڑھاپے کی قید لگائی ہے۔ بعض نے نوافل کیلئے جائز کہا ہے۔ بعض نے تراویح کیلئے، خصوصاً اس صورت میں جبکہ امامت کے لائق کوئی نہ ملے۔ نیز کچھ لوگوں نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ عورت مردوں کے پیچھے ہی کھڑی ہوگی کیونکہ اس میں پردہ پوشی زیادہ ہے۔(۲)

(۴) چودہ سوسالہ پوری اسلامی تاریخ میں ام ورقہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی واقعہ نہیں ملتا، جس کی سند اور دلالت میں علماء نے اختلاف نہ کیا ہو، اور عموم سے زیادہ خصوص کی صراحت کی ہے۔

خلاصہ: اس مسئلہ میں مناقشہ واجب ہے، تاکہ اسلامی فقہ میں یہ مسئلہ صحیح اور مناسب جگہ پہنچ جائے۔ افراط وتفریط سے بچ کر اسے شعار بنایا جائے۔ آزادیٔ نسواں کا پیغام بنایا جائے، اور مسلم عورت کی کرامت وشرافت بحال کی جائے جیسا کہ دشمنوں کا خیال ہے۔

کسی بھی عقلمند کو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امینہ ودود اور اس خطرناک بدعت میں اس کے متبعین نے جو کچھ کیا وہ بہت سخت حرام ہے اور دین کے نام پر فساد فی الارض ہے، اور شاذ فقہی اختلاف کرکے، ایسی چیز کی دعوت کا ذریعہ بنانا جو اسلام کے عظیم تشریعی قانون سے متصادم ہو، نیز یہ سلف اور خلف مومنین کے خلاف ہے۔(۳)

امینہ ودود کا معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ (تقریباً) تیس عورتوں کی ایک جماعت نے اسلامی نسواں کانفرنس میں شرکت کی جو اکتوبر ۲۰۰۸ء میں برسلونہ میں منعقد ہوئی اور اس کانفرنس کی اسپینی

---

(۱) دیکھئے: المغنی (۲/۱۹۹)

(۲) دیکھئے: المنتقی (۱/۲۳۵)، المجموع (۴/۲۵۵)

(۳) دیکھئے: "نیویارک کا حادثہ (ص:۱۳۳)

میڈیا نے بھرپور کوریج کی کیونکہ اس میں شریک عورتیں قرآن کی جدید نسوانی تفسیر کی داعی ہیں اور عورتوں سے متعلق بہت سے احکام کا ازسرنو جائزہ لینے کی داعی ہیں جیسے تعدد ازواج اور نصوص میں تاویل کی آزادی۔ اس کانفرنس سے قبل امینہ ودود نے ایک سری نماز میں مردوں اور عورتوں کی امامت کی۔

گویا یہ ایک نئی قسم کی جنگ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برپا کی گئی ہے۔ جب اعداء اسلام، اسلام کو مٹا نہ سکے تو ان لوگوں نے سوچا کہ اسلام باقی تو رہے مگر ہماری حسب منشا اور ہمارے متعینہ خطوط کے مطابق، نہ کہ اس طرح جیسا اسلام خود چاہتا ہے۔ تو اسلام محرف ومسخ ہو جائیگا، اور ایسا ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کر کے رہے گا، اگرچہ کفار ومشرکین کو ناگوار ہی لگے۔

تیسری بحث

ستر کے بارے میں

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

نماز میں مردوں کا ستر

دوسرا مطلب :

نماز میں عورتوں کا ستر

پہلا مطلب

نماز میں مردوں کا ستر

مرد کا ستر نماز میں ناف سے لیکر گھٹنوں تک ہے۔ یہی قول اکثر فقہاء کا ہے، نیز اسی کے قائل شوافع، حنابلہ، حنفیہ اور مالکیہ ہیں۔

دلائـــــل: (۱) محمد بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت معمر کے پاس سے گذرے اور میں آپ کے ساتھ تھا اور معمر کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معمر! اپنی رانوں کو ڈھک لو، کیونکہ دونوں رانیں ستر ہیں۔[۱]

(۲) رسول اللہ ﷺ مسجد میں حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ جرہد کی ران کھلی ہوئی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے جرہد! اپنی ران کو ڈھک لو، کیونکہ ران ستر ہے۔[۲]

(۳) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''ناف سے لیکر رکبہ (گھٹنے) تک کا حصہ ستر ہے''۔[۳]

---

(۱) رواہ احمد فی المسند: ۵/ ۲۹۰، ح۲۲۵۴۸، مسند کے محققین نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: (۳۷/ ۱۶۷) (ح: ۲۲۴۹۵)

(۲) رواہ البخاری تعلیقا: ۱/ ۱۳۷، واحمد فی المسند، واللفظ لہ: ۳/ ۴۷۹، ح ۱۵۹۷۴، ''صحیح موارد الظمآن'' (۱/ ۲۰۸) (ح: ۳۰۷) میں علامہ البانی نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔

(۳) رواہ الحاکم فی المستدرک: ۳/ ۶۵۷، ح ۶۴۱۸، علامہ البانی نے صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح الجامع (ح: ۵۵۸۳)

دوسرا مطلب

نماز میں عورت کا ستر

علماء کا کہنا ہے کہ سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے عورت کا پورا جسم نماز میں ستر ہے۔حنفیہ، مالکیہ،شوافع اور حنابلہ کے جمہور فقہاء کا یہی قول ہے۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾(النور: ۳۱)

''اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں الا یہ کہ جو خود ظاہر ہو جائے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق ''إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' سے مراد ''چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں''۔[۱]

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بالغہ عورت کی نماز اللہ تعالیٰ بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا ہے۔[۲]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نماز میں عورت سوائے چہرے کے مکمل عورت (پردہ والی چیز ہے) ہے اور کفین کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔بعض نے اس کا چھپانا واجب کہا ہے اور بعض نے اس کے کھلا رکھنے کی اجازت دی ہے اور ان شاء اللہ اس سلسلہ میں گنجائش ہے۔لیکن ان کا چھپانا ہی زیادہ بہتر ہے تا کہ علماء کے اختلاف سے بچا جاسکے۔جہاں تک پیروں کی بات ہے تو جمہور علماء کے نزدیک نماز میں اس کا چھپانا واجب ہے۔[۳]

---

(۱) دیکھئے: تفسیر طبری: ۱۸ / ۹۳، المهذب مع المجموع: ۳ / ۱۶۷

(۲) رواه ابو داود: ۱ / ۱۷۳، ح ۶۴۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح سنن ابی داود'' (۱/ ۱۹۰) (ح: ۶۴۱) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) مجموع فتاوی ابن باز، جمع و ترتیب: الطیار: ۱ / ۱۹۰

چوتھی بحث

نماز جمعہ کے بارے میں

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

مردوں کیلئے نماز جمعہ

دوسرا مطلب :

عورتوں کیلئے نماز جمعہ

پہلا مطلب

مردوں کیلئے نماز جمعہ

تمام سلف وخلف علماء جن میں ائمہ اربعہ بھی ہیں، کا مذہب یہ ہے کہ نماز جمعہ مرد، عاقل، بالغ، آزاد اور مستوطن (جو اپنے وطن میں ہو) پر واجب ہے۔

دلائل: (۱)

اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ (الجمعة:۹)

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کیلئے نداء دی جائے تو اللہ کے ذکر کو دوڑ و اور خرید وفروخت بند کردو۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آزاد مردوں کو جمعہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ غلاموں، عورتوں اور بچوں کو۔[۱]

۲۔ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ واجب ہے۔[۲]

وجہ استدلال: جمعہ ہر مسلم پر موکد طور پر فرض کیا گیا ہے۔ نیز اس حدیث میں ان لوگوں پر رد ہے جو جمعہ کو فرض کفایہ کہتے ہیں۔[۳]

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ممبر پر

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۶۷

(۲) رواہ ابو داود: ۱/ ۲۸۰، ح۱۰۶۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح سنن ابی داود'' (۱/۲۹۴) میں حدیث نمبر ۱۰۶۷ کے تحت صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) دیکھئے: عون المعبود: ۳/۲۷۸

کہتے ہوئے سنا: ''یقیناً کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو نماز جمعہ چھوڑ دیں گے یا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ یقیناً غافل لوگوں میں سے ہو جائیں گے''۔(۱)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ فرض عین ہے۔(۲)

۴۔ حضرت ابو الجعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے تین جمعہ معمولی سمجھ کر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔(۳)

---

(۱) رواہ مسلم: ۱/۵۹۱ ح: ۸۶۵

(۲) شرح صحیح مسلم للنووی: ۶/۱۵۲

(۳) رواہ ابو داود: ۱/۲۷۷، ح: ۱۰۵۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح سنن ابی داود'' (۱/۲۹۱) میں حدیث نمبر (۱۰۵۲) کے تحت صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا مطلب

عورتوں کیلئے نماز جمعہ

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عورت پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے، اگر حاضر ہوتی ہیں تو یقیناً اللہ تعالی انہیں اس کا پورا بدلہ دے گا۔

دلیـــل: طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سوائے چار (لوگوں) کے جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اور وہ چار یہ ہیں: غلام، عورت، بچہ، اور مریض۔ (۱)

وجہ استدلال: جمعہ مردوں پر واجب ہے عورتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق واجب سے مستثنیٰ کیا ہے۔

خلاصــہ: جمعہ مردوں پر فرض عین ہے اور عورتوں پر جمعہ واجب نہیں ہے، لہٰذا فرق دونوں کے درمیان ثابت ہو گیا۔

دفع مشقت اور آسانی کیلئے عورتوں پر جمعہ واجب نہیں کیا گیا اور خاص طور سے اس لئے کہ جمعہ میں مصلیوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہوتی ہے، مسجد جامع میں اجتماع کی وجہ سے جس سے بہت زیادہ بھیڑ ہو جاتی ہے۔ اگر جمعہ میں حاضری ان پر واجب ہوتی تو یہ عورتوں پر جبر ہوتا۔ لہٰذا ان کے حق میں اس معاملہ میں کشادگی اختیار کی گئی کہ ان کو اختیار رہے۔

نیز اس میں ان پر رحمت ورافت ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت اسلامیہ نے عورتوں پر بہت زیادہ توجہ دی ہے اور اس لئے کہ وہ مرد کی صنو (تابع) ہیں اور عورت ہمیشہ شریعت کے سائے میں رہ کر حریت اور اختیار سے محظوظ ہوتی رہے گی۔

اور جہاں تک مردوں پر واجب ہونے کا سوال ہے تو یہ اس لئے کہ اس سے اسلامی شعائر میں سے ایک عظیم شعار کا اظہار ہوتا ہے اور مسلمانوں کی کثیر تعداد کا اظہار مقصود ہے۔ جس سے اسلام کی قوت اور عزت کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز اس سے مسلمانوں کا آپسی اتحاد ظاہر ہوتا ہے۔ اسی مقصدِ عظیم کے حصول کیلئے علماء نے نماز جمعہ کیلئے مسجد جامع کی قید لگائی ہے۔

---

(۱) رواہ ابو داود: ۱/ ۲۸۰، ح: ۱۰۶۷

پانچویں بحث

جماعت کی نماز کے بیان میں

اس میں سات مطالب ہیں:

پہلا مطلب : مردوں کی جماعت کی نماز

دوسرا مطلب : عورتوں کی جماعت کی نماز

تیسرا مطلب : مردوں کی جماعت کی نماز کی فضیلت

چوتھا مطلب : عورتوں کی جماعت کی نماز کی فضیلت

پانچواں مطلب : مردوں اور عورتوں کی امامت کا موقف

چھٹا مطلب : مقتدی کا نماز میں کھڑا ہونا

ساتواں مطلب : مقتدی عورتوں کا نماز میں کھڑا ہونا

پہلا مطلب

مردوں کے لئے نماز باجماعت

علماء کے مابین یہ ایک مشہور مسئلہ ہے اوراس مسئلہ میں علماء کے چار اقوال ہیں۔ راجح یہ ہے کہ جماعت سے نماز ادا کرنا مردوں کیلئے واجب ہے۔اس کے قائل عبداللہ بن مسعود اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہما ہیں۔ نیز عطاء، اوزاعی، اسحاق، ابوثور، ابن خزیمہ، ابن المنذر اور ابن حبان کا بھی یہی قول ہے اور یہی مذہب ائمہ میں امام احمد، امام شافعی، اور حنفیہ کا ہے۔

دلائل: (۱)

(۱) اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُواْ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُواْ فَلْيَكُونُواْ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّواْ فَلْيُصَلُّواْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُواْ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾ (النساء: ۱۰۲)

''جب آپ ان میں ہوں اور ان کیلئے نماز کھڑی کریں تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت آپ ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر آپ پیچھے آجائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور آپ کے ساتھ نماز ادا کرے''۔

سب سے اچھا استنباط اس آیت سے جماعت کے واجب ہونے کا ابن قیم کا ہے۔ چنانچہ آپ کا قول ہے کہ: اس آیت میں دلیل اس بات کی ہے کہ جماعت اعیان پر فرض ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلی جماعت کے پڑھنے سے دوسری جماعت سے جماعت کو ساقط نہیں کیا، اگر جماعت سنت ہوتی تو خوف کے عذر کی وجہ سے سنت ساقط ہوجاتی، اور اگر فرض کفایہ ہوتی تو بدرجہ اولیٰ ساقط ہوجاتی۔[1]

---

(۱) الصلاۃ وحکم تارکھا، ص:۱۳۸

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے کچھ لوگوں کو بعض نماز میں نہ دیکھا تو کہا: ''میں سوچتا ہوں کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں کہ وہ نماز پڑھائے، پھر حکم دوں کہ لکڑیوں کو جمع کرے پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں نہیں آئے ہیں اور ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت فرض عین ہے۔ کیونکہ اگر سنت ہوتی تو اس کے چھوڑنے والے کے گھروں کو جلانے کی دھمکی نہ دی جاتی اور اگر فرض کفایہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی جماعت تو ہو ہی رہی تھی۔(۲)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کے پاس ایک اندھے صحابی آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں کوئی ایسا آدمی نہیں پاتا جو مسجد تک میری رہنمائی کرے، اورانہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر ہی میں نماز پڑھنے کی رخصت چاہی اور آپ نے انہیں رخصت بھی دیدی، لیکن جب وہ صحابی واپس جانے لگے تو آپ نے پوچھا کہ تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: تم پر جماعت واجب ہے۔(۳)

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے ایک ایسے اندھے صحابی کو جماعت میں نہ حاضر ہونے کی رخصت نہیں دی، جن کا مسجد تک راہ نمائی کرنے والا کوئی نہیں تھا تو غیر اندھے کیلئے بدرجہ اولیٰ رخصت نہ ہوگی۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کل قیامت کے دن اپنے رب سے خوش خوش ملنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ پانچوں نمازوں کی پابندی کرے، کیونکہ اللہ نے اپنے نبی کیلئے ہدایت کے راستے مشروع کئے ہیں، اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا بھی سنن الھدیٰ میں سے ہے اور اگر تم نماز اس پیچھے رہ جانے والے آدمی کی طرح گھروں میں پڑھو گے تو یقیناً تم نے اپنے نبی

---

(۱) صحیح بخاری: ۲۰۲/۱، ح: ۶۴۴، صحیح مسلم، الفاظ بھی اسی کے ہیں، (۴۵۱/۱) حدیث نمبر (۲۵۱)

(۲) فتح الباری: ۱۲۶/۲

(۳) رواہ مسلم: ۴۵۲/۱، حدیث نمبر: ۲۵۳

کی سنت کو چھوڑ دیا، اور اگر اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

اور میں نے دیکھا ہے کہ نماز سے صرف وہ منافقین ہی پیچھے رہتے تھے جن کا نفاق سب کو معلوم تھا۔ بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی کو دو کاندھوں کا سہارا دے کر جھولتا ہوا لایا جاتا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔(۱)

وجہ استدلال: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جماعت سے پیچھے رہ جانے کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے اور نفاق کی علامتیں فعل مکروہ یا مستحب کے ترک سے نہیں ہوتی ہیں۔ اور جو شخص احادیث نبویہ میں نفاق کی علامتوں کو تلاش کرے گا تو وہ پائے گا کہ علامت نفاق یا تو فرض کے ترک سے ہے یا حرام فعل کے ارتکاب سے۔(۲)

خلاصہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ نماز با جماعت کی ادائیگی آزاد، عاقل، اور بالغ مرد پر فرض ہے اور جس نے جماعت بغیر کسی شرعی عذر کے چھوڑ دی تو وہ گنہگار ہے۔

---

(۱) رواہ مسلم: ۱/ ۴۵۳، حدیث نمبر: ۶۵۴

(۲) الصلاۃ و حکم تارکھا (ص: ۱۴۶)

دوسرا مطلب

عورتوں کیلئے نماز باجماعت

اس سے مراد: مردوں کے ساتھ عورتوں کا نماز کیلئے مسجد میں آنے کا حکم ہے، اہل علم کے تمام اقوال اس بات کے اردگرد گھومتے ہیں کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنے کا سبب ہے۔ اسی لئے متاخرین حنفیہ نے فتوی دیا ہے کہ عورتوں کا جماعت کیلئے نکلنا مطلقاً منع ہے۔ بعض نے جواز اور عدم جواز میں بوڑھی اور جوان کے درمیان فرق کیا ہے اور بعض نے رات اور دن کا فرق کیا ہے اور ان کے نکلنے کو چند قیود سے مقید کر دیا ہے، فتنے کے خوف کی وجہ سے۔

اور راجح یہ ہے کہ عورتوں کا نماز کیلئے نکلنا جائز ہے مردوں کی جماعت کے ساتھ اور یہ نکلنا جائز ہے واجب نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں جوان بوڑھی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر یہ عورتیں شرعی آداب کا لحاظ کریں، اور ان کے خروج سے شرعی فساد نہ پیدا ہوتا ہو۔

فتنے اور فساد سے امن کی صورت میں عورتوں کو مسجد جانے سے روکنا عورت کے ولی کیلئے مکروہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے جن میں مالکیہ، شوافع، حنابلہ اور اہل ظواہر ہیں۔ اگرچہ فروعی مسائل میں ان میں آپس میں اختلاف ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ عورتیں نماز پڑھتی تھیں اور آپ نے جوان عورتوں کو منع نہیں فرمایا۔ اگر ان کا نکلنا فساد کا باعث ہوتا تو ان کیلئے نکلنا حرام ہوتا۔ کیونکہ نماز کیلئے ان کا نکلنا جائز ہے، اور فساد سے ان کو بچانا واجب ہے اور واجب جائز سے مقدم ہوتا ہے۔

عورت کے حق میں جماعت کی نماز رفع حرج کی وجہ سے واجب نہیں ہے اور اس مشقت کو دور کرنے کیلئے ہے جو وجوب کی صورت میں پیدا ہوتی۔ کیونکہ شارع حکیم (اللہ) نے عورتوں کی طبیعت اور گھریلو کام کاج کے کرنے کی رعایت دی ہے، اگر اس پر جماعت کی نماز واجب کر دی جاتی تو اس سے ہر نماز کیلئے نکلنے کا مطالبہ ہوتا۔

دلائــــــل: (۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تمہاری عورتیں رات میں مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو تم ان کو اجازت دیدو''۔(۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''تم اپنی عورتوں کو رات میں مسجد جانے سے نہ روکو''۔(۲)

(۲) نیز عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو''۔(۳)

وجہ استدلال: اس حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ عورتوں کو نماز کیلئے مسجد جانے کی اجازت مشروع ہے، بغیر رات کی قید کے۔ لہٰذا یہ حکم اور اجازت ہر نماز کیلئے عام ہوگی۔ (رات اور دن کی تفریق کے بغیر)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو، لیکن وہ بغیر زینت کے نکلیں گی''۔(۴)

اور طیب کے معنی میں ہر وہ چیز داخل ہوگی جو داعی شہوات اور اس کی محرک ہو، جیسے خوبصورت لباس، اور ایسے زیوارات پہننا جن کا اثر ظاہر ہو، اور فاخر زینت۔(۵)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو عورت بخور لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء اخیرہ میں حاضر نہ ہو۔(۶)

(۵) حضرت عبداللہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے کہا: تم میں سے کوئی خوشبو لگا کر مسجد میں نہ آئے۔(۷)

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۲۱۱، حدیث نمبر: ۸۲۵

(۲) صحیح مسلم: ۱/۳۲۷، حدیث نمبر: ۴۴۲

(۳) صحیح بخاری: ۱/۲۲۸، حدیث نمبر: ۹۰۰، و مسلم: ۱/۳۲۷، حدیث نمبر: ۴۴۲

(۴) سنن ابوداود: ۱/۱۵۵، حدیث نمبر: ۵۶۵، علامہ البانی نے اسے ''صحیح سنن ابی دائود'' (۱/۱۶۹) میں حدیث نمبر: ۵۶۵ کے تحت حسن صحیح قرار دیا ہے۔

(۵) عون المعبود: ۲/۱۹۲

(۶) مسلم: ۱/۳۲۸، حدیث نمبر: ۴۴۴

(۷) مسلم: ۱/۳۲۸، حدیث نمبر: ۴۴۳

وجہ استدلال: اس حدیث میں ہے کہ ''خوشبو لگانے والی عورت نماز ادا کرنے کیلئے مسجد میں نہ آئے۔'' لہٰذا اس کے ساتھ ہر وہ زینت کی چیز شامل ہوگی جس سے مردوں کے قلوب مائل ہونے کا ڈر ہو کیونکہ فتنے کا ڈر خوشبو لگانے والی اور زینت کرنے والی دونوں میں (علت) مشترک ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ علماء کے ذکر کردہ شرائط (جو کہ احادیث سے ماخوذ ہیں) کے پائے جانے کے بعد عورتوں کو مسجد سے نہیں روکا جاسکتا اور جو بات ان احادیث سے ماخوذ ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت خوشبو، زینت، لباس فاخرہ اور ایسی پازیب پہن کر مسجد نہ جائے جس سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ نیز مردوں سے اختلاط نہ رکھے، اور نہ ایسے راستے سے جائے جس میں فساد وغیرہ کا ڈر ہو۔[(۱)]

(۶) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو عورتیں سلام کے بعد چلی جاتیں اور نبی ﷺ تھوڑی دیر رکے رہتے۔[(۲)]

اس حدیث کے راوی امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا اس لئے ہوتا تھا کہ عورتیں واپس چلی جائیں، قبل اس کے کہ کوئی مردان کو پائے۔[(۳)]

وجہ استدلال: نماز سے فراغت کے فوراً بعد عورتوں کا لوٹ جانا (واپس چلے جانا) نیز مردوں سے پہلے واپس چلے جانا اس لئے ہوتا تھا تاکہ مردوں سے اختلاط نہ ہونے پائے۔

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بیچ کا راستہ عورتوں کیلئے نہیں ہے''۔[(۴)]

حضرت ابو اسید انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے

---

(۱) شرح صحیح مسلم للنووی: ۴/۱۶۱-۱۶۲

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۲۶۲، ح: ۸۷۰

(۳) صحیح بخاری: ۱/ ۲۶۲

(۴) (صحیح ابن حبان: ۱۲/ ۴۱۶، ح: ۵۶۰۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح موارد الظمآن'' (۲/۲۶۰) میں حدیث نمبر: (۱۶۵۳) کے تحت حسن قرار دیا ہے۔

ہوئے سنا، جبکہ آپ مسجد سے نکل رہے تھے اور راستے میں مرد وعورت کا اختلاط ہوا، تو آپ نے کہا: عورتیں رک جائیں کیونکہ عورتوں کیلئے بیچ راستے میں چلنا درست نہیں ہے، راستے کے کنارے سے چلنا ان کے لئے ضروری ہے، چنانچہ عورتیں دیوار سے اس طرح سٹ کر چلتیں یہاں تک کہ سٹنے کی وجہ سے ان کے کپڑے دیوار میں اٹک جاتے۔[1]

خلاصہ: جماعت سے نماز ادا کرنا مردوں کیلئے فرض عین ہے، اور عورتوں کیلئے مردوں کی نماز کی جماعت میں حاضر ہونا جائز ہے نہ کہ واجب، مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جو مذکورہ احادیث کے مجموعہ اور علماء کے کلام سے مستنبط ہوتی ہیں:

(۱) شادی شدہ عورت کیلئے شوہر کی اجازت ضروری ہے اور غیر شادی شدہ کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔

(۲) خوشبو لگا کر نہ آئے اور اپنی آرائش کو چھپائے۔

(۳) اس کے نکلنے سے کوئی شرعی فساد مترتب نہ ہوتا ہو۔

(۴) شرعی حجاب کے ذریعہ اپنی زینت کو لازمی طور پر چھپائے۔

(۵) جانے آنے میں مردوں سے اختلاط نہ ہو۔

(۶) اپنی چال دکھانے کیلئے بیچ راہ سے نہ چلے، بلکہ راستے کے کنارے سے چلنا اس کے لئے ضروری ہے۔

(۷) نماز سے فراغت کے فوراً بعد واپس چلی جائے، مردوں کے واپس جانے سے پہلے تاکہ اختلاط نہ ہو۔

---

(۱) سنن ابوداود: ۳۶۹/۴، (ح:۵۲۷۲)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح سنن ابی داود" (۲۹۵/۳) میں حدیث نمبر (۵۲۷۲) کے تحت اسے حسن قرار دیا ہے۔

تیسرا مطلب

مردوں کے لئے باجماعت نماز کی فضیلت

باتفاق علماء جماعت کی نماز غیر جماعت کے مقابلہ میں کئی درجہ افضل ہے اور جب مرد نے مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی تو اس نے شرعی مطالبے کو پورا کر دیا۔ اس کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا گھر اور بازار میں ادا کرنے سے بہتر ہے۔ نیز جماعت کی نماز منفرد سے بدرجہا بہتر ہے۔

دلائل: (۱) عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے۔[۱]

(۲) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے نماز عشاء جماعت کے ساتھ ادا کی تو گویا کہ اس نے نصف رات عبادت کی اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی تو گویا اس نے پوری رات نماز ادا کی۔[۲]

وجہ استدلال: ان دونوں حدیثوں میں تنہا نماز کے مقابلہ میں جماعت کی نماز کی فضیلت کا بیان ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان کہنے اور نماز پہلی صف میں پڑھنے سے کتنا ثواب ملتا ہے، تو پھر اگر ان کیلئے قرعہ ڈالنے کے سوا اور کوئی چارہ باقی نہ رہتا، تو البتہ اس پر قرعہ اندازی ہی کرتے اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ نماز کیلئے جلدی آنے میں کتنا ثواب ہے تو اس کیلئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ عشاء اور صبح کی نماز کا ثواب کتنا ملتا ہے تو ضرور چوتڑوں کے بل

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۲۰۶، ح: ۶۴۵

(۲) مسلم: ۱/۴۵۴، ح: ۶۵۶

گھسٹتے ہوئے ان کیلئے آتے ۔(۱)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اللہ کے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں صبح شام بار بار حاضری دیتا ہے، اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان کرے گا، وہ صبح شام جب بھی مسجد میں جائے ۔(۲)

(۵) حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر وہ شخص ہوتا ہے جو مسجد میں نماز کیلئے زیادہ سے زیادہ دور سے آئے اور جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور پھر امام کے ساتھ پڑھتا ہے اس شخص سے اجر میں بڑھ کر ہے جو پہلے ہی پڑھ کر سو جائے ۔(۳)

وجہ استدلال : یہ احادیث جماعت سے نماز ادا کرنے کیلئے مسجد جانے کی فضیلت کی وضاحت کرتی ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/ ۲۰۰ ح: ۲۱۵ ،صحیح مسلم : ۱/ ۳۲۵ ، ح: ۴۳۷

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۲۰۹ ، ح: ۶۶۲ ،صحیح مسلم : ۱/ ۴۶۳ (ح:۶۶۹)، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

(۳) صحیح بخاری: ۱/ ۲۰۷، ح: ۶۵۰ ،صحیح مسلم : ۱/ ۴۶۰ ، ح: ۶۶۲

چوتھا مطلب
عورتوں کیلئے نماز با جماعت کی فضیلت

احادیث صحیحہ اور صریحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عورت کی نماز اپنے گھر میں، مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز کیلئے جانے سے افضل ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا یہی مذہب ہے، بلکہ بعض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

اور یہ شرعی مقاصد کے عین مطابق ہے کہ عورتوں کو مردوں سے دور رکھا جائے یہاں تک کہ عبادات کی جگہوں میں بھی تا کہ فتنہ پیدا نہ ہو۔

دلائل: (۱) حضرت ابوحمید ساعدی کی بیوی ام حمید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں۔ تو آپ نے کہا: ’’میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو‘‘۔ لیکن تمہارے حجرے کی نماز سے بہتر تمہارے گھر کی نماز ہے۔ اور تمہارے گھر کی نماز سے بہتر تمہارے حجرے کی ہے۔ مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر تمہارے گھر کی نماز ہے میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر تمہاری قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے اپنے گھر کے تاریک گوشے میں مسجد بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اسی میں نماز ادا کرتی تھیں یہاں تک کہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔[۱]

وجہ استدلال: حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کی نماز اپنے گھر میں زیادہ بہتر ہے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے۔ نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل (صراحت) ہے کہ ان صحابیہ رضی اللہ عنہا کی نماز اپنی قوم کی مسجد میں مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ کا قول ہے کہ: ’’میری اس مسجد میں نماز ادا کرنا مسجد حرام کے علاوہ دوسری تمام مسجدوں سے ہزار نمازوں سے بہتر ہے‘‘۔[۲]

---

(۱) صحیح ابن حبان: ۵/۵۹۵، ح: ۲۲۱۷، ’’صحیح موارد الظمآن‘‘ (۱/۲۰۲) میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حدیث نمبر (۲۸۶) کے تحت حسن قرار دیا ہے۔

(۲) صحیح بخاری: ۱/۳۵۳، ح: ۱۱۹۰، صحیح مسلم (۲/۱۰۱۲) (ح:۱۳۹۴)

استشہاد: جماعت کی نماز میں کئی گنا ثواب ملتا ہے اور تین مسجدیں مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس میں زیادہ ثواب کا جو تذکرہ ہے وہ خاص ہے مردوں کیلئے نہ کہ عورتوں کیلئے۔

(۲) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنی عورتوں کو مسجد جانے سے نہ روکو اور ان کا گھر ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ (یعنی گھروں میں ان کا نماز ادا کرنا زیادہ بہتر ہے)[1]

وجہ استدلال: اگرچہ عورتوں کو بعض جماعتوں میں حاضر ہونے کی اجازت ہے لیکن گھروں میں ان کا نماز ادا کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔[2]

(۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: عورتوں کی سب سے بہتر مسجد ان کے گھروں کا کونا ہے۔[3]

وجہ استدلال: عورت کی نماز گھر میں زیادہ بہتر اور افضل ہے مسجد سے، حتی کہ فرض نماز بھی کیونکہ ان کے حق میں زیادہ پردہ مطلوب ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میرا کوئی بندہ جس چیز سے میری قربت حاصل کرتا ہے اس میں سب سے محبوب وہ ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔[4]

وجہ استدلال: مردوں کیلئے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ ماقبل میں ذکر ہوا اور عورت کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ استحباب اور اباحت کے درمیان گھومتی ہے۔ جو شخص واجب کو ادا کرے گا اس کو بہت بڑا ثواب ملے گا اس شخص کے مقابلہ میں جس نے مستحب یا مباح کام انجام دیا۔ اسی طرح عورت کا اپنے گھر میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور افضل ہے۔

---

(۱) سنن ابوداود: ۱/۱۵۵، ح: ۵۶۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے "صحیح سنن ابی داود" (۱/۱۶۹)، (حدیث نمبر: ۵۶۷)

(۲) دیکھیے: عمدہ القاری: ۵/۲۶۷

(۳) صحیح ابن خزیمہ: ۳/۹۲، ح: ۱۶۸۳، علامہ البانی نے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔

(۴) صحیح البخاری: ۴/۲۰۳۹ ح: ۶۵۰۲

بات دراصل یہ ہے کہ اس میں شارع حکیم کی طرف سے ان کے لئے تخفیف ہے کیونکہ بار بار مسجد جانا ان کے لئے مشقت کا باعث ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں اس کی رعیت کی نگراں ہے اور اس رعیت کے بارے میں اس سے پوچھا جائیگا۔ اس سے یہ بھی متحقق ہوتا ہے کہ عورتوں کو پورے طور پر چھپایا جائیگا اور مردوں سے اختلاط سے اس کو دور رکھا جائیگا۔ عورتوں کے تبرج اور سفور کے بعد تو یہ بات اور زیادہ موکد ہو جاتی ہے۔

خلاصہ : منفرد کی نماز کے مقابلہ میں جماعت کی نماز ستائیس درجہ افضل ہے۔ یہ مردوں کیلئے ہے نہ کہ عورتوں کیلئے۔ واللہ اعلم

ان ؐ کا ہر لفظ بیش قیمت ہے
وہ جو کہہ دیں، اصول ہو جائے
جو چلے ان ؐ کی راہ سے ہٹ کر
اس کا جیون فضول ہو جائے

پانچواں مطلب

مردوں اور عورتوں کی امامت کا موقف

یعنی مرد اگر امامت کر رہا ہو تو کہاں کھڑا ہو، اور اگر عورت امامت کر رہی ہو تو کہاں کھڑی ہو؟

(۱) مرد امام کے کھڑے ہونے کی جگہ : اور سنت یہ ہے کہ مردوں کا امام جبکہ اس کے ساتھ دو یا اس سے زیادہ مصلی ہوں تو ان کے آگے کھڑا ہو اور بالکل ظاہر ہو، تا کہ آنے والا اس کی اقتداء کر سکے۔ افضل یہ ہے کہ امام صف کے بیچ میں کھڑا ہو، یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔

دلائل: (۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ''...... پھر میں آیا اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھما کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ پھر جبار بن صخر آئے اور وضو کیا اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کے ہاتھ کو پکڑا اور اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔[۱]

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور ہمارا ایک غلام ہمارے گھر میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور میری ماں یعنی ام سلیم ہم سب کے پیچھے تھیں۔[۲]

وجہ استدلال: جب سنت یہ ہے کہ اگر دو ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں تو تین یا اس سے زیادہ کی صورت میں بدرجہ اولیٰ سنت یہ ہوگی کہ سارے مصلی امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

عورتوں کی (عورت) امام کے کھڑے ہونے کی جگہ : جمہور علماء کے نزدیک سنت یہ ہے کہ عورتوں کی امام پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہوگی، اور صف سے آگے نہیں بڑھے گی۔ اسی کے قائل حنفیہ، شوافع اور حنابلہ ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم ۴/۲۳۰۵، ح: ۳۰۱۰

(۲) صحیح بخاری: ۱/۲۲۷، ح: ۷۲۷

دلائل: (۱) ریطہ حنفیہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی امامت کرتیں تو ان کے درمیان کھڑی ہوتیں، فرض نماز میں۔ (۱)

(۲) عمار دھنی اپنے قبیلہ کی ایک عورت جس کو حجیرہ کہا جاتا ہے، سے روایت کرتے ہیں اور وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے عورتوں کی امامت کی تو وسط میں کھڑی ہوئیں۔ (۲)

خلاصہ: سنت یہ ہے کہ مردوں کا امام ان کے آگے بڑھ کر کھڑا ہو، اور عورتوں کی امام پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہو۔

---

(۱) سنن دارقطنی: ۱/۴۰۴، امام نووی نے "المجموع" (۴/۱۷۲) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) مسند الشافعی (ص: ۵۳) نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (۴/۱۷۲) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

چھٹا مطلب

نماز میں مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ

اولاً: باتفاق علماء سنت یہ ہے کہ اگر ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگا۔

دلائل: (۱) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گذاری، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عشا کی نماز ادا کی، پھر حجرہ میں آئے اور چار رکعت نماز اور ادا کی، پھر آپ سو گئے، پھر تھوڑی دیر بعد آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی آ کر آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا''۔(۱)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث گذر چکی جس میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''...... پھر میں آیا اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں کھڑا ہو گیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھما کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ پھر جبار بن صخر آئے اور وضو کیا اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کے ہاتھ کو پکڑا اور اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔(۲)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ان کو اور ان کی ماں یا خالہ کو نماز پڑھائی، راوی کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے دائیں طرف اور عورت کو ہم دونوں کے پیچھے کھڑا کیا۔''(۳)

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے ابن عباس، جابر اور انس کو اپنے دائیں طرف کھڑا کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر صرف ایک ہی مقتدی ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگا۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۲۲۰/۱، ح: ۶۹۷، صحیح مسلم: ۱/ ۵۲۷، ح: ۷۶۳، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم ۲۳۰۵/۴، ح: ۳۰۱۰

(۳) صحیح مسلم: ۱/ ۴۵۸، ح: ۶۶۰

ثانیا:

دو یا دو سے زیادہ مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ

اگرامام کے ساتھ دو یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو سنت یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ جمہور علماء نیز ائمہ اربعہ کا یہی قول ہے۔

دلائل: (ا) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث گذر چکی جس میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''......پھر میں آیا اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں کھڑا ہو گیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھما کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ پھر جبار بن صخر آئے اور وضو کیا اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کے ہاتھ کو پکڑا اور اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔[۱]

امام نووی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں کھڑا ہوگا، اگر مقتدی بائیں کھڑا ہو گیا ہو تو امام اس کو دائیں طرف کردے۔

دو مقتدی ہوں تو صف بنا کر امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح اگر تین یا اس سے زیادہ ہوں تو صف بنا کر امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ زیادہ تر علماء کا یہی مذہب ہے۔[۲]

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اور میری ماں یا خالہ کو نماز پڑھائی۔ انس کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اپنے دائیں اور عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔[۳]

وجہ استدلال: اگر دو مقتدیوں کا امام کے پیچھے کھڑے ہونا سنت ہے تو تین یا اس سے زیادہ بدرجہ اولیٰ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔

---

(۱) صحیح مسلم ۲۳۰۵/۴،ح: ۳۰۱۰

(۲) صحیح مسلم بشرح النووی (۱۴۱/۱۸) ۱۸: ۱۴۱

(۳) صحیح مسلم: ۴۵۸/۱، ح: ۶۶۰

ساتواں مطلب

نماز میں مقتدی عورتوں کے کھڑے ہونے کی جگہ

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کی صف مردوں کی صفوں سے پیچھے ہوگی مطلقاً اور ہر حالت میں:

۱-اگر ایک ہی مرد وعورت نماز پڑھ رہے ہیں تو بھی عورت مرد کے پیچھے ہوگی۔

۲-اگر امام کے ساتھ کوئی دوسرا مرد مقتدی ہو تو امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگا اور عورت دونوں کے پیچھے۔

۳-اگر بہت سے مرد اور عورتیں ہوں تو مرد حضرات امام کے پیچھے پھر عورتیں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوں گی۔

۴-اگر مردوں کے ساتھ بچے بھی ہوں تو ان کی صف مردوں کے پیچھے ہوگی پھر ان کی صفوں کے پیچھے عورتوں کی صف ہوگی۔

دلائل: (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اور میری ماں یا خالہ کو نماز پڑھائی۔ انس کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اپنے دائیں اور عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔(۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں کی سب سے اچھی صف پہلی صف ہے اور سب سے بری آخری صف ہے اور عورتوں کی سب سے اچھی صف آخری صف ہے اور سب سے بری صف پہلی ہے۔(۲)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورتیں جو مرد کے ساتھ مل کر نماز

---

(۱) صحیح مسلم:۱/۴۵۸، ح: ۶۶۰

(۲) صحیح مسلم:۱/۳۲۶، ح: ۴۴۰

پڑھتی ہیں ان عورتوں کی صف مراد ہے اور اگر عورتیں مردوں سے الگ نماز پڑھ رہی ہیں تو وہ فضیلت میں مردوں کی طرح ہیں کہ ان کی پہلی صف سب سے اچھی اور آخری صف سب سے بری ہے۔

مردوں اور عورتوں کی صفوں میں برائی کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ثواب اور فضیلت سب سے کم ہے اور شرعی مطلوب سے دور ہے اور سب سے بہتر اس کے برعکس ہے۔ مردوں کے ساتھ نماز پڑھنے والی عورتوں کی آخری صف کی فضیلت اس لئے ہے کہ مردوں کے اختلاط، ان کو دیکھنا اور ان کی حرکتوں کو دیکھ کر دل کا مشغول ہونا اور ان کا کلام سننے وغیرہ سے دور ہے اور پہلی صف کی مذمت اس کے برعکس ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم (۱)

---

(۱) صحیح مسلم بشرح النووی: ۴/۱۵۹-۱۶۰

چھٹی بحث

حائضہ اور نفساء سے نماز ساقط ہے

مکلّف کا نماز چھوڑ دینا یا ساقط کر دینا خواہ وہ مرد ہو یا عورت کسی بھی حال میں درست نہیں ہے مگر یہ کہ شارع حکیم نے عورت سے اثنائے حیض ونفاس میں فرض نماز ساقط کر دی ہے اور بلا اختلاف اس کے ذمہ اس کی قضا بھی نہیں ہے۔

دلائل: (۱) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا عورت کو جب حیض آئے تو نماز پڑھتی ہے اور روزہ رکھتی ہے؟۔ (۱)

وجہ استدلال: حدیث میں حائضہ سے اثنائے حیض نماز ساقط کی گئی ہے۔

(۲) حضرت معاذہ کہتی ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت روزہ کی تو قضا کرے گی لیکن نماز کی قضا نہیں کرے گی؟ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا تم حروریہ ہو؟ میں نے کہا: میں حروریہ نہیں ہوں بلکہ میں نے ایک سوال کیا ہے۔ تو آپ نے کہا: ہمیں جب یہ علت لاحق ہوتی ہو (یعنی جب حیض آتا ہو) تو ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا اور نماز کی قضا کا حکم نہ دیا جاتا تھا۔ (۲)

وجہ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت روزہ کی قضا کرے گی، نماز کی قضا نہیں کرے گی کیونکہ نماز کی قضا کا اسے حکم نہیں دیا گیا ہے۔

تفریق (دو الگ الگ حکم) کی حکمت:

علماء نے قضاء صوم اور ترک قضاء صلوۃ کے مابین فرق کی حکمت یہ بتائی ہے کہ نماز زیادہ ہے اور بار بار (مکرر) ہے۔ لہٰذا اس کی قضاء میں مشقت اور حرج ہے، برخلاف روزے کے کہ اس کی قضا میں حرج نہیں ہے کیونکہ روزہ سال میں ایک ہی بار فرض ہوتا ہے اور بسا اوقات حیض ایک یا دو دن ہی ہوتا ہے ماہ رمضان کے درمیان۔ اس لئے اس کی قضاء حائضہ عورت پر مشکل اور دشوار نہیں ہے۔ (۳)

خلاصہ: عورت مرد سے مختلف ہوتی ہے لہذا اس سے مدت حیض ونفاس میں فرض نماز کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ اس کی اس پر قضا ہے۔

---

(۱) صحيح بخاری: ۲/۵۸۰، ح: ۱۹۵۱

(۲) صحيح مسلم: ۱/ ۲۶۵، ح: ۳۳۵

(۳) صحيح مسلم شرح نووی کے ساتھ (۴/۲۶)، فتح الباری (۱/۴۲۲)

پانچویں فصل

جنازہ کے بیان میں

اس میں کل دس مباحث ھیں:

پہلی بحث : کفن کے کپڑے

دوسری بحث : جنازہ میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ

تیسری بحث : نماز جنازہ کی ترتیب

چوتھی بحث : جنازہ کے پیچھے چلنا

پانچویں بحث : نعش کا ستر

چھٹی بحث : جنازہ کو اٹھانا

ساتویں بحث : مردے کو دفن کرنا

آٹھویں بحث : دفن کے بعد قبر کو چھپا دینا

نویں بحث : قبروں کی زیارت

دسویں بحث : میت پر سوگ

پھلی بحث

کفن کے کپڑے

اس میں دو مطلب ھے:

پہلا مطلب : مرد کے کفن کے کپڑوں کی تعداد

دوسرا مطلب : عورت کے کفن کے کپڑوں کی تعداد

پھلا مطلب

مرد کے کفن کے کپڑوں کی تعداد

مرد کی تکفین تین کپڑوں میں مستحب ہے۔ جمہور ائمہ میں سے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا یہی مذہب ہے۔

دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یمن کے تین سوتی دھلے ہوئے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ان میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔ [۱]

وجہ استدلال: آدمی کا مستحب کفن تین سفید کپڑے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کو انہیں تین کپڑوں کا کفن دیا گیا۔

(۱) صحیح البخاری: ۱ / ۳۷۸، ح: ۱۲۶۴، صحیح مسلم: ۲ / ۶۴۹، ح: ۹۴۱

دوسرامطلب

عورت کے کفن کے کپڑوں کی تعداد

عورت کی تکفین پانچ کپڑوں میں مستحب ہے۔اسی کے قائل حنفیہ،شافعیہ اورحنابلہ ہیں کیونکہ عورت کیلئے ستر واجب ہے۔لہٰذا انکا کفن بھی ایسا ہوجوان کے مناسب حال اورنسوانیت کے مطابق ہو۔اوروہ پانچ کپڑے یہ ہیں:قمیص،پاجامہ(مئزر)لفافہ اوردوپٹہ اور پانچویں کپڑے سے اس کی دونوں ران باندھ دی جائے گی کیونکہ سلے ہوئے کپڑے عورت کے مناسب حال ہےاور یہ بھی جائز ہے کہ حالت احرام کا کپڑا پہنایا جائے۔موت کی حالت میں بھی وہی کپڑا اس کو پہنانا مشروع ہے۔

دلیـــل: جمہورنےعورت کےکفن کے سلسلہ میں لیلی بنت قانف کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

عورت کا کفن پانچ کپڑوں کا ہواس سلسلہ میں کوئی مرفوع حدیث صحیح سند سے نہیں پائی جاتی۔ سوائے اس حدیث کے جس کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ''جوزقی نے ابراہیم بن حبیب بن الشہید عن ہشام عن حفصہ عن ام عطیہ کے طریق سے روایت کیا ہے:''ام عطیہ کہتی ہیں کہ ہم عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیتے اوراس کواسی طرح دوپٹہ اوڑھاتے جس طرح زندہ کواوڑھایا جاتا ہے''۔اور یہ اضافہ صحیح سند سے ثابت ہے۔(۱)

علامہ عینی کہتے ہیں کہ اس حدیث پر اعتماد کرکے عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا مستحب ہے۔(۲)

اورمغنی میں لکھاہے کہ ابن منذرنے کہا ہے کہ علماء سے زیادہ سے زیادہ جوہم نے محفوظ کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائیگا اور یہ مستحب ہے، کیونکہ عورت زندگی میں مرد سے زیادہ

---

(۱) فتح الباری: ۳/ ۱۳۳

(۲) عمدة القاری: ۸/ ۴۶

ستر کی مستحق ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی اوراس لئے بھی کہ جب عورت احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہنتی ہے اور یہ زندگی کی سب سے مکمل حالت ہے تو موت کے بعد بھی وہی کپڑے پہنانا اس کو مستحب ہے۔ مرد کا حال اس سے مختلف ہے لہٰذا موت کے بعد بھی دونوں میں فرق رہے گا زندگی میں فرق کی وجہ سے، اور غسل دونوں کو ایک طرح دیا جائیگا، کیونکہ زندگی میں بھی دونوں کا غسل یکساں ہوتا ہے۔[1]

خلاصہ: کفن کی مستحب مقدار میں مرد کا حکم عورت سے مختلف ہوگا۔ چنانچہ مرد کو تین کپڑوں میں اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائیگا۔

---

(۱) المغنی ۳/۳۹۱

دوسری بحث

نماز جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟

نماز جنازہ میں امام کا کہاں کھڑا ہونا مسنون ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مرد وعورت کے جنازہ میں میت کے برابر کھڑا ہو، یا الگ الگ طریقہ سے؟

راجح یہ ہے کہ امام مرد کے سر کے محاذات (برابر) میں کھڑا ہو اور عورت کے وسط میں کھڑا ہو۔

یہ امام ابوحنیفہ کی روایت ہے اور ابویوسف کے دو قولوں میں سے نیا قول ہے۔ لیکن زیادہ صحیح مذہب امام شافعی اور حنابلہ کا ہے عورت کے سلسلہ میں۔

دلائل: (۱) حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ: ''نبی کریم ﷺ کے پیچھے ایک عورت کی نماز جنازہ میں نے پڑھی، جس کا زچگی کی حالت میں انتقال ہو گیا تھا۔ آپ اس کے بیچ میں کھڑے ہوئے''۔ (۱)

علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ بیچ میں کھڑا ہونا لوگوں کی نگاہوں سے چھپانے کیلئے ہے۔ (۲)

(۲) حضرت نافع ابوغالب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں سکۃ المربد میں تھا کہ اسی اثنا میں ایک جنازہ گذرا جس کے ساتھ کچھ لوگ تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ عبداللہ بن عمیر کا جنازہ ہے۔ تو میں اس کے پیچھے ہولیا۔ وہاں میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے بدن پر رقیق چادر تھی اور سر پر دھوپ سے بچنے کیلئے ایک ٹکڑا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون دیہاتی ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب جنازہ رکھ دیا گیا تو انس کھڑے ہوئے اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور میں ان کے پیچھے تھا۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز نہ تھی۔ آپ جنازہ کے سر کے پاس کھڑے ہوئے اور چار تکبیریں کہیں، نہ تو بہت لمبی کی اور نہ بہت جلدی کی، پھر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے کہا: اے ابوحمزہ! یہ انصاریہ عورت کا جنازہ ہے۔ لوگوں نے جنازہ کو قریب کیا جس کے اوپر سبز نعش تھی آپ اس کے بیچ میں کھڑے ہوئے اور مرد کی نماز جنازہ کی طرح اس کی بھی نماز جنازہ پڑھائی پھر بیٹھ گئے۔ علاء بن زیاد نے کہا: اے ابوحمزہ! کیا رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز جنازہ پڑھا کرتے جس طرح آپ نے پڑھی

(۱) صحيح البخاري: ۱/ ۳۹۲، ح: ۱۳۳۲، صحيح مسلم: ۲/ ۲۶۴، ح: ۹۶۴

(۲) عون المعبود: ۸/ ۳۴۰

ہے کہ چارتکبیر کہتے اور مرد کے سر کے پاس اور عورت کے وسط میں کھڑے ہوتے؟ تو آپ نے کہا کہ ہاں۔(۱)

وجہ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کیلئے سنت یہ ہے کہ مرد کی نماز جنازہ میں سر کے پاس کھڑا ہو اور اگر عورت ہے تو وسط میں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام عورت کی نماز جنازہ میں عورت کے وسط میں کھڑا ہو بالاتفاق مذکورہ حدیث کی بنا پر، اور اس لئے بھی کہ باقی لوگوں سے اس میں اس کی زیادہ حفاظت ہے۔(۲)

تیسری بحث

نمازِ جنازہ کی ترتیب

اگر ایک ہی ساتھ مرد اور عورت دونوں کی نماز جنازہ پڑھنی ہو تو راجح قول یہ ہے کہ مردوں کو امام کے نزدیک رکھا جائے اور عورتوں کو قبلہ کے نزدیک۔ اسی کے قائل ائمہ اربعہ ہیں۔

دلیل: حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نو جنازوں پر ایک ساتھ نماز پڑھی تو مردوں کو امام کے نزدیک کیا اور عورتوں کو قبلے کے نزدیک کیا اور ان سب جنازوں کی ایک صف کی اور لوگوں میں عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، ابو سعید اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایک شخص (عبد اللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع) نے کہا کہ میں نے اس کو برا سمجھا تو میں نے ابن عباس، ابو سعید اور ابو قتادہ کی طرف دیکھا اور کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہی سنت ہے۔(۳)

وجہ استدلال: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں مردوں کا جنازہ قریب ہوگا عورتوں کے جنازہ کے مقابلہ میں۔

---

(۱) سنن ابوداود:۳/۲۰۸،ح:۳۱۹۴، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح سنن ابی داود" (۲/۲۹۸) میں حدیث نمبر (۳۱۹۴) کے تحت صحیح کہا ہے۔

(۲) المجموع ۵/۱۷۹

(۳) سنن نسائی:۴/۷۱، ح: ۱۹۷۸، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح سنن نسائی" (۲/۵۲) میں حدیث نمبر (۱۹۷۷) کے تحت صحیح قرار دیا ہے۔

چوتھی بحث

جنازہ کے پیچھے چلنے کے بیان میں

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

مرد کا جنازہ کے پیچھے چلنا

دوسرا مطلب :

عورت کا جنازہ کے پیچھے چلنا

پہلا مطلب

مرد کا جنازہ کے پیچھے چلنا

اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی امت کیلئے جنازہ کے پیچھے چلنے کو مشروع کیا ہے کیوں کہ اس میں بہت بڑا ثواب ہے اور یہ عمل آخرت کو یاد دلاتا ہے، میت کو اٹھانے اور اس پر نماز پڑھنے سے میت کا حق ادا ہوتا ہے۔ اسی لئے مردوں کیلئے جنازہ کے پیچھے چلنے کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔

دلائل: (۱) حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے سات کاموں کا حکم دیا اور سات کاموں سے روکا، ہمیں آپ نے حکم دیا جنازے کے پیچھے چلنے اور مریض کی مزاج پرسی کرنے کا۔[۱]

تمام علماء نے اس حدیث سے اتباعِ جنائز کی سنت پر استدلال کیا ہے۔ انہیں میں صاحب المہذب اور صاحب المجموع وغیرہ بھی ہیں۔[۲]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی ایمان رکھ کر اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے جائے اور نماز اور دفن سے فراغت ہونے تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا۔ ہر قیراط اتنا بڑا ہوگا جیسے احد پہاڑ، اور جو شخص جنازے پر نماز پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ جائے تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر لوٹے گا۔[۳]

وجہ استدلال: حدیث اتباع جنائز کی مشروعیت پر دال ہے مردوں کے حق میں، نیز اتباع جنائز کی بڑی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱ / ۳۷۲، ح: ۱۲۳۹

(۲) دیکھئے: المہذب والمجموع (۵ / ۲۷۴-۲۷۷)

(۳) صحیح بخاری: ۱ / ۳۹، ح: ۴۷، صحیح مسلم: ۲ / ۶۵۲، ح: ۹۴۵

دوسرا مطلب

عورت کا جنازہ کے پیچھے چلنا

مشی اور اتباع جنائز میں عورتوں کی شرکت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے جبکہ مردوں کے حق میں بالاتفاق مشروع ہے جیسا کہ گذر چکا اور راجح قول یہ ہے کہ عورتوں کیلئے اتباع جنائز مکروہ ہے۔ اس کیلئے وہ نہیں نکلیں گی۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے، نیز حنفیہ، شوافع، حنابلہ اور مالکیہ میں ابن حبیب اسی کے قائل ہیں البتہ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ مکروہِ تحریمی ہے۔

دلیل: ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہمیں اتباع جنائز سے روکا گیا ہے اور ہم کو اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے۔[1]

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے عورتوں کو اتباع جنائز سے موکد طور پر منع نہیں کیا ہے جس سے مکروہ تنزیہی پر دلالت ہوتی ہے نہ کہ تحریمی پر۔

خلاصہ: اتباع جنائز مردوں کے حق میں سنت اور عورتوں کے حق میں مکروہ ہے۔ یہ حکم کبھی اختلاطِ مرد وزن سے بچنے کے لیے ہے اور کبھی اس لیے کہ عورت صبر وضبط میں کمزور اور عزم وارادہ میں ناپختہ ہوتی ہے اور اس بات کا قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ میت پر آہ وبکا شروع کردے گی جو ممنوع اور حرام ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری : ۱ / ۳۹ ، ح :۴۷ ، صحیح مسلم : ۲ / ۶۴۲ ، ح:۹۳۸

پانچویں بحث

نعش کو چھپانے کے بارے میں

مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ عورت کے جنازہ کو جبکہ چارپائی پر ہو چھپانا مستحب ہے قبے کی شکل میں تاکہ جنازہ لوگوں کی نظروں سے چھپ جائے اور اگر وفات پانے والا مرد ہے تو اس کے حق میں مستحب نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ بھی عورت کی طرح کیا جائے تو مالکیہ کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

دلیل: حضرت نافع رحمہ اللہ، عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ایک منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ محرم کے علاوہ کوئی جنازہ کے ساتھ نہ جائے۔ تو عمیس کی لڑکی نے کہا: اے امیر المومنین! کیا میں آپ کو وہ کر کے نہ دکھادوں جو میں نے حبشہ میں دیکھا کہ عورتوں کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے نعش کو ایک کپڑے سے ڈھک دیا۔ یہ دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کیا ہی بہتر اور ساتر ہے۔ پھر آپ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ اپنی ماں کے جنازہ کے ساتھ نکلو۔[1]

وجہ استدلال: عورت کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اس کو چھپایا جاتا ہے اور ہر وہ کام جس سے ستر حاصل ہو کیا جائیگا۔ چاہے نعش کے ساتھ ہو یا غیر نعش کے۔

خلاصہ: عورت کے جنازہ کو ڈھکنا قبہ وغیرہ کی شکل میں مستحب ہے تاکہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپایا جائے اور جہاں تک مردوں کی بات ہے تو ان کیلئے مستحب نہیں ہے۔

---

(۱) اسے ابن سعد نے الطبقات الکبری: ۸/ ۱۱۱ اور امام ذہبی نے "سیرأعلام النبلاء" (۲/۲۱۲) میں روایت کیا ہے اور محققِ "سیرأعلام النبلاء" نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

چھٹی بحث

جنازہ کو اٹھانے کے بارے میں

مذاہب اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جنازہ کو غسل خانے سے قبرستان تک لے جانے کے ذمہ دار مرد ہیں، عورتوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، مردوں کی موجودگی میں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ عورتیں کمزور ہوتی ہیں اور اگر عورتیں اٹھائیں گی تو ہوسکتا ہے کہ ستر کھل جائے۔[۱]

دلائل: (۱) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میت چارپائی پر رکھی جاتی ہے اور مرد اسے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے کہ مجھے آگے لے چلو۔ لیکن اگر نیک نہیں ہوتا تو کہتا ہے: ہائے بربادی! مجھے کہاں لئے جارہے ہو؟ اس آواز کو انسان کے سوا تمام مخلوقِ خدا سنتی ہے۔ اگر انسان کہیں سن پائے تو بے ہوش ہوجائے۔[۲]

(۲) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گذر چکی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمیں اتباع جنائز سے منع کیا گیا ہے اور ہم کو اس کا ذمہ دار نہیں بنایا گیا ہے۔

وجہ استدلال: جب عورتوں کو اتباع جنائز سے روک دیا گیا ہے تو اٹھانے سے بدرجہ اولی روکا جائیگا۔

(۳) عورتیں جب جنازہ کے ساتھ چلنے اور اٹھانے میں شریک ہوں گی تو یہ مردوں سے اختلاط کا سبب بنے گا جو مفضی الی الفتنہ یعنی فتنہ کا سبب ہوگا۔[۳]

(۴) شریعت نے جنازہ کو کاندھوں پر اٹھانے اور لے جانے کو مندوب کیا ہے، اور اکثر اس

---

(۱) المجموع: ۵ / ۲۲۸

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۳۹۱، ح: ۱۳۱۴

(۳) فتح الباری: ۳ / ۱۸۲

سے ستر کھلنے کا اندیشہ رہتا ہے۔لہذا اگر عورتیں جنازہ کو اٹھائیں گی تو اس سے ان عورتوں کے ستر کھلنے کا ڈر رہیگا، جبکہ شریعت میں عورتوں کو چھپانا مطلوب ہے۔[1]

(۵) عورتیں جسمانی اور نفسیاتی طور پر کمزور ہوتی ہیں لہذا وہ کفن دفن سے عاجز اور بے بس ہوتی ہیں نیز یہ آہ وبکا اور دوسری خرابیوں تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

خلاصہ: جنازہ کو اٹھانا مردوں پر فرض کفایہ ہے، اور جہاں تک عورتوں کا سوال ہے تو مردوں کی موجودگی میں وہ جنازہ نہیں اٹھائیں گی، کیونکہ اس سے بہت سارے مفاسد کا اندیشہ ہے۔

---

(۱) المجموع: ۵ / ۲۲۸

ساتویں بحث

مردے کو دفن کرنے کے بارے میں

عورتوں کیلئے مردے کو دفن کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ مرد موجود ہی نہ ہوں، میت چاہے مرد کی ہو یا عورت کی۔ حنفیہ، شوافع، حنابلہ اور ابن حزم کا یہی مذہب ہے اور مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے، اگر میت مرد ہو۔

دلائل: (۱) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بیٹی (ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کے جنازہ میں حاضر تھے۔ آنحضور ﷺ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا ایسا آدمی بھی کوئی یہاں ہے جو آج رات کو عورت کے پاس نہ گیا ہو۔ اس پر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بولے کہ میں حاضر ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم قبر میں اتر جاؤ۔ انس نے کہا کہ وہ اتر گئے اور میت کو دفن کیا۔ (۱)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اور یہ معلوم بات ہے کہ ابوطلحہ نبی ﷺ کی بیٹیوں کیلئے اجنبی تھے۔ لیکن وہ حاضرین میں سب سے صالح تھے اور سوائے نبی ﷺ کے ام کلثوم کا کوئی محرم نہ تھا۔ شاید قبر میں نہ اترنے کا یہی عذر ہو۔ اسی طرح حضرت عثمان بھی اور یہ بھی معلوم بات ہے کہ ان کی بہن فاطمہ وغیرہ ان کے محارم میں سے وہاں موجود تھیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دفن کرنا اور قبر میں داخل ہونا عورتوں کا حق نہیں۔ (۲)

امام شوکانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کی قبر میں مردوں کو داخل کرنا جائز ہے نہ کہ عورتوں کو، کیونکہ مرد حضرات طاقتور ہوتے ہیں نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایسے اجنبی مرد بھی عورت کی میت کو قبر میں اتار سکتے ہیں جنہوں نے کئی راتوں سے

---

(۱) بخاری: ۱/۳۹۸، ح:۱۳۴۲

(۲) المجموع: ۵/ ۲۴۸

عورت سے مباشرت نہ کی ہو بمقابلہ باپ اورشوہر جیسے قریبی رشتہ داروں کے جنہوں نے اسی رات عورت سے مباشرت کی ہو۔بعض علماء نے عورت سے مباشرت نہ کرنے والے شخص کوعورت کی میت کو قبر میں اتارنے کی اجازت دینے کی حکمت یہ بتائی ہے کہ ایسے میں وہ مرد شیطان کے اس وسوسہ سے محفوظ رہے گا کہ شیطان اس کواس رات ہونے والے عملِ مباشرت کی یادنہیں دلا سکے گا۔(۱)

(۲) کوئی بھی ایسی دلیل ثابت نہیں ہے کہ مردوں کی موجودگی میں عورتوں نے دفن کیا ہو، نہ تو عہدنبوی میں اور نہ خلفاءراشدین کے عہد میں ۔(۲)

(۳) جب عورتوں کیلئے اتباع جنازہ ہی مکروہ ہےتو دفن کرنا کیسے جائز ہوگا۔

(۴)عورتیں کمزور ہوتی ہیں اور میت کوقبر میں اتارنے میں طاقت کی ضرورت ہوتی ہےاور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میت کوقبر میں اتارتے وقت ان سے کوئی ایسا فعل صادر ہوجائے جوصبر اور احتساب کے منافی ہو۔(۳)

(۵)مردوں کی موجودگی میں عورتوں کا دفن کرنا مفضی الی الفتنہ ہے کیونکہ لامحالہ ان کے بدن کے کچھ حصے کھلیں گےاور یہ ایسا وقت ہے کہ میت استغفار کرنے والوں کے استغفار اور سوال کرنے والوں کے سوال کامحتاج ہے۔(۴)

خلاصہ: میت کودفن کرنا مردوں پرفرض کفایہ ہےاورعورتوں کیلئے جائزنہیں ہے مگر یہ کہ مرد موجودہی نہ ہوں۔

---

(۱) نیل الاوطار : ۴ / ۱۳۵

(۲) المغنی : ۲ / ۵۰۲

(۳) المہذب مع المجموع : ۵ / ۲۸۸

(۴) المغنی : ۲ / ۵۰۲، و المجموع : ۵ / ۲۸۸

آٹھویں بحث

تدفین کے وقت قبر کو چھپانا

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

مرد کی قبر کو چھپانا

دوسرا مطلب :

عورت کی قبر کو چھپانا

پہلا مطلب

مرد کی قبر کو چھپانا

مرد کی قبر کے ستر کے حکم میں علماء کے دومختلف اقوال ہیں اورراجح یہ ہے کہ مرد کی قبر کا ستر مستحب نہیں ہے۔حنفیہ، مالکیہ اورشافعیہ کا یہی مذہب ہے اورحنابلہ نے ستر کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے۔

دلائـــل: (۱)ابواسحاق سے روایت ہے کہ وہ حارث اعوررضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شریک تھے۔عبداللہ بن یزید نے اس پر کپڑا پھیلانے سے منع کیااورکہا کہ یہ تو مرد ہیں۔ابواسحاق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن یزید نے نبی ﷺ کودیکھا تھا۔(۱)

وجه استدلال: مرد کی قبر کا ستر مستحب نہیں ہےاورلوگوں میں یہ ایک مشہور مسئلہ ہے۔

(۲)میرے علم کے مطابق کوئی بھی صحیح حدیث یا اثر ایسانہیں جواستحباب کے قائلین کی تائید کرتا ہو۔لہٰذا کہاجائیگا کہ دلیل عدم دلیل ہےاوراصل یہ ہے کہ اسکوعلی حالہ باقی رکھاجائے۔

(۳)کشف قبراتباع سنت ہےاورچھپانے میں ایک طرح سے تشبہ بالنساء ہے۔(۲)

(۴)مرد کے بدن کوچھپانے کیلئے کفن کافی ہےاوراگرجسم کےنشیب وفراز کفن کے پیچھے سے جھلک رہے ہوں تواس کا کوئی اعتبارنہیں ہے،حالت حیات پر قیاس کرتے ہوئے۔

---

(۱) رواہ البیہقی فی ”الکبری“:۴/۵۴ (رقم:۱۲۸۴)، بیہقی نے لکھا ہے کہ اگرچہ یہ موقوف ہو پھر بھی اس کی سند صحیح ہے۔اسے ابو اسحاق سے ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہے۔

(۲) المغنی:۲/۵۰۱

دوسرا مطلب

عورت کی قبرکو چھپانا

مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ دفن کے وقت عورت کی قبرکو چھپانا مشروع ہے۔حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔مالکیہ،شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں مستحب ہے۔

دلائـــل: (۱)ابواسحاق سے روایت ہے کہ وہ حارث اعور کے جنازہ میں شریک تھے۔عبداللہ بن یزید نے اس پر کپڑا پھیلانے سے منع کیا اور کہا کہ یہ تو مرد ہیں۔ابواسحاق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن یزید نے نبی ﷺ کو دیکھا تھا۔(۱)

وجہ استدلال: عبداللہ بن یزید کا قول (یہ مرد ہیں) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کی قبرکودفن کے وقت چھپانا مستحب ہے اور لوگوں میں یہی مشہور تھا۔

(۲) چونکہ عورت کو چھپایا جاتا ہے اس لئے اگر اس کی قبرکو نہ چھپایا گیا تو ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی عضو لوگوں کی نظروں کے آگے کھل جائے۔(۲)

خلاصہ: عورت کی قبرکودفن کے وقت چھپایا جائیگا برخلاف مرد کی قبر کے۔

عورتوں سے متعلق جنازہ کے خاص احکام:

عورت کا کفن اس کے حق میں واجب ستر پر مبنی ہوگا، جو اسلام میں اس کے تئیں حفاظت پر دلالت کرتا ہے،مرنے کے بعد بھی نا کہ صرف زندگی میں، چنانچہ وہ جسم جس کی حفاظت حجاب سے اور صیانت لوگوں کی نگاہوں سے شرعی لباس کے ذریعہ ہوتی ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ وفات کے بعد اس کے جسم کو ویسے ہی چھپایا جائے کیونکہ وہ (مرجانے کے بعد) اب اس حالت میں ہے کہ خود اپنے آپ کی مالک نہیں ہے۔

---

(۱) بیہقی نے اسے "الکبریٰ" (۵۴/۴) میں نمبر (۱۸۴۱) کے تحت روایت کیا ہے۔
(۲) دیکھئے:بدائع الصنائع (۳۱۹/۱)

نویں بحث

قبروں کی زیارت کے بارے میں

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

قبروں کی زیارت مردوں کیلئے

دوسرا مطلب :

قبروں کی زیارت عورتوں کیلئے

پہلا مطلب

قبروں کی زیارت مردوں کیلئے

مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ مردوں کیلئے قبروں کی زیارت مشروع ہے۔
ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے مستحب ہونے میں ہمیں کسی کا اختلاف نہیں معلوم۔ (۱)

دلائل: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی تو رسول اللہ ﷺ رو پڑے اور یہ دیکھ کر آپ کے آس پاس والے بھی رونے لگے۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ میں اپنی ماں کیلئے استغفار کروں لیکن مجھے اجازت نہ دی گئی اور میں نے قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی۔ لہٰذا تم لوگ بھی قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ (۲)

وجہ استدلال: یہاں زیارت کی اجازت خاص مردوں کیلئے ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر عورتیں اس حکم میں داخل ہوتیں تو ان کیلئے بھی قبروں کی زیارت مستحب ہوتی جیسا کہ مردوں کیلئے مستحب ہے جمہور کے نزدیک، جبکہ ہم نے کسی بھی ایک عالم کو نہیں جانا کہ اس نے عورتوں کیلئے زیارت القبور کو مستحب کہا ہو۔ (۳)

(۲) ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تم لوگوں کو زیارت القبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم قبروں کی زیارت کرو۔ (۴)

---

(۱) المغنی : ۲ / ۵۶۵

(۲) صحیح مسلم: ۲/ ۶۷۱، ح: ۹۷۶

(۳) مجموع الفتاوی : ۲۴ / ۳۴۵

(۴) صحیح مسلم: ۲/ ۶۷۲ ، ح: ۹۷۷

دوسرا مطلب

قبروں کی زیارت عورتوں کیلئے

عورتوں کیلئے زیارت قبر کے حکم میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔اس سلسلہ میں شاید سب سے راجح قول یہ ہے کہ عورتوں کیلئے زیارت قبر مکروہ ہے۔شافعیہ اور حنابلہ کا یہی مذہب ہے نیز ابن سیرین، شعبی اور امام نخعی اسی کے قائل ہیں۔

دلائل: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔[۱]

وجہ استدلال دو طرح سے ہے: (۱) یہ لعنت خاص عورتوں کیلئے ہے اور نہی منسوخ (وہ حکم جس میں آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو زیارۃ القبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم کو زیارۃ القبور کی اجازت ہے) عام ہے مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے، لیکن اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ اجازت خاص مردوں کیلئے ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ حدیث میں عورتوں پر یہ لعنت مردوں کو زیارت القبور کی اجازت کی بعد کی خبر ہو۔لہٰذا عورتوں کے لئے زیارۃ القبور اباحت وممانعت کے درمیان منحصر ہے، اور ممانعت کا سب سے کم درجہ کراہت ہے۔[۲]

(۲) لعنت والی حدیث حرام ہونے کی دلیل ہے اور اذن والی حدیث حرمت کو ختم کررہی ہے۔ لہٰذا اب اصل کراہت باقی ہے۔[۳]

اور کراہت کا قول ممانعت واجازت کی دلیلوں کو جمع کر کے ہے اور دو حدیثوں میں جمع، ترجیح

---

(۱) سنن ترمذی: ۳/۳۷۱، ح: ۱۰۵۶، علامہ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح سنن الترمذی" (۱/۵۳۸) میں حدیث نمبر (۱۰۵۶) کے تحت اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۲) المغنی: ۲/ ۵۷۰

(۳) مجموع الفتاوی: ۲۴/ ۳۵۴

سے بہتر ہے اگر ممکن ہو۔

(۲) حضرت ام عطیہ کی حدیث گذر چکی کہ ہمیں اتباع جنائز سے روک دیا گیا ہے اور ہمیں اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے۔[۱]

وجہ استدلال: زیارت اتباع کی جنس سے ہے۔ لہٰذا دونوں مکروہ ہوں گے نہ کہ حرام۔

(۳) زیارت القبور عورتوں کیلئے مکروہ ہے کیونکہ ان کے اندر صبر کا مادہ کم ہوتا ہے اور جزع فزع زیادہ ہوتی ہے اور عورتوں کا قبر کی زیارت کرنا غم کو بڑھا دینے والا ہے اور مصیبت کو نئے سرے سے یاد دلانے والا ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں ان سے فعل حرام کا ارتکاب ممکن ہے، برخلاف مردوں کے۔[۲]

(۴) زیارت القبور پر سلف صالحین کی عورتوں کا عمل نہیں تھا اور اگر زیارۃ القبور عورتوں کے لئے بھی مستحب ہوتی جیسا کہ مردوں کیلئے مستحب ہے تو وہ ضرور ایسا کرتیں۔ لیکن سلف صالحین کی عورتیں صرف نماز کیلئے مساجد جاتی تھیں کیونکہ اس کی ان کو اجازت تھی۔ حالانکہ نبی ﷺ نے خبر دی تھی کہ عورتوں کی نماز اپنے گھر میں ہی زیادہ بہتر ہے۔

خلاصہ: مردوں کیلئے زیارت القبور مستحب ہے اور جہاں تک عورتوں کیلئے زیارت القبور کی بات ہے تو اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور سب سے راجح قول یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری (۱/۳۹) حدیث نمبر (۴۷)، صحیح مسلم (۲/۶۴۶)، حدیث نمبر (۹۳۸)

(۱) سنن الترمذی : ۳/ ۳۷۱، المغنی : ۲/ ۵۷۰

دسویں بحث

میت پرسوگ منانے کے بارے میں

اس میں دو مطالب ھیں:

پہلا مطلب : مردوں کا سوگ میت پر

دوسرا مطلب : عورتوں کا سوگ میت پر

میت پرسوگ (غم) منانا

سوگ کی تعریف: سوگ چند متقارب تعریفات سے مشہور ہے جن کا مداراس بات پر ہے کہ متوفی عنہاز وجہا چند مخصوص چیزوں سے رک جائے گی مخصوص مدت میں۔ چنانچہ معتدہ کیلئے زیب وزینت اور خوشبو وغیرہ شرعی مدت یعنی چار مہینہ دس دن کے اندر منع ہے۔ [1]

---

(١) دیکھئے: فتح الباری : ٩ / ٤٨٥

پہلا مطلب

میت پر مرد کا سوگ

شرعی نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سوگ مردوں کیلئے بالکل جائز نہیں ہے بلکہ یہ عورتوں کیلئے مشروع کیا گیا ہے کیونکہ سوگ کے سلسلہ میں خطاب ایسے صیغے سے آیا ہے جس میں مرد کا احتمال کسی حال میں نہیں ہوسکتا۔

سوگ کے متعلق علماء کے اقوال میں غور وفکر سے یہ بات ملاحظہ میں آتی ہے کہ عورتوں کے حق میں سوگ کی مشروعیت کا ذکر تو کرتے ہیں لیکن مردوں کے حق میں مشروع ہونے کی بات کسی نے بھی نہیں کی ہے بلکہ بعض نے عدم مشروعیت کی صراحت کی ہے۔

سوگ سے متعلق چند بدعات

ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ کسی مصیبت کے وقت گھروں میں بند ہوجاتے ہیں، یا سیاہ لباس پہنتے ہیں، یا حکومتی اور تجارتی اداروں کے کام کاج بند کردیتے ہیں یا میت پر دکھی ہوکر پرچم نگوں کرتے ہیں۔

یہ اعمال سنت سے کچھ بھی مطابقت نہیں رکھتے ہیں، بلکہ یہ بدعات ہیں کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے یہ اعمال نہ تو کئے اور نہ اس کے کرنے پر صحابہ کو ابھارا۔

دلائل: (۱) ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کوئی بھی عورت جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے شوہر کے سوا کسی مردے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے۔ ہاں شوہر پر چار مہینے دس دن تک سوگ منایا جائے۔[(۱)]

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ کا قول: "لایحل لامرأة" (کسی بھی عورت کیلئے

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۳۸۲، ح: ۱۲۸۱، صحیح مسلم (۲/۱۱۲۳) (ح:۱۴۸۶)

جائز نہیں ہے)عورتوں کیلئے خاص ہے،اس میں مرد داخل نہیں ہیں جیسا کہ اصولیین کے یہاں مشہور ہے۔(۱)

(۲) اللہ کے نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں بہت سے ایسے لوگ فوت ہوئے جن سے نبی ﷺ محبت کرتے تھے جیسے آپ کے صاحبزادے ابراہیم، اور شہداء بدر وغیرہ، لیکن ان میں سے کسی پر بھی آپ نے سوگ نہیں کیا اور نہ مردوں کو اس کی رہنمائی کی جیسا کہ عورتوں کی رہنمائی کی اور ان کے حق میں قواعد بیان کئے۔ اگر مردوں کیلئے سوگ مشروع ہوتا تو آپ ضرور اس کی وضاحت کرتے۔(۲)

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر بھلائی کی طرف سب سے زیادہ سبقت کرنے والے تھے اور عام عورتوں کے مقابلہ میں نبی سے سب سے زیادہ قریب بھی تھے۔ تو اگر سوگ مردوں کے حق میں بھی مشروع ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے توقف نہ کرتے۔

(۱) دیکھئے: شرح الکوکب المنیر: ۳/ ۲۳۴

(۲) الامداد باحکام الحداد(ص: ۴۹)

دوسرا مطلب

میت پر عورت کا سوگ

اولاً: عورت کا اپنے شوہر پر سوگ : اکثر علماء کے یہاں متوفی عنہا زوجہا پر شوہر کا سوگ چار مہینہ دس دن واجب ہے نیز یہی ائمہ اربعہ کا بھی مذہب ہے۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾(البقرہ:۲۳٤)

''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں۔ پھر جب عدت ختم کر لیں تو جو اچھائی کے ساتھ وہ اپنے لئے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل پر باخبر ہے''۔

وجہ استدلال: اس آیت سے معلوم ہوا کہ متوفی عنہا زوجہا پر عدت کے ایام (چار مہینہ دس دن) میں سوگ واجب ہے یعنی اس کیلئے زیب وزینت اور پیغام نکاح وغیرہ ممنوع ہے اور جب عدت ختم ہو جائے تو زیب وزینت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ پیغام نکاح دینے میں کوئی حرج ہے۔(۱)

(۲) حضرت ام حبیبہ سے روایت ہے کہ جب آپ کے والد ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو آپ نے تیسرے دن صفرہ (خوشبو) منگوا کر اپنے دونوں رخساروں اور بازوؤں پر ملا اور فرمایا کہ مجھے اس وقت اس خوشبو کے استعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میں نے نبی کریم ﷺ

(۱) دیکھئے: تفسیر البغوی: ۱/۲۱۳، تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۸۷

سے یہ نہ سنا ہوتا کہ کوئی بھی عورت جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کے سوا کسی کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے اور شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن کرے۔ (۱)

اللہ کے نبی ﷺ کا قول: "لا یحل" (جائز نہیں ہے) شوہر کے علاوہ کے سوگ پر حرمت کی دلیل ہے نیز مدت مذکورہ میں شوہر کا سوگ منانا بیوی پر واجب ہے، اس پر بھی آپ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ (۲)

(۳) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ جب ان کے بھائی کی وفات کی خبر ان کو ملی تو خوشبو منگا کر لگایا اور کہا کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی بھی عورت جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے شوہر کے سوا کسی مردے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے۔ ہاں شوہر پر چار مہینہ دس دن تک سوگ منائے گی۔ (۳)

امام نووی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ معتدہ جس کا شوہر انتقال کر گیا ہے، پر سوگ واجب ہے۔ لہٰذا ہر معتدہ عن وفات پر سوگ واجب ہوگا، چاہے وہ عورت مدخول بہا ہو یا نہ ہو۔ (۴)

ثانیا: عورت کیلئے شوہر کے علاوہ کا سوگ: عورت کیلئے شوہر کے علاوہ اپنے عزیز کا سوگ منانا جائز ہے جیسے باپ بھائی وغیرہ کی وفات پر تین دن تک سوگ منانا جائز ہے، تین دن سے زیادہ حرام ہے۔

دلائل: (۱) ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کوئی بھی عورت جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے شوہر کے سوا کسی مردے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے۔ ہاں شوہر پر چار مہینے دس دن تک سوگ منایا جائے۔ (۵)

---

(۱) صحیح بخاری: ۱ / ۳۸۲، ح: ۱۲۸۰، صحیح مسلم: ۲ / ۱۱۲۳، ح: ۱۴۸۶

(۲) دیکھئے: فتح الباری: ۹ / ۴۸۵

(۳) صحیح بخاری: ۱/ ۳۸۲، ح:۱۲۸۲، صحیح مسلم: ۲ / ۱۱۵۴، ح: ۱۴۸۷

(۴) شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۰ / ۱۱۲

(۵) صحیح بخاری: ۱/ ۳۸۲ ح: ۱۲۸۱، صحیح مسلم (۲/ ۱۱۲۳) (ح:۱۴۸۶)

(۲) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ جب ان کے بھائی کی وفات کی خبران کو ملی تو خوشبو منگا کر لگایا اور کہا کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی بھی عورت جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے شوہر کے سوا کسی مردے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے۔ ہاں شوہر پر چار مہینہ دس دن تک سوگ منانا جائز ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دونوں حدیثوں پر بحث کرتے ہوئے کیا ہی بہترین بات کہی ہے کہ اس سے شوہر کے علاوہ پر سوگ کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، قربت وغیرہ کے لحاظ سے۔ تین دن نہ کہ اس سے زیادہ لہٰذا اس سے زیادہ حرام ہے۔ گویا یہ مقدار مباح کی گئی ہے، حظ نفس اور اس کی رعایت کرتے ہوئے اور طبیعت بشری کے غلبہ کی وجہ سے۔

اسی لیے، ام حبیبہ اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما نے اس لئے خوشبو لگائی تا کہ سوگ کے (عہد) سے نکل جائیں نیز ہر ایک نے صراحت بھی کر دی کہ انہیں خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ ان کے حزن کے آثار باقی ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بجا آوری بھی ضروری ہے۔(۲)

(۳) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ان کے لڑکے کی وفات ہوئی تو تیسرے دن صفرہ منگایا اور اپنے جسم پر اسے ملا اور فرمایا: ہمیں شوہر کے علاوہ کے سوگ سے تین دن سے زیادہ سے منع کیا گیا ہے۔(۳)

خلاصہ: سوگ مردوں کے حق میں حرام ہے۔ بیویوں کے حق میں واجب ہے۔ عورت کے حق میں کسی عزیز کے انتقال پر عام طور پر جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ تین دن سے زیادہ نہ ہو۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۳۸۲، ح:۱۲۸۲، صحیح مسلم (۲/۱۱۵۴) (ح:۱۴۸۷)

(۲) فتح الباری: ۹ / ۴۸۷

(۳) صحیح بخاری: ۱ / ۳۸۲، ح: ۱۲۷۹

چھٹی فصل

زکاۃ، روزہ اوراعتکاف کے بارے میں

اس میں تین مباحث ھیں:

پہلی بحث : مال کی زکاۃ

دوسری بحث : نفلی روزے

تیسری بحث : اعتکاف

پھلی بحث

مال کی زکاۃ کے بارے میں

اس میں دو مطالب ھیں:

پہلامطلب : شوہرکااپنے مال کی زکاۃ اپنی بیوی کودینا

دوسرامطلب : بیوی کااپنے مال کی زکاۃ شوہرکودینا

پهلا مطلب

شوہر کا اپنے مال کی زکاۃ اپنی بیوی کو دینا

شوہر کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنے مال کی زکاۃ اپنی محتاج (ضرورتمند) بیوی کو دے کیونکہ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔

ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ شوہر اپنی زکاۃ اپنی بیوی کو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس کا خرچ خود اسی کے ذمہ ہے اور شوہر کی مالداری سے بیوی بھی مالدار ہے اور مالدار کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔(۱)

دلائل: (۱) بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔

(۲) شوہر زکاۃ کا مال اپنی بیوی کو نہیں دے سکتا کیونکہ مال کے نفع میں دونوں شریک ہیں۔(۲)

(۳) اس سے حیلہ کا دروازہ مکمل طور پر کھل جائے گا کیونکہ بسا اوقات شوہر بیوی کا واجب نفقہ کم کردے گا اور اس کے بدلہ میں زکاۃ دے دے گا۔لہٰذا سد ذرائع کیلئے منع کیا گیا ہے۔

(۴) اپنے مال کی زکاۃ بیوی کو نہیں دے گا کیونکہ بیوی اپنے اس نفقہ کی وجہ سے جو شوہر پر واجب ہے زکوۃ کے مال سے بے نیاز ہے۔(۳)

لہٰذا زکاۃ کا مال بیوی کو دینا جائز نہ ہوگا۔(۴)

---

(۱) الاجماع، ص: ۴۶

(۲) دیکھئے: شرح فتح القدير: ۲ / ۲۷۰، تفسیرِ قرطبی (۹۹/۲۰) اور الأم (۸۰/۲)

(۳) دیکھئے :الام: ۲ / ۸۰

(۴) دیکھئے :المغنی: ۲ / ۶۴۹

دوسرا مطلب

بیوی کا اپنے مال کی زکاۃ شوہر کو دینا

علماء کے مختلف اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ بیوی کیلئے جائز ہے کہ اپنے مال کی زکاۃ اپنے محتاج شوہر کو دیدے۔ شوافع، حنفیہ میں ابو یوسف ومحمد، ثور، مالکیہ میں قاضی عبدالوہاب، ابن منذر اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے۔

دلائل: (ا) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ﴾ (التوبہ: ٦٠)

''صدقات فقراء اور مساکین کیلئے ہے''۔

وجہ استدلال: آیت اپنے عموم کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیوی کا اپنے مال کی زکاۃ اپنے شوہر کو دینا جائز ہے۔ اگر شوہر ان مصارف میں سے کسی مصرف کے ضمن میں آتا ہو جن کا ذکر آیت کریمہ میں ہے اور شوہر کو مستثنیٰ کرنے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب کہتی ہیں کہ میں مسجد میں تھی، رسول اللہ ﷺ کو میں نے دیکھا، آپ یہ فرما رہے تھے، صدقہ کرو، خواہ اپنے زیور ہی میں سے دو، اور زینب اپنا صدقہ اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن مسعود اور چند یتیموں پر بھی جو ان کی پرورش میں تھے خرچ کیا کرتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے خاوند سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے پوچھئے کہ کیا وہ صدقہ بھی مجھ سے کفایت کرے گا جو میں آپ پر اور ان چند یتیموں پر خرچ کروں جو میری سپردگی میں ہیں۔ لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم خود جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لو۔ آخر میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت میں نے آپ کے دروازے پر ایک انصاری خاتون کو پایا، جو میری ہی جیسی ضرورت لیکر موجود تھیں۔ پھر ہمارے سامنے سے بلال رضی اللہ عنہ گذرے، تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیجئے کہ کیا وہ صدقہ مجھ سے کفایت

کرے گا جسے میں اپنے شوہر اور اپنے زیر تحویل چند یتیم بچوں پر خرچ کر دوں۔ ہم نے بلال رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا کہ ہمارا نام نہ لینا، وہ اندر گئے اور آپ سے عرض کیا کہ دو عورتیں مسئلہ دریافت کرتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ دونوں کون ہیں؟ بلال نے کہہ دیا کہ زینب نام کی ہیں۔ آپ نے فرمایا: کون سی زینب؟ بلال نے کہا: عبداللہ بن مسعود کی بیوی۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں بے شک درست ہے اور انہیں دوگنا ثواب ملے گا ایک قرابت داری کا اور دوسرا خیرات کرنے کا۔(۱)

وجہ استدلال: حضرت زینب کے قول: ''أیجزی عنی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے فرض کا صدقہ (زکوۃ واجبہ) مراد ہے کیونکہ نفلی صدقہ بالاتفاق جائز ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علماء نے حدیث میں حضرت زینب کے قول "أیجزی عنی" کو صدقۂ واجبہ پر محمول کیا ہے۔(۲)

(۳) شوہر کا نفقہ بیوی پر واجب نہیں ہے۔ لہٰذا جب شوہر کی حیثیت اجنبی کی ہوگئی تو اب اس کو زکاۃ دینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کیونکہ ہر وہ شخص جس کا نفقہ کسی حال میں واجب نہ ہو تو اس کو زکاۃ دینا جائز ہے۔(۳)

(۴) بیوی کو اپنے مال کی زکوۃ شوہر کو دینے سے کوئی نص منع نہیں کرتی اور نہ اس پر اجماع ہی وارد ہے۔ لہٰذا اصل یہ ہے کہ شوہر کو زکوۃ دینا جائز ہے کیونکہ شوہر آیت میں ذکر کردہ آٹھوں اصناف کے عموم میں داخل ہے۔(۴)

خلاصہ: شوہر کیلئے جائز نہیں ہے کہ زکاۃ کا مال اپنی محتاج بیوی کو دے لیکن بیوی کیلئے اپنے مال کی زکاۃ شوہر کو دینا جائز ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/ ۴۳۸، ح: ۱۴۶۶، صحیح مسلم: ۲/ ۶۹۴، ح: ۱۰۰۰، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

(۲) فتح الباری: ۳/ ۳۳۰

(۳) دیکھئے: الاشراف للقاضی عبدالوھاب: ۱/ ۱۹۲

(۴) دیکھئے: المغنی: ۲/ ۶۵۰

دوسری بحث

نفلی روزہ

اولاً: بیوی کا نفلی روزہ رکھنا: نفلی روزہ کیلئے بیوی کو شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے۔ یہ ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شوہر کی موجودگی میں بغیر اس کی اجازت کے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کیلئے نفلی روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے جائز نہیں ہے جبکہ شوہر موجود ہو۔(۱)

دلائــــل: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت کیلئے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ جائز نہیں ہے جبکہ شوہر حاضر ہو۔(۲)

فوائد حدیث: نیکی کے اعتبار سے شوہر کا حق نفل عبادات سے بڑھ کر ہے کیونکہ شوہر کا حق واجب ہے اور واجب کی تعمیل نفل کی تعمیل سے مقدم ہے۔

(۲) اور مسلم میں یہ حدیث ''نہی'' کے لفظ سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت شوہر کی موجودگی میں بغیر اس کی اجازت کے روزہ نہ رکھے۔(۳)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب شوہر اپنے شہر یا گاؤں میں نہ ہو تو نفل روزہ بیوی کیلئے بلا اختلاف جائز ہے۔ حدیث کے مفہوم کی وجہ سے اور نہی کے معنی ختم ہونے کی وجہ سے۔(۴)

---

(۱) شرح صحیح مسلم للنووی: ۸/ ۲۲

(۲) صحیح بخاری: ۳/ ۱۶۷۲، ح: ۵۱۹۵

(۳) صحیح مسلم: ۲/ ۷۱۱، ح: ۱۰۲۶

(۴) المجموع: ۶/ ۴۱۹

(۳) ایک دوسری حدیث میں: "غیر شهر رمضان" ''ماہ رمضان کے علاوہ کی زیادتی'' آیا ہے کہ ''ماہ رمضان کے علاوہ کسی بھی دن کا روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی نہیں رکھے گی جبکہ شوہر موجود ہو۔''(۱)

وجه استدلال: ماہ رمضان کے روزہ کو اجازت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور جو اس کے علاوہ ہو وہ اصل حالت پر باقی رہے گا اور وہ ہے شوہر کی اجازت۔

ثانیا:

شوهر کا نفل روزه رکهنا: اگر شوہر نفل روزہ رکھنا چاہے تو بیوی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ خود اسی کے ذمہ ہوگا کہ چاہے تو روزہ رکھے یا نہ رکھے۔ اس میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہ اس بات کے موافق ہے کہ اللہ نے مرد کو عورت پر قوام بنایا ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے کہ بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد ہی نان نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہاں پر یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ اس میں قریب و بعید کسی بھی صورت میں عورت کی عزتِ نفس میں کمی کرنا مقصود نہیں ہے۔ ہر کسی کی اپنی زندگی میں الگ اہمیت ہے اور ہر ایک کو جس مقصد کے تحت پیدا کیا گیا ہے، وہی اس کے لیے آسان بھی بنایا گیا ہے ورنہ پھر مرد عورت سے مہر اور نفقہ کا مطالبہ کرنے لگیں گے!

---

(۱) سنن ترمذی: ۳/ ۱۵۱، ح: ۷۸۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح سنن الترمذی" (۴۱۲/۱) میں حدیث نمبر (۷۸۲) کے تحت اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تیسری بحث

اعتکاف

اولاً: شوہر کا اعتکاف: شوہر بغیر بیوی کی اجازت کے اعتکاف کرسکتا ہے۔ کسی بھی عالم نے یہ نہیں کہا کہ شوہر کے اعتکاف کیلئے بیوی کی اجازت ضروری ہے۔ اعتکاف سنت ہے حنفیہ، شافعیہ حنابلہ اور مالکیہ میں ابن عربی کے نزدیک۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً وَاتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ (البقرہ:۱۲۵)

''ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک صاف رکھو''۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دیدی۔ پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج نے اعتکاف کیا۔[۱]

ثانیا: بیوی کا اعتکاف: بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہیں کرسکتی۔ ائمہ اربعہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے جبکہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو اعتکاف مکمل کرنے سے روک دے جبکہ بیوی نے اس کی اجازت سے نفل اعتکاف کیا ہو۔ اسی کے قائل امام شافعی اور احمد ہیں۔

شوہر کی اجازت کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ماقبل میں گذر چکی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کیلئے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔[۲]

(۱) صحیح بخاری: ۲/ ۷۱۴، ح: ۲۰۲۶، صحیح مسلم: ۲/ ۸۳۱، ح: ۱۱۷۲

(۲) صحیح بخاری (۳/ ۱۶۷۲) (ح: ۵۱۹۵)

وجہ استدلال: بیوی کے اعتکاف کا ضرر شوہر پر روزہ کے ضرر سے بڑھا ہوا ہے۔[۱]

(۲) بیوی سے استمتاع شوہر کی ملک ہے۔لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر اس کو ختم کرنا جائز نہیں ہے۔[۲]

(۳) بیوی کے ذمہ اپنے شوہر کی اطاعت واجب ہے اور نفل اعتکاف کو حق واجب پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔

بیوی کے اعتکاف کو توڑ دینے کی دلیلیں: (۱) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا تذکرہ کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ سے اجازت مانگی۔ آپ نے انہیں اجازت دیدی، پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ان کے لئے بھی اجازت لے دیں، چنانچہ انہوں نے ایسا کردیا۔ جب زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما نے دیکھا، تو انہوں نے بھی خیمہ لگانے کے لئے کہا، اور ان کے لئے بھی خیمہ لگا دیا گیا۔ انہوں نے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے بعد اپنے خیمے میں تشریف لے جاتے، آج آپ کو بہت سے خیمے دکھائی دیئے تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عائشہ، حفصہ اور زینب رضی اللہ عنھن کے خیمے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ بھلا کیا ان کی ثواب کی نیت ہے؟ اب میں بھی اعتکاف نہیں کروں گا۔ پھر جب ماہ رمضان ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے شوال میں اعتکاف کیا۔[۳]

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کو اعتکاف کی اجازت دی، پھر اپنی اجازت سے رجوع کرلیا۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کا اعتکاف صحیح ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ان کو اعتکاف کی اجازت دی تھی اور پھر کسی عارض کی وجہ سے منع کردیا۔ اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اگر بیوی نے اعتکاف کیا ہے تو شوہر اس کو منع بھی کرسکتا ہے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔[۴]

---

(۱) دیکھئے: الفروع (۳/۱۴۹)

(۲) المہذب مع المجموع (۶/۴۷۶)، بدائع الصنائع (۲/۱۰۸)، المغنی (۳/۲۰۷)

(۳) صحیح بخاری: ۲/۲۰۷، ح: ۲۰۴۵، صحیح مسلم: ۲/۸۳۱، ح: ۱۱۷۳، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

(۴) شرح صحیح مسلم للنووی: ۸/ ۶۹-۷۰

(۲) علماء کے صحیح قول کے مطابق نفل اعتکاف کرنے والے کیلئے بضرورت اعتکاف (ختم) توڑ دینا بھی جائز ہے۔ باوجود یہ کہ اعتکاف توڑنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ تو شوہر کی اجازت سے نفلی اعتکاف کرنے والی بیوی کو تو بدرجہ اولیٰ اعتکاف ختم کرنے کی اجازت ہوگی۔

(۳) جب شوہر کو اعتکاف کرنے والی بیوی سے مجامعت کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کے اعتکاف کو توڑنے میں کچھ خرابیاں لازم آتی ہیں اور اعتکاف کو پورا کرنا حصولِ مصالح کے باب سے ہے اور خرابیوں کو ختم کرنا مصلحتوں کے حصول پر مقدم ہے۔

ثالثا: معتکف کا کسی عذر کی بنا پر اپنے اعتکاف سے نکلنا

(ا) مردوں کے مخصوص عذر: جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے معتکف مرد کا اپنے اعتکاف سے نکلنا واجب ہے نہ کہ عورتوں کیلئے۔ جبکہ ایسی مسجد میں اعتکاف کیا ہو جس میں نماز جمعہ قائم نہ کی جاتی ہو کیونکہ نماز جمعہ مردوں پر واجب ہے نہ کہ عورت پر۔

(ب) عورتوں کے مخصوص عذر: کچھ اعذار ایسے ہیں جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کا اپنی اعتکاف کی جگہ سے نکلنا واجب ہے اور وہ حسب ذیل ہیں:

(ا) حیض ونفاس: جب عورت کو حیض آجائے یا نفاس آجائے تو بالاتفاق ان کا مسجد سے نکلنا واجب ہے کیونکہ ایسی حالت میں مسجد میں ٹھہرنا منع ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: جنبی اور حائضہ کیلئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔[1]

(۲) وفات اور طلاق کی عدت گذارنے کیلئے: معتکف عورت کا شوہر اگر مرجائے تو معتکف (اعتکاف کی جگہ) سے نکلنا اس پر واجب ہے تاکہ اپنے گھر میں طلاق یا وفات کی عدت گذارے کیونکہ شوہر کے گھر میں عدت گذارنا اس پر واجب ہے۔ لہٰذا اعتکاف سے نکلنا اس کیلئے لازم ہوجائیگا جیسے جمعہ کے لئے نکلنا مردوں کے لئے واجب ہے۔ جمہور حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کا یہی مذہب ہے۔

(۱) دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۲/۲۸۴) حدیث نمبر (۱۳۲۷)، اہل علم کے مابین اس کے صحیح، حسن یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے: ابن خزیمہ اور شوکانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، ابن القطان اور زیلعی نے حسن جبکہ بیہقی، ابن حزم، عبدالحق اشبیلی اور البانی رحمہم اللہ أجمعین نے اسے ضعیف گردانا ہے۔

ساتویں فصل

مناسک حج کے بارے میں

اس میں سات مباحث ہیں:

پہلی بحث : عورت کیلئے خاص شرطیں

دوسری بحث : ممنوعات احرام

تیسری بحث : تلبیہ

چوتھی بحث : طواف

پانچویں بحث : سعی

چھٹی بحث : حلق اور تقصیر

ساتویں بحث : مزدلفہ سے روانگی

پہلی بحث

عورت کے لیے خاص شرطیں

اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب : محرم کی شرط

دوسرا مطلب : نفل حج کیلئے شوہر کی اجازت

تیسرا مطلب : طلاق یا وفات کی عدت نہ گزار رہی ہو

پہلا مطلب

محرم کی شرط

حج اور عمرہ جس طرح مردوں پر فرض ہے اسی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے۔اکثر صورتوں میں لیکن چند ایسی چیزوں میں مختلف ہے جو عورتوں کی فطرت اور نسوانی خصوصیات کے مناسب ہیں۔ انہیں میں سے ایک محرم کی شرط بھی ہے، کہ بغیر محرم کے عورت حج نہیں کرسکتی۔

اس مسئلہ میں علماء کے دو اقوال ہیں اور راجح جمہور کا قول ہے کہ عورت پر حج واجب ہونے کیلئے محرم کی شرط ہے یعنی اس عورت پر حج فرض نہیں ہے جس کا کوئی محرم نہ ہو۔حسن بصری، امام نخعی، حنفیہ، حنابلہ، اسحاق، ابن منذر اور امام بغوی اسی کے قائل ہیں۔

دلائل: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی خاتون کیلئے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو، جائز نہیں کہ ایک دن رات کا سفر بغیر کسی ذی رحم محرم کے کرے۔[۱]

وجہ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر محرم کے ایک دن رات کا سفر عورت کیلئے حرام ہے۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنے محرم رشتہ دار کے بغیر سفر نہ کرے اور کوئی شخص کسی عورت کے پاس اس وقت تک نہ جائے جب تک وہاں ذی رحم محرم موجود نہ ہو۔ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں تو فلاں لشکر میں جہاد کیلئے نکلنا چاہتا ہوں لیکن میری بیوی کا ارادہ حج کا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنی بیوی کے ساتھ حج کو جا۔[۲]

---

(۱) صحیح بخاری: ۳۲۶/۱، ح: ۱۰۸۸، صحیح مسلم (۹۷۷/۲) (ح:۱۳۳۹)، الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری: ۵۵۱/۱، ح: ۱۸۶۲، صحیح مسلم (۹۷۸/۲) (ح:۱۳۴۱)، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

وجہ استدلال: اگرمحرم واجب نہ ہوتا تو آپ اس کو جہاد چھوڑ کر حج پر جانے کا حکم نہ دیتے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ بغیر محرم کے عورت کے لئے حج مناسب نہیں ہے نیز فرمایا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ﷺ کہتے کہ اس کو تمہاری کیا ضرورت کیونکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جائے گی اور تم اپنے سفر پر جانے والے ہو۔ اللہ کے نبی ﷺ کے ترک اور آپ کا یہ حکم کہ عورت کے ساتھ وہ حج پر جائیگا، اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے لئے حج درست نہیں بغیر اس کے شوہر کے۔[1]

(۳) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی عورت بغیر ذی محرم کے ہرگز حج نہ کرے۔[2]

وجہ استدلال: عورت کے حج کیلئے محرم شرط ہے بغیر متعینہ مسافت کی تحدید کے کیوں کہ حدیث میں نہی کا صیغہ تحریم کا متقاضی ہے اور اسے پھیرنے والا کوئی سبب بھی یہاں نہیں پایا جاتا۔ لہذا بغیر محرم کے عورت کے لئے حج پر جانا جائز نہیں ہے۔

(۴) بغیر محرم کی عورت پر فتنے کا ڈر ہے اور سفر میں محرم کی ضرورت موکدہ (ضروری) ہے کیونکہ بسا اوقات وہ بیمار ہوسکتی ہے اور یہ کھانے پینے کی چیزوں کے حصول کی ضرورت مند ہے اور اپنے مخصوص امور کی محتاج بھی ہے لہذا وہ مردوں سے اختلاط پر مجبور ہوگی لہذا محرم سے اس کو جائے فرار نہیں۔

---

(۱) دیکھئے: شرح معانی الآثار: ۱/۳۵۸

(۲) رواہ الدار قطنی فی سننه: ۲/ ۲۲۲، ح ۳۰، وقال الالبانی فی " الصحیحة " رجال الدار قطنی ثقات: ۷/ ۱۸۲، ح ۳۰۶۵

دوسرا مطلب

نفل حج کیلئے شوہر کی اجازت

چاروں مذاہب متفق ہیں کہ نفل حج اور عمرہ کیلئے عورت پر شوہر سے اجازت لینا واجب ہے۔ اگر شوہر اجازت دے تو نکلے گی ورنہ نہیں کیونکہ شوہر کا حق واجب ہے اور نفل حج یا عمرہ کے لئے جانا سنت (مندوب) ہے۔

اگر عورت نے بغیر شوہر کی اجازت کے احرام باندھ لیا ہو تو شوہر کیلئے جائز ہے کہ اگر چاہے تو اس کا احرام کھول سکتا ہے، اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔

خلاصہ: مرد فرض اور نفل حج بغیر کسی کی اجازت کے کر سکتا ہے اور عورت اجازت کی محتاج ہے اور بغیر محرم مرد کے وہ حج نہیں کر سکتی برخلاف مرد کے۔

فرض حج کیلئے اجازت ضروری نہیں ہے: واجب عبادات جیسے فرض حج، نماز، روزہ اور کفارات واجبہ وغیرہ کی ادائیگی کیلئے شوہر کیلئے بیوی کو منع کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اللہ کا حق شوہر کے حق سے منافع کے لحاظ سے زیادہ اولیٰ ہے۔ اگر فرائض کی ادائیگی میں شوہر سے اجازت نہ لے تو اس کا یہ عمل شوہر کے حق کی پامالی تصور نہیں کیا جائے گا کیوں کہ ذمہ داری اسی چیز یا عمل سے متعلق ہے جو زیادہ واجب ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا حق جسے ادا کرنا سب واجبات سے زیادہ واجب ہے۔

تیسرا مطلب

عورت طلاق یا وفات کی عدت نہ گزار رہی ہو

علماء اس بات کے قائل ہیں کہ وفات کی عدت گزارنے والی عورت حج کیلئے نہیں نکلے گی۔اسی کے قائل ائمہ اربعہ ہیں اور راجح یہ ہے کہ طلاق بائنہ کی عدت گزارنے والی عورت حج کیلئے بھی نہیں نکلے گی۔ یہ جمہور کا قول ہے اور ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ، مالک اور شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

دلیل: (وفات کی عدت)

اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً﴾(البقرہ:٢٣٤)

''اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں''۔

وجہ استدلال: وفات کی عدت گزارنے والی عورت عدت پوری ہونے سے پہلے حج وغیرہ کیلئے نہیں نکل سکتی۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''تربص'' کے معنی ہیں تأنی اور نکاح سے رکے رہنا اور نکاح والے گھر سے نہ نکلنا۔(١)

(طلاق کی عدت) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي

(١) الجامع لاحکام القرآن :١٧٦/٣

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْراً﴾(الطلاق: ١)

''اے نبی! اپنی امت سے کہو کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں ان کو طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے، ڈرتے رہو، نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں''۔

وجہ استدلال: جب معتدہ کو عدت والے گھر سے نکلنا اور نکالنا حرام ہے تو حج کے سفر کیلئے نکلنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔

آیت کا معنی امام قرطبی رحمہ اللہ یہ بتاتے ہیں کہ یعنی شوہر کے لئے معتدہ کو نکالنا جب تک کہ وہ عدت میں ہے، عدت والے گھر سے جائز نہیں ہے اور شوہر کے حق کی وجہ سے خود ان کا نکلنا بھی ناجائز ہے الا یہ کہ کوئی ناگزیر ضرورت پیش آجائے۔ اگر معتدہ گھر سے نکل گئی تو گنہگار ہوگی اور عدت منقطع نہیں ہوگی۔ (١)

خلاصہ: چونکہ مرد عورت سے مختلف ہے اس لئے کسی بھی وقت حج کیلئے نکل سکتا ہے اور بیوی کو طلاق دینے پر یا بیوی کے مرجانے پر تو مرد پر عدت نہیں ہے اور جہاں تک عورت کا سوال ہے تو طلاق اور وفات ہر دو صورت میں اس پر عدت ہے اور یہ حج کے لیے نکلنے میں مانع ہے۔

---

(١) الجامع لاحکام القرآن: ١٨ / ١٥٤

دوسری بحث

ممنوعاتِ احرام

اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب : مخیط یعنی سلا ہوا کپڑا

دوسرا مطلب : سرکوڈھکنا

تیسرا مطلب : موزوں کو پہننا

پہلا مطلب

سلا ہوا کپڑا پہننا

اولاً: محرم کیلئے سلا ہوا کپڑا پہننے کا حکم

مرد حالت احرام میں سلا ہوا کپڑا نہیں پہنے گا۔لہٰذا قمیص پہننا ان کے لئے جائزنہیں ہے۔ نیز سراویل اور برانس کا استعمال کرنا بھی ناجائز ہے۔اسی طرح ہر وہ کپڑا جو مذکورہ کپڑوں جیسا ہواس کا پہننا جائزنہیں ہے مثلاً جبہ اور ثوب وغیرہ، چاہے سلا ہوا ہو یا ویسا ہی بنا ہوا ہو۔ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کے نزدیک اتفاقی ہے کسی کا بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

دلیــــل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ !محرم کوکس طرح کا کپڑا پہننا چاہئے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نہ کرتا پہنے، نہ عمامہ باندھے، نہ پاجامہ پہنے، نہ باران کوٹ اورنہ موزے لیکن اگراس کے پاس جوتی نہ ہوتو وہ موزے اس وقت پہن سکتا ہے جب ٹخنوں کے نیچے سے ان کوکاٹ لیا ہواوراحرام میں کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس میں زعفران یاورس لگا ہو۔[1]

ثانیا: محرم عورت کا سلا ہوا کپڑا پہننا: عورت اپنے احرام میں سلا ہوا کپڑا پہنے گی لہٰذا اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے پورے جسم کو سلے ہوئے اور غیر سلے ہوئے کپڑے سے ڈھک لے کیونکہ اس کی ہیئت چھپانے پرمبنی ہے بلکہ ضرورۃً اس کے حق میں سلا ہوا کپڑا ہی معتبر ہے۔

اورعورت کو روکا نہیں جائیگا کسی بھی چیز سے سوائے اس کے جوحج سے باہر روکا جاتا تھا۔ مثلاً باریک کپڑے، تنگ کپڑے اورشہرت کے وہ کپڑے جونگاہوں کواپنی طرف متوجہ کرلیتے ہیں۔ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔

دلائــــل: (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے عورتوں کو حالت احرام میں دستانے ،نقاب اور زعفران اور ورس (خوشبو) لگے ہوے کپڑے پہننے سے منع فرمایا اور آپ نے اجازت دی کہ اس کے علاوہ جس رنگ کا کپڑا چاہے پہنے، خواہ وہ معصفر ہو یا خز ہو، جوڑا ہو، یا سراویل ہو، یاقمیص ہو، یا موزہ ہو۔[2]

وجہ استدلال: محرمہ عورت اپنے جسم کو چھپائے گی ہراس کپڑے سے جس کا پہننا اس کے لئے جائز تھا احرام سے پہلے، چاہے وہ کپڑا سلا ہوا ہو یا بنا ہوا یا اس کے علاوہ۔

(۲) ایک عورت نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ محرمہ اپنے احرام میں کیا پہنے گی؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ریشمی، سوتی، رنگا ہوا، اور کڑھی دار کپڑے پہنے گی۔[3]

---

(۱) صحیح بخاری: ۴۶۰/۱، ح: ۱۵۴۲، صحیح مسلم (۸۳۴/۲) (ح: ۱۱۷۷)

(۲) سنن ابو داود: ۱۶۶/۲، ح: ۱۸۲۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح سنن ابی دائود" (۵۱۳/۱) میں حدیث نمبر (۱۸۲۷) کے تحت اسے حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) رواہ البیہقی فی سننہ: ۵۲/۵، رقم: ۸۸۲۱

دوسرا مطلب

سر کا ڈھکنا

اولاً: محرم مرد کا اپنے سر کو ڈھکنا: علماء کا اتفاق ہے کہ محرم کیلئے اپنے سر کو ڈھکنا منع ہے۔ مذاہب اربعہ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے اور ائمہ اربعہ کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دلائل: (۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! محرم کس طرح کا کپڑا پہنے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ کرتا پہنے، نہ عمامہ باندھے، نہ پاجامہ پہنے، نہ باران کوٹ اور نہ موزے۔(۱)

وجہ استدلال: حدیث میں محرم کو عمامہ اور برنس سے سر ڈھکنے سے صراحت کے ساتھ روکا گیا ہے، اور نہی حرمت کی متقاضی ہے۔ لہذا محرم کے لئے سر ڈھکنا حرام ہوگا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھے کہ ایک شخص کی گردن اس کے اونٹ نے توڑ ڈالی۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ انہیں پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیدو اور دو کپڑوں میں کفن دو اور خوشبو نہ لگاؤ، نہ ان کے سر کو ڈھکو۔ اس لئے کہ اللہ تعالی اسے اٹھائے گا اس حالت میں کہ وہ لبیک پکارتا ہوگا۔(۲)

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے محرم کو پورے طور سے ڈھکنے سے منع کیا ہے چاہے مردہ ہو یا زندہ۔

---

(۱) صحیح بخاری: (۱/۴۶۰) (ح:۱۵۴۲)

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۳۷۹، ح: ۱۲۶۷، صحیح مسلم: ۲/ ۸۶۵، ح: ۱۲۰۶

ثانیا: محرم عورت کا سر ڈھکنا : کسی بھی اہل علم نے محرم عورت کو سر کھلا رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ عورت کے لیے اصل یہ ہے کہ چاہے احرام کی حالت میں ہو یا نہ ہو، کسی ایسے آدمی کے سامنے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے، سر کھلا رکھنا جائز نہیں ہے۔

دلائل :

(۱) محرم عورت کے لیے اپنے سر کو ڈھکنا واجب ہے، اس لیے کہ وہ چھپانے کی جگہ ہے اور اس کی دلیلیں بہت ہیں اور اس قدر مشہور ہیں کہ انہیں ذکر کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(۲) کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو حالتِ احرام میں محرم عورت کو سر کھلا رکھنے کو جائز قرار دیتی ہو۔

(۳) ایسی دلیل موجود ہے جو ثابت کرتی ہے کہ عورت کے چہرہ کو کچھ کپڑوں جیسے نقاب اور برقع سے ڈھکنا منع ہے البتہ اوڑھنی سے ڈھکنا حرام نہیں ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: محرم عورت نقاب پہنے اور نہ دستانے۔[(۱)]

☆ انہیں سے مروی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آیا ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، محرم عورت کو حالتِ احرام میں دستانے اور نقاب پہننے سے منع کرتے ہوئے سنا۔[(۲)]

وجہ استدلال: محرم عورت کے لیے حرام ہے کہ شریعت کے منع کردہ کپڑوں، نقاب اور برقع وغیرہ سے اپنے چہرہ کو ڈھانکے اور جس کپڑے سے شریعت نے منع نہیں کیا ہے، اس سے اپنے چہرے کو چھپانا جائز ہے۔

خلاصہ: محرم مرد کے لیے اپنے سر کو کھلا رکھنا واجب ہے جبکہ محرم عورت پر نقاب اور برقع کے علاوہ دوسرے کپڑوں سے اپنے سر اور چہرہ کو ڈھانکنا واجب ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری: (۵۴۲/۱) حدیث نمبر (۱۸۳۸)

(۲) دیکھئے سنن ابو داود (۱۶۲/۲)، حدیث نمبر (۱۸۲۷)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح سنن ابی داود (۵۱۳/۱)، حدیث نمبر (۱۸۲۷)

تیسرا مطلب

موزے پہننا

اولاً : محرم مرد کا موزے پہننا : حالتِ احرام میں مرد کے لیے موزے پہننا جائز نہیں ہے البتہ اگر اس کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزے پہننا جائز ہے۔ چاروں مذاہب کا اس پر اتفاق ہے۔

دلائل : (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حالتِ احرام میں مرد قمیض اور موزے نہیں پہنے گا۔ اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لے لیکن انہیں گھٹنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔[(۱)]

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میدانِ عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے سنا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: جس کے پاس جوتے نہ ہوں، وہ حالتِ احرام میں موزے پہن لے اور جسے لنگی میسر نہ ہو، وہ پائجامہ پہن لے۔[(۲)]

ثانیاً: محرم عورت کا موزے پہننا: علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ محرم عورت کے لیے موزے پہننا جائز ہے کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کے پاؤں اعضاء مستورہ میں سے ہیں اور جب ایسا ہے تو اس کے لیے کیوں کر جائز ہوسکتا ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے انہیں کھلا رکھیں؟

دلیل : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کو حالتِ احرام میں دستانے، نقاب اور ایسے کپڑے جن میں زعفران ملا

---

(۱) صحیح بخاری (۱/۴۶۰)، حدیث نمبر (۱۵۴۲)، صحیح مسلم (۲/۸۳۴)، حدیث نمبر (۱۱۷۷)

(۲) صحیح بخاری (۱/۵۴۷)، حدیث نمبر (۱۸۴۱)

ہو، پہننے سے منع کرتے ہوئے سنا۔ ان کے علاوہ جو کپڑے اسے پسند ہوں خواہ زرد رنگ سے رنگائے ہوئے ہوں یاریشم ہو یا کڑھی دار کپڑا ہو یا پائجامہ یا قمیض یا موزے ہوں، سب پہن سکتی ہے۔[1]

اس حدیث سے بالکل واضح ہے کہ محرم مرد کے لیے موزے پہننا جائز نہیں ہے البتہ اگر اسے جوتے میسر نہ ہوں تو جائز ہے اور محرم عورت کے لیے، اگر چہ اس کے پاس جوتے ہوں، موزے پہننا جائز اور درست ہے۔

تیسرا مطلب

تلبیہ

اولاً : مرد کا تلبیہ پڑھنا : مرد کا اونچی آواز میں تلبیہ پڑھنا سنت ہے۔ عام اہل علم جن میں مذاہبِ اربعہ بھی شامل ہیں، کی رائے یہی ہے۔

دلائل : (۱) خلاد بن سائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ وہ اونچی آواز میں تہلیل اور تلبیہ پڑھیں۔[2]

وجہ استدلال: اونچی آواز میں تلبیہ پڑھنا مرد کے ساتھ خاص ہے کیوں کہ حدیث میں وارد لفظ ''أَصْحَابِی'' سے مراد مرد ہی ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی اور میں نے تمام لوگوں کو حج وعمرہ میں بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا۔[3]

---

(۱) سنن ابی داود (۱۶۶/۲)، حدیث نمبر (۱۸۲۷)، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) سنن الترمذی (۱۹۱/۳) حدیث نمبر (۸۲۹)، علامہ البانی نے اسے ''صحیح سنن ابی داود'' (۲۳۳/۱) میں حدیث نمبر (۸۲۹) کے تحت صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) بخاری (۴۶۱/۱) حدیث نمبر (۱۵۴۸)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں جمہور کے لیے دلیل ہے کہ تلبیہ میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔[1]

(۳) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا حج افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تلبیہ میں آواز بلند کرنا اور قربانی کا خون بہانا۔[2]

(۴) ابن ابی شیبہ اپنی سند سے بکر بن عبداللہ المزنی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ (حج میں) تھا۔ انہوں نے اتنی بلند آواز سے تلبیہ پڑھا کہ دو پہاڑوں کے درمیان موجود تمام لوگوں نے اسے سن لیا۔[3]

(۵) ابن ابی شیبہ نے مطلب بن عبداللہ کی حدیث اپنی سند سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اونچی آواز میں تلبیہ پڑھتے تھے جس کی وجہ سے ان کی آواز پھٹ جایا کرتی تھی۔[4]

ثانیاً : عورت کا تلبیہ پڑھنا : حج میں تلبیہ پڑھنے کے بارے میں وارد عموم اور مناسکِ حج میں داخل ہونے کی نیت کر لینے پر عورت تلبیہ پڑھے گی اور اس کے تلبیہ میں معتبر یہ ہے کہ خود اپنی آواز سن لے اور اپنی آواز بلند نہ کرے۔ یہی رائے جمہور علماء کی ہے جس میں ائمہ اربعہ شامل ہیں۔

دلائل : (۱) مؤطا میں ہے کہ عورت کے لیے تلبیہ میں آواز بلند کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے لیے بس خود کو اپنی آواز سنا دینا کافی ہے کیوں کہ اس کی آواز میں فتنہ کا ڈر ہے۔[5،6]

---

(۱) دیکھئے: فتح الباری (۴۰۸/۳)

(۲) سنن الترمذی (۱۸۹/۳)، حدیث نمبر (۸۲۷)، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح سنن الترمذی (۴۳۱/۱)، (ح: ۸۲۷)

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۷۳/۳)، حدیث نمبر (۱۰۵۵۷)

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۷۲/۳)، حدیث نمبر (۱۵۰۵۰)، ابن حجر نے "فتح الباری" (۴۰۸/۳) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۵،۶) مؤطا امام مالک (۳۳۴/۱، رقم: ۷۳۷)، زرقانی کی شرح مؤطا (۳۳۴/۲)

(۲) عورت کے تلبیہ میں آواز بلند کرنے میں ثواب سے زیادہ مفاسد ہیں اور مفاسد کو ختم کرنا، حصولِ مصالح پر مقدم ہے۔

(۳) اذان، اقامت اور نماز میں عورت کو تسبیح سے منع کرنے اور تالی بجانے کا حکم دیئے جانے پر قیاس کرتے ہوئے، وہ تلبیہ میں آواز بلند نہیں کرے گی۔ (۱)

خلاصہ : عورت تلبیہ میں اپنی آواز کو پست رکھے گی کیوں کہ اس کی آواز باعثِ فتنہ بن سکتی ہے لیکن مرد بلند آواز سے تلبیہ پڑھے گا کیوں کہ یہی اس کے لیے سنت کے موافق ہے اور یہی دونوں کے تلبیہ میں فرق وامتیاز ہے۔

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہر حالت میں عورت کی حفاظت وصیانت کی ہے اور مردوں کی بھی نگہداشت کی ہے۔ ماہرین تشریح الأبدان کا خیال ہے کہ سننے اور سنانے کے آلات، شہوت کے سامان ہیں۔ (۲)

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ عورت کی آواز میں نرمی اور ملائمت ہوتی ہے جو کبھی کبھی مرد کی شہوت کو برانگیختہ کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اذان اور نماز میں مردوں کی امامت کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہاں بھی تلبیہ میں خود کو سنانے سے زیادہ آواز بلند کرنے سے انہیں روکا گیا ہے۔ یہ بات مردوں پر اتہام طرازی اور عورت کے حسنِ نیت میں شک کی نشتر زنی نہیں بلکہ سد ذرائع اور زیادہ سے زیادہ محتاط طریقے پر عمل کرنا ہے۔ ہر وہ کام جو محرمات کے ارتکاب کا ذریعہ بن سکتا ہے، شریعت نے اس کا دروازہ بند کر دیا ہے جو دراصل شریعت کی عظمت ورفعت ہے۔

---

(۱) المغنی :(۳۳۱/۳)

(۲) وغداً عصر الإیمان: (ص:۲۵)

چوتھی بحث

طواف

اس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

اضطباع

دوسرا مطلب :

رمل

تیسرا مطلب :

کعبہ سے قربت

چوتھا مطلب :

طوافِ وداع

پہلا مطلب

اضطباع

اضطباع کی تعریف : خانہ کعبہ کے طواف کے دوران، چادر کے بیچ کے حصّے کو دائیں بغل کے نیچے رکھنے اور اس کے ایک کنارے کو سینے اور پشت کی طرف سے بائیں کاندھے پر رکھنے کو اضطباع کہتے ہیں۔[1]

اولاً : مرد کے لیے اضطباع کا حکم : راجح موقف یہ ہے کہ طواف کے دوران مرد کے لیے اضطباع سنت ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے اور اس میں حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ شامل ہیں۔

دلائل : (۱) یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرے رنگ کی چادر میں اضطباع کرتے ہوئے طواف کیا۔[2]

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے جعرانہ سے عمرہ کیا تو خانۂ کعبہ کا رمل کیا اور اپنی چادروں کو بغل کے نیچے رکھا اور اسے اپنے بائیں کاندھوں پر پھینک رکھا تھا۔[3]

وجہ استدلال : دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے طواف میں اضطباع کیا تو طواف میں مرد کے لیے اضطباع کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) دیکھئے: عون المعبود (۲۳۲/۵)، تحفته الأحوذی (۵۰۲/۳)

(۲) سنن ابی داود (۱۷۷/۲)، (ح:۱۸۸۳)، اسے علامہ البانی نے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: "صحیح سنن ابی داود" (۵۲۲/۱)، (ح:۱۸۸۳)

(۳) سنن ابی داود (۱۷۷/۲)، (ح:۱۸۸۴)، علامہ البانی نے اسے بھی "صحیح سنن ابی داود" (۵۲۲/۱) میں حدیث نمبر (۱۸۸۴) کے تحت صحیح قرار دیا ہے۔

ثانیا : عورت کے لیے اضطباع کا حکم : ایک بھی اہلِ علم ایسا نہیں ملتا جس نے عورت کے لیے اضطباع کو مشروع قرار دیا ہو۔ بلکہ بہت سارے اہلِ علم نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ عورت کے لیے اضطباع مشروع نہیں ہے۔

دلائل : (۱) جب عورت اضطباع کرے گی تو اس کا دایاں ہاتھ اور دایاں کاندھا کھل جائیں گے جو اس کے لیے حرام ہے۔ اس لیے عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی لیے اس کے لیے حالتِ احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا مشروع کیا گیا ہے۔

(۲) اضطباع، قوت و طاقت کے مظاہرہ کے لیے مشروع کیا گیا ہے جو عورت سے مطلوب نہیں ہے۔

(۳) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی سے اور نہ ہی صحابہ کرام کی بیویوں سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے اضطباع کیا ہو، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اضطباع عورتوں کے لیے مشروع نہیں ہے۔

خلاصہ : حالتِ اضطباع میں طواف کرنا، مرد کے لیے ثابت شدہ سنت ہے اور عورت کے لیے یہ مشروع نہیں بلکہ حرام ہے۔ کوئی ایسی واضح شرعی دلیل موجود نہیں جس میں عورت کو اضطباع سے منع کیا گیا ہو، یہ اس لیے ہے کہ یہ عورتوں کے پردہ اور جسم کا کوئی عضو ظاہر نہ کرنے کے حکم میں داخل ہے۔ لہٰذا، تکرار کی ضرورت نہیں تھی جو شریعت میں عملاً ثابت ہے۔

دوسرا مطلب

رمل

رمل کی تعریف : رمل کہتے ہیں، قدموں کو قریب قریب اٹھانے اور ڈالنے کے ساتھ ساتھ تیز چلنے اور کاندھوں کو ہلانے کو اور وہ چلنے سے تیز اور دوڑنے سے کم تیز ہوتا ہے۔[۱]

اولاً : مرد کے لیے رمل کا حکم : طوافِ قدوم کے پہلے تین چکروں میں مرد کے لیے رمل سنت ہے۔ چاروں مسالک کا یہی مذہب ہے۔

دلائل : (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ میں طواف کرتے تو سب سے پہلے جب آتے تو تین طواف میں سعی کرتے اور چار چکروں میں عام چال میں چلتے تھے۔[۲]

(۲) انہیں سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ کا پہلا طواف کرتے تو تین چکروں میں رمل فرماتے اور چار بار عام چال میں چل کر طواف کرتے تھے۔[۳]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طواف کے سات چکروں میں سے پہلے تین میں رمل مستحب ہے اور یہ صرف حج اور عمرہ کے ایک طواف میں سنت ہے۔[۴]

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود سے حجرِ اسود تک تین بار رمل کیا اور چار بار عام چال میں چلے۔[۵]

---

(۱) دیکھئے: النهايته فی غريب الحديث : (۲/۲۶۵)

(۲) صحیح بخاری (۱/۴۸۱) حدیث نمبر:۱۲۱۶، صحیح مسلم (۲/۹۲۰)، (ح:۱۲۶۱)

(۳) صحیح بخاری (۱/۴۸۹)، (ح:۱۶۴۴)، صحیح مسلم (۲/۹۲۰)، (ح:۲۱۲۶)

(۴) شرح صحیح مسلم للنووی (۹/۷)

(۵) صحیح مسلم (۲/۹۲۱)، (ح:۱۲۶۲)

وجہ استدلال : یہ ساری حدیثیں مرد کے طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنے کی سنت پر دلالت کرتی ہیں۔

ثانیا : عورت کے لیے رمل کا حکم :

اہلِ علم کا اس بات پر اتفاقِ رائے ہے کہ محرِم عورتوں کے لیے کعبہ کے طواف میں رمل کرنا مشروع نہیں ہے۔ان کے حق میں مشروع یہی ہے کہ وہ تیز نہیں، عام چال میں چلیں گی۔

دلائل : (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے رویت ہے کہ عورتوں کے لیے رمل کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی صفا و مروہ کے درمیان ان کے لیے رمل کرنا درست ہے۔[۱]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس طرح صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا عورتوں کے لیے مشروع نہیں ہے، اسی طرح رمل بھی ان کے لیے مشروع نہیں ہے۔[۲]

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اے عورتوں کی جماعت! کعبہ کے طواف میں تمہارے لیے رمل نہیں ہے۔تمہارے لیے ہمارے اندر نمونہ ہے۔[۳]

(۳) قوت و طاقت کے اظہار کے لیے رمل مشروع کیا گیا ہے اور عورتوں سے یہ مطلوب نہیں ہے بلکہ ان کے لیے تو پردہ مقصود و مطلوب ہے۔[۴]

خلاصہ : مردوں کے حق میں رمل ثابت شدہ سنت ہے اور عورتوں کے لیے مشروع نہیں ہے۔

---

(۱) سنن دارقطنی (۲/۲۹۵)، (رقم:۲۶۵)، اسے عدوی نے "جامع أحکام انساء" (۲/۵۳۰) میں صحیح کہا ہے۔

(۲) شرح صحیح مسلم للنووی : (۹/۷)

(۳) اسے بیہقی نے "الکبری": (۵/۸۴، رقم:۹۰۶۹) میں روایت کیا ہے اور عدوی نے "جامع أحکام النساء" (۲/۵۲۹) میں اسے حسن کہا ہے۔

(۴) دیکھئے : المبسوط:(۴/۳۳)، المبدع : (۳/۲۱۸)

تیسرا مطلب

کعبہ سے قریب ہونا

اس میں کوئی شک نہیں کہ طواف کی حالت میں کعبہ سے قریب ہونا افضل ہے کیوں کہ طواف کا مقصد یہی ہے جس طرح حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور رکنِ ایمانی کا استلام طواف کی مستحب سنتوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے اہلِ علم کا کہنا ہے کہ ہجوم نہ لگاتے ہوئے اور کسی کو تکلیف نہ پہنچاتے ہوئے مردوں کے لیے طواف کی حالت میں کعبہ کے قریب ہونا مستحب ہے اور عورتوں کے لیے مردوں سے دور اور ان سے الگ ہوکر طواف کرنا مستحب ہے۔ ہاں! اگر مرد نہ ہوں یا بہت کم ہوں تو کعبہ کے قریب ہونے، استلامِ رکن اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے میں کوئی رکاوٹ اور حرج نہیں ہے۔ یہی چاروں مسالک کا موقف ہے۔

دلائل: (۱) ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مجھے کچھ پریشانی لاحق ہے تو آپ نے فرمایا: تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے سے طواف کرلو۔ میں نے طواف کیا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے ایک گوشہ میں نماز ادا کررہے تھے جس میں ''**والطور ہ وکتابٍ مسطور**'' (الطّور:۱-۲) تلاوت فرمارہے تھے۔[۱]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو وجوہات کی بنا پر، انہیں لوگوں کے پیچھے سے طواف کرنے کا حکم دیا: (۱) طواف میں مردوں سے دور رہنا، عورتوں کے لیے سنت ہے (۲) ان کے لوگوں سے قریب ہونے میں ان کے سواری کے جانوروں سے لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے اور انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی حالت میں طواف کیا تاکہ زیادہ سے زیادہ پردہ ہوسکے۔[۲]

(۲) ابن جریج کے واسطے سے آیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عطا نے بتایا ہے کہ جب ابن ہشام

(۱) صحیح بخاری (۱/۴۸۱)، (ح:۱۶۱۹)، صحیح مسلم: (۲/۹۲۷، ح:۱۲۷۶)

(۲) شرح مسلم للنووی: (۹/۲۰)

نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے منع کر دیا تو انہوں نے کہا کہ کیسے منع کر دیا جبکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے مردوں کے ساتھ طواف کیا ہے؟ میں نے کہا: حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد یا پہلے؟ انہوں نے کہا: میری عمر کی قسم! حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد اسے دیکھا ہے۔ میں نے کہا: مردوں کے ساتھ کیسے مختلط ہوئیں؟ کہا: وہ مردوں کے ساتھ مختلط نہیں ہوئیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مردوں سے دور ہو کر طواف کرتی تھیں، مختلط نہیں ہوتی تھیں۔ ایک عورت نے ان سے کہا: اے ام المومنین! چلیئے ہم حجرِ اسود کا استلام کریں! انہوں نے کہا: تم جاؤ، اور خود جانے سے انکار کیا اور وہ رات میں پردہ کی حالت میں نکلیں اور لوگوں کے ساتھ طواف کیا۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس سے عورت کے پردہ کی حالت میں طواف کرنے، رات میں طواف کرنے، ازواج مطہرات کی حجاب کی پابندی اور مردوں کے پیچھے سے عورتوں کے طواف کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں ہمیں معلوم ہوتا ہے۔(۲)

(۳) کعبہ سے قریب ہونے، حجرِ اسود کو بوسہ دینے اور رکن یمانی کو چھونے میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ ہجوم لگانے کا ارادہ کرنے میں حاصل ہونے والی مصلحت سے زیادہ گناہ ہے۔ اس لیے عورت اس سنت کو حرام فعل میں واقع ہو جانے کے ڈر سے چھوڑ دے گی جیسے مردوں کا عورتوں کے ساتھ چمٹنا یا حجرِ اسود کو چومتے وقت سر کا مل جانا یا ان کے سروں سے چادر گر جانا بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے، لہٰذا، سنت پر عمل کرنے سے، فعلِ حرام سے بچنا زیادہ اچھا ہے۔(۳)

خلاصہ: جہاں تک ممکن ہو، طواف میں مردوں کے لیے کعبہ سے قریب ہونا مستحب ہے، جبکہ عورتوں کے لیے مردوں سے دور ہو کر طواف کرنا مستحب ہے، یہی دونوں کے درمیان فرق ہے۔

---

(۱) بخاری (۴۸۱/۱، ح:۱۶۱۸)

(۲) دیکھئے: عمدۃ القاری: (۲۶۲/۹)

(۳) دیکھئے: بدائع الصنائع: (۱۴۶/۲)

چوتھا مطلب

طوافِ وداع

عام اہلِ علم کی رائے ہے کہ طوافِ وداع سے پہلے اگر عورت کو حیض آجائے اور روانگی سے پہلے وہ پاک نہ ہوسکے تو اس پر طوافِ وداع نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے وہ رکی رہے گی۔ یہی حکم نفاس والی عورت کے لیے بھی ہے۔

دلائل: (۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں کو حکم دیا گیا (یعنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، دیکھئے: عمدۃ القاری ۱۰/۹۴) کہ ان کا آخری وقت کعبہ کے ساتھ ہو مگر حائضہ عورت کے لیے رخصت ہے۔[۱]

وجہ استدلال: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاج کرام کو طوافِ وداع کرنے کا حکم دیا اور اس سے صرف حائضہ عورتوں کو الگ رکھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حائضہ عورتوں کے علاوہ تمام لوگوں پر طوافِ وداع کے واجب ہونے اور حیض والی عورت سے اس کے ساقط ہونے کی دلیل ہے اور اسے چھوڑنے پر اس پر قربانی کرنا لازم نہیں ہے۔ امام شافعی، مالک، ابوحنیفہ، احمد اور تمام علماء کا یہی موقف ومسلک ہے۔[۲]

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو کوچ کرنے کی رات حیض آگیا تو کہنے لگیں کہ میں صرف تم لوگوں کو روکنے والی ہوں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پگلی کہیں کی! کیا قربانی کے دن طواف کرے گی؟ کہا گیا کہ ہاں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کوچ کرو۔[۳]

---

(۱) بخاری (۱/۵۱۸، ح:۱۷۵۵)، مسلم (۲/۹۶۳، ح:۱۳۲۸)

(۲) شرح مسلم للنووی (۹/۷۸)

(۳) اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور یہاں الفاظ بھی صحیح بخاری کے ہیں، (۱/۵۲۱، ح:۱۷۷۱)، مسلم (۲/۹۶۳، ح:۱۲۱۱)

وجہ استدلال: حیض ونفاس والی عورتوں سے طوافِ وداع ساقط ہے اور مردوں پر واجب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حائضہ پر طوافِ وداع واجب نہیں ہے اور اس کے لیے پاک ہونے تک رکے رہنا بھی لازم نہیں ہے نیز اس کے چھوٹ جانے پر اس کے اوپر قربانی کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ یہی ہمارا اور تمام علماء کا بھی مسلک ہے۔[1]

اس میں حکمت یہ ہے کہ عورت کے لیے رخصت ہے جو اس کے لیے ضروری ہے اور جو محرم اس کے ساتھ ہو، اس کے لیے بھی رخصت ہے۔ اگر اس کے لیے طواف کی خاطر ٹھہرنا واجب کر دیا جائے تو اس سے تمام لوگوں کی پریشانی میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہی شریعتِ مطہرہ کی لوگوں کے ساتھ نرمی ہے اور کیسے نہ ہو؟ جبکہ یہ ہر چیز کی خبر رکھنے والے کی طرف سے نازل کردہ ہے!

---

(۱) شرح مسلم للنووی (۸/۱۵۴)

پانچویں بحث

سعی

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب : صفا ومروہ پر چڑھنا

دوسرا مطلب : دونوں شعائر کے درمیان دوڑنا

پہلا مطلب

صفا ومروہ پر چڑھنا

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سعی کے آغاز میں صفا پر چڑھنا مردوں کے لیے سنت ہے یہاں تک کہ کعبہ کو دیکھ لیں اوراسی طرح، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ دعا کریں اور تکبیر پکاریں۔ پھر مروہ پہاڑی پر بھی وہی عمل کریں جو صفا پر کیا تھا۔ اسی طرح، سعی کے اختتام تک کرتے رہیں۔

ایسا ہی، اس میں بھی کوئی اختلافِ رائے نہیں کہ عورت، مردوں کی موجودگی میں صفا ومروہ پر نہیں چڑھے گی بلکہ اس کے نیچے ٹھہر جائے گی۔

دلائل : (۱) مردوں کے لیے صفا و مروہ پر چڑھنے کی سنت کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی لمبی حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا سے سعی کا آغاز کیا اور اس پر چڑھ گیے یہاں تک کہ کعبہ کو دیکھ لیا۔ پھر قبلہ رخ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی وحدت اور بڑائی بیان کی...پھر مروہ کی طرف اترے یہاں تک کہ جب پیر وادی میں پھسل گیا تو سعی کی۔ پھر جب پیر وادی سے اٹھا تو چلے یہاں تک کہ مروہ پر آگیے اور ویسا ہی کیا جیسا صفا پر کیا تھا۔[۱]

عورت کے لیے صفا و مروہ پر چڑھنے کی عدم سنیت کی دلیلیں درج ذیل ہیں: (۱) عورت صفا و مروہ پر نہیں چڑھے گی تا کہ مردوں کے ساتھ ہجوم نہ ہو۔ یہی اس کے لیے زیادہ پردہ کی بات ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کا صفا و مروہ پر چڑھنا سنت نہیں ہے تا کہ مردوں کے ساتھ بھیڑ نہ لگے اور اسے چھوڑ دینا ہی اس کے لیے زیادہ پردہ کی بات ہے۔[۲]

المدونة الکبریٰ (۱/۴۰۹) میں آیا ہے کہ جب سعی کی جگہ خالی ہو تو اس کے لیے صفا و مروہ پر چڑھنا مستحب ہے یا سعی کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہو تو بھی وہ ایسا کر سکتی ہے۔

(۲) عورتوں کے لیے مردوں سے دور رہنا ہی مشروع ہے اور اس کے مردوں سے دور رہنے کو طواف اور سعی میں صفا و مروہ پر چڑھنے پر قیاس کیا گیا ہے۔[۳]

---

(۱) صحیح مسلم (۲/۸۸۸، ح: ۱۲۱۸)

(۲) دیکھئے: المغنی (۳/۱۹۲)، الباجی کی المنتقیٰ (۲/۲۹۹)، المبدع (۳/۲۲۶)

(۳) دیکھئے: الباجی کی المنتقیٰ (۲/۲۹۹)

دوسرا مطلب

دونوں شعائر کے درمیان دوڑنا

اس بات میں اہلِ علم کے درمیان کوئی اختلافِ رائے نہیں کہ سعی کے چکروں میں سے ہر چکر میں مردوں کے لیے دونوں شعائر کے درمیان تیز چلنا سنت ہے تاکہ اچھی طرح سعی کر لیں۔

دلائل: (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ کا پہلا طواف کرتے تو تین بار تیز چلتے اور چار مرتبہ عام چال میں چلتے تھے اور جب آپ صفا و مروہ کی سعی کرتے تو سیلاب کی جگہ سعی کرتے تھے۔ (۱)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی لمبی حدیث گزر چکی ہے جس میں آیا ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مروہ کی طرف اترے یہاں تک کہ جب وادی میں پیر پھسل گیے تو سعی کی اور جب بلندی پر آئے تو چلے یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آ گیے۔ (۲)

وجہ استدلال: یہاں پر لفظ "سَعیٰ" اور لفظِ "مَشیٰ" میں فرق ہے۔

ثانیا: عورت کے لیے دونوں شعائر کے درمیان دوڑنے کا حکم

عورت کے لیے دونوں شعائر کے درمیان دوڑنا مشروع نہیں ہے۔ اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ سعی میں تیز نہیں، عام چال میں چلے۔ اس پر علماء کا اتفاقِ رائے ہے۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ عورت پر رمل نہیں ہے اور نہ ہی صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ہے۔ (۳)

وجہ استدلال: سعی میں دونوں شعائر کے درمیان دوڑنا، مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس طرح صفا و مروہ کے درمیان عورتوں کے لیے دوڑنا مشروع نہیں ہے، اسی طرح ان کا رمل بھی مشروع نہیں ہے۔ (۴)

---

(۱) بخاری (۴۸۱/۱، ح:۱۶۱۶)

(۲) مسلم (۸۸۸/۲، ح:۱۲۱۸)

(۳) سنن دار قطنی (۲۹۵/۲، نمبر ۲۶۵)، اسے عدوی نے "جامع أحكام النساء" (۵۳۰/۲) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) شرح مسلم للنووی (۷/۹)

چھٹی بحث

سر مونڈوانا اور بال چھوٹے کرنا

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب : سر مونڈوا کر اور بال چھوٹے کروا کر محرم مرد کا حلال ہونا

دوسرا مطلب : بال چھوٹے کرا کے محرم عورت کا حلال ہونا

پہلا مطلب

سر مونڈوا کر اور بال چھوٹے کروا کر محرم مرد کا حلال ہونا

اہلِ علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حج یا عمرہ کے احرام سے حلال ہونے کے لیے محرم مرد کو سر مونڈوانے اور بال چھوٹا کرانے میں اختیار ہے۔ وہ اِن میں سے جو بھی کرے، کافی ہے لیکن سر مونڈوانا افضل ہے۔

دلائل: (۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ تشریف لائے تو جمرہ کے پاس آئے اور اسے پتھر مارا، پھر منیٰ میں اپنی جگہ آئے اور قربانی کی۔ پھر نائی سے کہا: لو، اور اپنے سر کے دائیں جانب اشارہ کیا پھر بائیں جانب اور پھر لوگوں کو (اپنے بال) دینے لگے۔[۱]

(۱) مسلم (۹۴۷/۲، ح: ۱۳۰۵)

وجہ استدلال: اس میں مرد کے لیے سر مونڈ وانے کی مشروعیت کی دلیل ہے کیوں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ ولیہ وسلم نے اپنے حج میں ایسا کیا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابیوں کی جماعت نے سر مونڈ وایا اور کچھ لوگوں نے بال چھوٹے کروائے۔[۱]

وجہ استدلال: مرد کے لیے بال چھوٹے کرانا مشروع ہے کیوں کہ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا کیا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! سر مونڈ وانے والوں پر رحم فرما! لوگوں نے کہا: بال چھوٹے کروانے والوں پر، اے اللہ کے رسول!؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو سر مونڈ وانے والوں پر رحم کر!

لوگوں نے کہا: اور بال چھوٹے کروانے والوں پر اے اللہ کے رسول!؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور بال چھوٹے کروانے والوں پر بھی اے اللہ! تو رحم فرما۔[۲]

---

(۱) بخاری (۱/۵۱۰، ح: ۱۷۲۹)، مسلم (۲/۹۴۵، ح: ۱۳۰۱)

(۲) بخاری (۱/۵۱۰-۵۱۱، ح:۱۷۲۷-۱۷۲۸)، مسلم (۲/۹۴۵-۹۴۶، ح: ۱۳۰۱-۱۳۰۲)

دوسرا مطلب

بال چھوٹے کرا کے محرم عورت کا حلال ہونا

احرام سے حلال ہونے میں محرم عورت، محرم مرد سے الگ ہے، اس لیے کہ اس کے لیے سر کے بالوں کو مونڈ وانا کبھی بھی مشروع نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بال چھوٹے کروانے پر اجماع ہے۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کو سر نہیں مونڈ وانا ہے بلکہ اسے بال چھوٹے کرانا ہے۔ (۱)

وجہ استدلال: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام سے حلال ہونے میں عورت کو سر کے بال مونڈ وانے سے منع کیا ہے اور بال چھوٹے کرانے کا حکم دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معاملے میں بھی عورت کے لیے سر مونڈ وانا جائز نہیں ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کے یہاں اسی پر عمل ہے۔ ان کی رائے ہے کہ عورت کو سر نہیں مونڈ وانا ہے بلکہ بالوں کو چھوٹا کرانا ہے۔ (۲)

عورت کے سر مونڈ وانے میں کئی خرابیاں ہیں جن میں اہم ترین خرابیاں یہ ہیں کہ یہ مثلہ ہے اس لیے کہ عام طور پر جسے مونڈ وایا نہیں جاتا اسے مونڈ وانا، مرد کی داڑھی اور مونچھ مونڈ وانے کی طرح ہے، اس میں مردوں کی مشابہت ہے اور یہ بدعت بھی ہے۔ (۳)

خلاصہ: محرم مرد کو سر مونڈ وانے اور بال چھوٹے کرانے میں اختیار ہے۔ اس پر اتفاق ہے لیکن سر مونڈ وانا افضل ہے اور عورت کے لیے بال چھوٹے کرانا واجب ہے، اس کے لیے سر مونڈ وانا جائز نہیں ہے، اس پر بھی اتفاقِ رائے ہے۔

---

(۱) سنن ابی داود (۲/۲۰۳، ح:۱۹۸۴)، علامہ البانی نے اسے "صحیح سنن ابی داود" (۱/۵۵۵، ح:۱۹۸۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔
(۲) سنن الترمذی (۳/۲۵۷)
(۳) دیکھئے: الباجی کی "المنتقیٰ (۳/۲۹)

ساتویں بحث

مزدلفہ سے روانگی

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب : مزدلفہ سے مردوں کی روانگی

دوسرا مطلب : مزدلفہ سے عورتوں کی روانگی

پہلا مطلب

مزدلفہ سے مردوں کی روانگی

چاروں مذاہب کا اتفاق ہے کہ مردوں کیلئے جنہیں کوئی علت نہ لاحق ہو اور نہ کوئی عذر ہو، سنت یہ ہے کہ مزدلفہ پہنچ کر وقوف کریں طلوع شمس سے پہلے تک۔

دلیل: اللہ کے نبی ﷺ کے حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ: ''...... پھر نبی ﷺ مزدلفہ آئے اور وہاں مغرب اور عشاء ایک ساتھ ایک اذان اور دو اقامت سے ادا فرمائی، اور ان دونوں کے درمیان کوئی نفل وغیرہ نہیں پڑھی، پھر نبی

ﷺ لیٹ گئے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی۔ آپ اٹھے اور نماز فجر ادا کی جبکہ صبح خوب روشن ہو چکی تھی ایک اذان اور ایک اقامت سے۔ پھر آپ قصواء (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام) پر سوار ہوکر مشعر الحرام آئے، وہاں قبلہ رخ کھڑے ہوکر دعاء اور تکبیر وتہلیل میں لگ گئے اور بہت دیر تک اس میں مشغول رہے یہاں تک صبح خوب روشن ہوگئی، پھر آپ نے سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے کوچ کر دیا۔ (۱)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ مزدلفہ میں نماز فجر کی ادائیگی تک ٹھہرا جائے الا یہ کہ کمزور ہوں، چنانچہ ان کیلئے فجر سے پہلے ہی مزدلفہ سے چلے جانا سنت ہے۔ (۲)

شاھد: جن لوگوں کو کوئی عذر نہ ہو انہیں فجر کی نماز سے پہلے مزدلفہ سے نکلنا درست نہیں ہے، الا یہ کہ مریض ہو یا حاجیوں کے انتظام وانصرام کرنے والا ہو، تو اس کیلئے فجر سے پہلے بھی نکلنا جائز ہے۔

---

(۱) مسلم (۲/۸۸۸، ح:۱۲۱۸)

(۲) صحیح مسلم بشرح النووی: ۸/۱۸۹

دوسرا مطلب
مزدلفہ سے عورتوں کی روانگی

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتیں چاند ڈوب جانے کے بعد مزدلفہ سے کوچ کرنے میں جلدی کریں گی، اگر چہ انہیں کوئی عذر یا علت مثلاً بیماری وغیرہ نہ ہوتا کہ آرام سے وہ مزدلفہ پہونچ جائیں، اور مردوں کی بھیڑ بھاڑ کے بغیر جمرۂ عقبہ کی رمی کرلیں۔

دلائل: (۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جنہیں نبی کریم ﷺ نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کے ساتھ مزدلفہ کی رات ہی میں منی بھیج دیا تھا۔ (۱)

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کمزوروں اور عورتوں کو مزدلفہ سے جلد چلے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ اس سلسلہ میں کسی عالم کا اختلاف ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا ان کے حق میں نرمی اور رفق ہے، اور بھیڑ بھاڑ کی تکلیف سے ان کو دور کرنا ہے، نیز ایسا کرنا نبی کریم ﷺ کے فعل کی اقتداء بھی ہے۔ (۲)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ جب ہم نے مزدلفہ میں قیام کیا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو لوگوں کے ہجوم سے پہلے روانہ ہونے کی اجازت دے دی تھی، وہ بھاری بھرکم بدن کی خاتون تھیں، اس لئے آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ ازدہام سے پہلے روانہ ہوگئیں۔ لیکن ہم لوگ وہیں ٹھہرے رہے اور صبح کو آپ کے ساتھ گئے، اگر میں بھی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح آپ سے اجازت لیتی تو مجھ کو تمام خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا۔ (۳)

---

(۱) بخاری: ۱/ ۴۹۷، ح: ۱۶۷۸، و مسلم: ۲/ ۹۴۱، ح: ۱۲۹۳
(۲) دیکھئے: المغنی: ۳/ ۲۱۵
(۳) بخاری: ۱/ ۴۹۸، ح: ۱۶۸۱، و مسلم: ۲/ ۹۳۹، ح: ۱۲۹۰

وجہ استدلال : دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عورتیں مزدلفہ سے مردوں سے پہلے کوچ کر جائیں گی، ان شرعی مقاصد کے پیش نظر جو شریعت نے عورتوں کی حفاظت کے حق میں کیا ہے، اور یہی مناسب بھی ہے۔ نیز ایسا کر کے ہم عورتوں کو مردوں کی بھیڑ سے دور رکھ سکتے ہیں۔

ماقبل میں گذری وضاحت سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں سے متعلق بہت سے شرعی احکام میں تخفیف رکھی ہے، ان کی طبعی خلقت کی رعایت کرتے ہوئے، نیز اس لئے بھی کہ عورتیں کمزور ہوتی ہیں، اس طرح اسلام نے ان کی بہت زیادہ حفاظت کی ہے، اور مردوں کی بھیڑ بھاڑ سے انہیں دور رکھا ہے۔ مذکورہ منطق (حکمت) کی بنیاد پر ہم کسی بھی ایسے عالم سے واقف نہیں جس نے، چاند ڈوب جانے کے بعد عورتوں کے مزدلفہ سے جلد چلے جانے کے سلسلہ میں اختلاف کیا ہو، اگرچہ عورت مریض نہ ہو یا کوئی اور عذر نہ ہو، تاکہ وہ آرام سے منی پہونچ جائے اور بغیر مردوں کی بھیڑ بھاڑ کے جمرۂ عقبہ کی رمی کر لے۔[1]

---

(۱) دیکھئے: حقوق المرأة فی ضوء السنة النبوية : (ص:۲۳۰)

آٹھویں فصل

عقیقہ کے بارے میں

عقیقہ کی تعریف: وہ بکری (جانور) جومولود کی پیدائش کے ساتویں روز بچہ یا بچی کی طرف سے ذبح کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے جو اولاد کی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔ یہ قربانی بطور شکر کے ہے۔

بچہ اور بچی کے عقیقہ میں فرق: عقیقہ مستحب ہے اور مولود کی طرف سے سنت موکدہ ہے۔ مذکر ومونث کا اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ فرق مذبوح کی تعداد میں ہے کہ بچہ کی طرف سے دو بکرے اور بچی کی جانب سے ایک بکری۔ نصوص ثابتہ سے یہی ثابت ہے، اور امام شافعی اور احمد وغیرہ کا یہی قول ہے۔

دلائل: (۱) ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: بچہ کی طرف سے دو مساوی (ایک برابر کے) بکرے اور بچی کی طرف سے ایک بکرا۔[۱]

(۲) ابن ماجہ اور بیہقی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''بچہ کی طرف سے دو مساوی بکرے۔''[۲]

(۳) ابوداود، بیہقی اور احمد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''بچہ کی طرف سے دو ہم مثل بکرے اور جاریہ کی طرف سے ایک بکری''۔[۳]

---

(۱) سنن ابوداود: ۳/ ۱۰۵، ح:۲۸۳۴، علامہ البانی نے ''صحیح سنن ابی داود'' (۲/ ۱۹۵) میں حدیث نمبر (۲۸۳۴) کے تحت اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) سنن ابن ماجہ: ۲/ ۱۰۵۶، ح: ۳۱۶۲، علامہ البانی نے اسے ''صحیح سنن ابن ماجہ'' (۳/ ۹۲) میں حدیث نمبر (۲۵۷۷) کے تحت صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) سنن بوداود: ۳/ ۱۰۵، ح: ۲۸۳۶، علامہ البانی نے اسے ''صحیح سنن ابی داود'' (۲/ ۱۹۵) میں حدیث نمبر (۲۸۳۶) کے تحت صحیح کہا ہے۔

(۴) ابوداؤد اور احمد کی چوتھی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''بچہ کی طرف سے دو اور بچی کی طرف سے ایک بکرا، یہ بکرے مذکر ہوں یا مونث اس سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''(۱)

وجہ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ سنت ہے، بچہ کی طرف سے دو اور بچی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کرنا سنت ہے۔

فرق کی حکمت: مذکر و مونث کے عقیقہ میں یہ کمی زیادتی اس وجہ سے نہیں ہے کہ مونث کی شان اور مرتبہ کم ہے (اس لئے بچی کی طرف سے ایک بکرا ہے) جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے مونث کی تکریم کیلئے عقیقہ کا حکم دیا۔ جبکہ اسلام سے پہلے وہ اس سے محروم تھی (مونث کا عقیقہ نہیں ہوتا تھا) اس کو زندہ درگور کیا جاتا، حتیٰ کہ اس کا تذکرہ بھی باعث عار سمجھا جاتا تھا۔ اس تفاضل میں دونوں کی فطرت پر ایک حقیقت پسندانہ زاویۂ نگار کارفرما ہے اور لڑکے کی اہمیت اور اس لڑکی کی جانب اس کی ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے اور وہ اشارہ یہ ہے کہ وہ مستقبل میں اس لڑکی کا شوہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''وللرِّجَالِ عَلَيۡهِنَّ درجةٌ''

''مرد کے لیے عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے۔'' (البقرہ:۲۲۸)

---

(۱) سنن ابوداود: ۳/ ۱۰۵، ح: ۲۸۳۵، علامہ البانی نے اسے ''صحیح سنن ابی داود'' (۱۹۵/۲) میں حدیث نمبر (۲۸۳۵) کے تحت صحیح قرار دیا ہے۔

شعدنثرپس

جہاد میں منصفانہ امتیاز

اس میں تین فصلیں ھیں:

پہلی فصل :

جہاد کا حکم

دوسری فصل :

مردوں کا قتل نہ کہ عورتوں کا

تیسری فصل :

جزیہ

پہلی فصل

جہاد کا حکم

اس میں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث :

مرد کیلئے جہاد کا حکم

دوسری بحث :

عورتوں کیلئے جہاد کا حکم

پہلی بحث

مرد کیلئے جہاد کا حکم

اصل یہ ہے کہ مرد ہی جہاد کے مکلّف ہیں یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے کفار کو قتل کرنا فرض عین یا فرض کفایہ مردوں کے لئے ہے اور بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ جہاد کے واجب ہونے کی شرط مذکر ہونا ہے۔

دلیل کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بات کتاب وسنت اور سیرت سے مستفاض ہے کہ مرد ہی جہاد کے مکلّف ہیں۔ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے:

"یٰأَیُّهَا النَبِیُّ حَرِّضِ المؤمِنِیْنَ علی القتال"

"اے نبی! مومنین کو قتال پر آمادہ کیجئے۔" (الأنفال:٦٥)

وجہ استدلال: آیت کریمہ میں "المومنین" کا لفظ آیا ہے اور لفظ مومنین کا اطلاق صرف مردوں کیلئے ہوتا ہے نہ کہ عورتوں کیلئے۔

جہاد فرض عین یا کفایہ کے مکلّف مرد ہی ہیں۔ اس لئے کہ مردوں کی جسمانی تخلیق اور اندرونی اور فطری صلاحیت جہاد کی مشقتوں کے موافق ہے۔ نیز جہاد کی تھکان اور مصائب کو برداشت کرنے کی قدرت ان کے اندر ہے اور یہ حقیقت کسی بھی صاحب عقل سلیم پر مخفی نہیں ہے۔

دوسری بحث

عورت کیلئے جہاد کا حکم

عورت پر قتال واجب نہیں ہے، الا یہ کہ اپنے یا اپنی اولاد کے دفاع میں قتال کرنا پڑے کیونکہ جہاد کے واجب ہونے کی شرط مذکر ہونا ہے۔ بایں معنی کہ ابتداءً قتال ان پر واجب نہیں ہے۔ لیکن انہیں جہاد کے لوازمات سے روکا نہیں جائیگا اور عورت جہاد میں شریک ہوکر ایسے کام کرے گی جو اس کے موافق ہو مثلاً مجاہدین کو پانی پلانا، زخمیوں کی مرہم پٹی، کھانا تیار کرنا اور تیر (ہتھیار) لالا کر دینا وغیرہ جیسے کام۔

دلائل: (۱) ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم غزوات میں شریک ہوتے اور مجاہدین کو پانی پلاتے، زخمیوں کی دوا کرتے اور انہیں اور شہیدوں کو مدینہ منتقل کرتے تھے"۔ (۱)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ام سلیم کے ساتھ غزوہ کرتے اور آپ کے ساتھ انصار کی کچھ عورتیں ہوتیں۔ یہ عورتیں مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ (۲)

(۳) ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہی۔ میں ان کی روانگی کے وقت سب سے پیچھے ہوتی، میں ان مجاہدین کے لئے کھانا بناتی، زخمیوں کی دوادارو کرتی اور بیماروں کی دیکھ ریکھ کرتی تھی۔ (۳)

وجہ استدلال: یہ تینوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عورتوں کیلئے غزوہ میں نکلنا

---

(۱) صحیح بخاری: ۲ / ۸۸۹، ح: ۲۸۸۲

(۲) صحیح مسلم: ۳ / ۱۴۴۳، ح: ۱۸۱۰

(۳) صحیح مسلم: ۳ / ۱۴۴۷، ح: ۱۸۱۲

جائز ہے تاکہ عورتیں اپنی طبیعت کے موافق اعمال انجام دے سکیں مثلاً پانی پلانا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور کھانا بنانا وغیرہ۔

(۴) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کیلئے اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا: ''تم عورتوں کا جہاد حج ہے۔''(۱)

(۵) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آپ کی ازواجِ مطہرات نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے کہا: بہترین جہاد حج ہے۔(۲)

(۶) بنی عذرہ کی ایک عورت ام کبشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ میں فلاں فلاں لشکر کے ساتھ نکلوں۔ تو آپ نے کہا: ''نہیں۔'' انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں قتال کرنا نہیں چاہتی بلکہ میں تو زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی دیکھ بھال کرنا چاہتی ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ ایک سنت نہ بنالی جاتی کہ کہا جائیگا کہ فلاں عورت جہاد کیلئے نکلی تو میں تم کو اجازت دے دیتا، لیکن تم اپنے گھر میں ہی بیٹھی رہو۔(۳)

وجہ استدلال: عائشہ اور ام کبشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں پر جہاد کیلئے نکلنا واجب نہیں ہے۔

حدیثوں میں تطبیق: عائشہ اور ام کبشہ رضی اللہ عنہما کی حدیث اور دوسری وہ احادیث جن میں عورتوں کیلئے جہاد کیلئے نکلنے کی دلیل ہے، تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ قتال کیلئے عورتوں کا نکلنا واجب نہیں ہے اور خروج کی احادیث (جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیات بھی غزوات کے لئے نکلی تھیں) کو استحباب پر محمول کیا جائیگا۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے کچھ عورتوں کو کسی وقت نکلنے سے منع کر دیا اور دوسرے وقت بعض عورتوں کو اجازت دی۔

---

(۱) صحیح بخاری : ۲ / ۸۸۷ ، ح: ۲۸۷۵

(۲) صحیح بخاری : ۲ / ۸۸۸ ، ح :۲۸۷۶

(۳) رواہ الطبرانی فی ''الاوسط'' : ۴ / ۳۶۳ ، ح ۴۴۴۳ ، و ''الکبیر'' : ۱۷۶/۲۵ ، ح ۴۳۱ ، وصححہ الالبانی فی ''الصحیحۃ'' : (۶ / ۵۴۷ ، ح ۲۷۴۰)

عورتوں سے قتال معاف ہونے کے اسباب: عورتوں سے قتال معاف ہونے کی تین بنیادی وجوہات ہیں:

(۱) جسمانی کمزوری: عورت ہمیشہ ہی حتی کہ جنگی آلات کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی جسمانی طاقت کی محتاج رہی ہے اور جنگی تیاری میں جسمانی ساخت کو کمال تک پہنچانے کی محتاج ہے، بلکہ عورت کے بارے میں نہیں جانا جاتا ہے کہ اس نے اسلحہ جمع کیا اور اس کا اہتمام کیا۔ نہ تو ازواج مطہرات اور نہ آپ کے گھر کی کسی عورت کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ انہوں نے کبھی بھی اسلحہ اٹھایا ہو۔[۱]

(۲) دوسرا سبب: قوت برداشت کا کم ہونا:

فوجی زندگی میں بہت ساری صعوبتیں اور پریشانیاں ہیں، جو اس کی صحت پر سلبی اور منفی اثر ڈالتی ہیں۔ ان نفسیاتی بے چینیوں کا مزہ ایک تہائی امریکی فوجیوں نے ویتنام کی جنگ میں چکھا ہے، جس میں مردوں سے زیادہ عورتوں کا حصہ تھا، کیونکہ فطری طور پر وہ مرد سے زیادہ ڈرپوک ہوتی ہیں، اور موت اور اسباب موت اور تکالیف پر بہت زیادہ رنجیدہ اور قلق محسوس کرتی ہیں۔[۲]

(۳) تیسرا سبب: سوسائٹی کی بنیاد کی حفاظت اور سلامتی:

اسلام میں عورتوں سے جہاد کی معافی کا شاید سب سے اہم سبب اور وجہ مسلم معاشرہ کی حفاظت اور سلامتی ہے، چنانچہ یہ بالکل غیر معقول اور ناقابلِ تصور بات ہوگی کہ عورت اپنے پیچھے اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے مردوں کے ساتھ نکل جائے، اور ان کے پیچھے اس کے بچوں کی کوئی دیکھ بھال اور تربیت وتادیب کرنے والا نہ ہو، چنانچہ میدان جنگ میں جہاد سے ان کی معافی ایک دوسرے معرکہ کی فتح کے لئے ہے (کہ عورتیں گھر میں رہ کر بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم وتربیت کریں) جس میں وہ اپنی طبعی مناسبت اور مہارت سے مجاہدہ اور محنت کریں۔

مزید برآں یہ کہ فوجی زندگی میں وہ اپنے اہل وعیال سے دور رہیں گی اور یہ چیز عورتوں کی طبیعت

(۱) دیکھئے: نساء اہل البیت فی ضوء القرآن و الحدیث، لاحمد خلیل جمعة: ۲۹۷

(۲) دیکھئے: نحواسترا تیجیة قومیة لإعادة تأهیل الأ سری از محمد حجار (ص:۸۰)

کے خلاف ہے کیونکہ انہیں گھر میں ٹھہرے رہنے اور خاندان کی شیرازہ بندی کرنے کی ضرورت ہے، اگر جہادعورتوں پر فرض قرار دیا جائے تو اس سے سوسائٹی میں بہت بڑا فساد برپا ہوگا جس سے سوسائٹی کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

جہاد میں عورتوں کی شرکت کے شرائط:

بعض جہادی کاموں میں عورتوں کی شرکت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جوکہ ان کی نسوانی فطرت کے مطابق ہوں اور یہ اعمال ان کے حق میں مباح ہیں واجب نہیں نیز اس کی بھی چند شرطیں ہیں لہٰذا ان شرائط کے تحقق کے بغیر ان کی شرکت جائز نہ ہوگی اور وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں[1]:

(۱) عورت کا جہاد کے لئے نکلنا بغیر شرعی ولی یا شوہر کی اجازت کے جائز نہیں ہے کیونکہ شوہر کے حکم کے بموجب گھر میں قرار اختیار کرنا ان کے لئے واجب ہے اور جہاد کے لئے نکلنا مباح ہے لہٰذا جب واجب اور مباح میں ٹکراؤ ہوگا تو واجب کو اولیت دی جائے گی۔

(۲) صحت کی سلامتی کی ضمانت ہو، چنانچہ عورتوں کا دورۂ جہاد محض خدمت اور علاج معالجہ کے لئے ہوگا نہ کہ قتال کے لئے۔

(۳) ان کا نکلنا کسی ضرورت کے وقت ہو، اور ان کے نکلنے میں مجاہدین کی کچھ مصلحتیں ہوں، ان احادیث کی بنیاد پر جو سابقہ سطور میں گذر چکی ہیں اور جن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ عہد نبوی اور دور صحابہ میں عورتیں مجاہدین کے لئے بعض سودمند کاموں کے لئے نکلتی تھیں، جیسے کہ پانی لانا، زخمیوں کو پانی پلانا، اور ان کی دوا وغیرہ۔

(۴) ان کا خروج کسی بگاڑ یا فساد کا سبب نہ ہو، لہٰذا اگر ان کے خروج سے کوئی بگاڑ پیدا ہونے کا ڈر ہو تو ان کا نکلنا جائز نہ ہوگا کیونکہ مفاسد کو دور کرنا جلب مصالح پر مقدم ہوگا۔

(۵) عورتوں کے خروج کے لئے امام کی اجازت ضروری ہے بعض روایات کی وجہ سے جیسے کہ ام کبشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث۔

---

(۱) دیکھئے: جهادالمرأة فی ضوء أحكام الشريعة الإسلامية: (ص:۱۷۵)

(٦) ان کا نکلنا شرعی احکام کے مطابق ہو، اوران کے افعال واقوال مشہور شرعی احکام کے موافق ہوں۔

(٧) عورتوں کو جہاد میں جنگ کرنے کی اجازت نہیں ہے ہاں البتہ دفاعی جنگ وہ لڑسکتی ہیں، نہ تو صف میں گھس کر دشمن سے جنگ کریں گی اور نہ مبارزت کا جواب دیں گی۔ (١)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جنگ خیبر کے روز ایک خنجر لیا جوان کے پاس تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا تو فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس ایک خنجر ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: یہ خنجر کس لئے رکھا ہے، تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ خنجر میں نے اس لئے اپنے پاس رکھا ہے کہ اگر مشرکین کا کوئی آدمی ہمارے قریب ہوا تو اس سے اس کا پیٹ چیر دونگی، رسول اللہ ﷺ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بات سن کر ہنسنے لگے۔ (٢)

(٨) شرکت کرنے والی عورتوں کی تعداد بہت قلیل ہو کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ سب سے بڑی جو تعداد عورتوں کی نکلی وہ بیس عورتیں تھیں۔ (٣)

اسی طرح جو چھوٹی چھوٹی جنگیں اور لڑائیاں ہوئیں جن کی تعداد (٣٨) تک پہنچتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، ان میں کبھی بھی کوئی عورت شریک نہیں ہوئی۔ (٤)

سیاسی اعتبار سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایسی مہمات اور جنگوں میں عورتوں کی بھاری تعداد کمزوری اور لاغری کی دلیل ہے۔ (٥) نہایت بری ہے وہ قوم جس کی حفاظت اس کی عورتیں کرتی ہیں زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کا لڑائیوں میں شریک ہونا، غالباً مردوں کو لڑائی پر ابھارنا ہوتا تھا۔ (٦) یہاں

(١) دیکھئے: سبل السلام (٤/٢٤)
(٢) مسلم: ٣/١٤٤٢، ح:١٨٠٩
(٣) دیکھئے: مقریزی کی "إمتاع الأسماء" (ص:١٣٨)
(٤) دیکھئے: السهیلی کی "الروض الأنف" (٧/٣٨)
(٥) دیکھئے: فتح الباری (٥/١٥٠)
(٦) دیکھئے: الحیاۃ الاجتماعیة فی الشعر الجاہلی از فاطمہ عبدالفتاح (ص:٧٢)

تک کہ قریش اپنی گمراہی کے باوجود، جنگِ احد کے دن اپنی صرف (۱۵) عورتوں کو میدانِ جنگ میں لے گیا تھا اور وہ بھی ساری کی ساری اپنے شوہروں کے ساتھ تھیں اور ہودجوں میں بیٹھ کر گئی تھیں۔ (۱)

جب قتال عورتوں پر واجب نہیں ہے کیونکہ اس کی شرط مذکر (مرد) ہونا ہے تو عورتوں کو اس کی ان کے اوپر اس رحمت پر قناعت کرنا چاہئے اور اپنے اوپر اسلام کا فضل سمجھنا چاہئے کہ اسلام نے ان کو اس تکلیف اور مشقت سے دور رکھا ہے اور اس کا مکلّف قادر و بالغ مردوں کو بنایا ہے، لیکن بطور تطوع اس میں شرکت سے ان کو منع نہیں کیا اور جو کام ان کی نسوانی طبیعت کے موافق ہوں ان سے روکا بھی نہیں گیا ہے جیسے کہ کھانا بنانا، زخمیوں کو پانی پلانا اور زخمیوں کی دیکھ بھال اور علاج وغیرہ۔

مسلمان عورت اور اس کے جنگ میں شریک ہونے کی حدیں:

جو شخص موجودہ دور کی اسلامی نظام وقانون کی پابندی نہ کرنے والی فوجی زندگی پر غور وفکر کرے گا، اسے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ ایک مسلمان عورت کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ پردہ میں رہے اور عام لوگوں کے ساتھ اس کا اختلاط نہ ہو۔ (۲)

ایسے وقت میں جب ایک طرف متدین یہود جنگی مہمات میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ شریک کیے جانے کی اپنی حکومت کی قرارداد پر نکیر کرتے ہیں، ہمیں دوسری طرف ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد بھی دکھائی دیتی ہے جو فوجی امور میں مرد عورت کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھتے اور یہ بھی رائے رکھتے ہیں کہ عورت کے اندر بھی فوج کی سپریم کمانڈر بن سکتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتا کہ عورت نے کبھی پولیس یا فوج کی کمانڈ کی ہو یا کسی عام فوجی ذمہ داری کو ادا کیا ہو۔ (۳) یہ تو دور کی بات ہے کہ عورتوں کو جاسوس بنایا گیا جو دوسری حکومتوں یا لوگوں کی خبریں اوپر تک پہنچائیں۔ (۴)

---

(۱) دیکھئے: إمتاع الأسماع (ص:۱۱۴)

(۲) دیکھئے: حکم الجاهلية از احمد محمد شاكر (ص:۲۳)

(۳) دیکھئے: ولاية الشرطة فى الإسلام-دراسة فقهية تطبيقية، از محمد الحميدان (ص:۲۴۷)

(۴) دیکھئے: الجوهر الثمين فى سير الخلفاء والملوك والسلاطين از ابن دقماق (ص:۱۰۶)

اسی طرح، کچھ عورتوں کو خواتین کی جیلوں میں نگہداشت اور پوچھ تاچھ کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔اس کے علاوہ، دیگر کاموں جوان کے نسوانی عنصر سے میل کھاتے ہوں، پر مامور کیا گیا۔ایسے کاموں پر تو خیر سے انہیں مامور کیا جا سکتا ہے جوان کی نسوانی فطرت سے میل کھاتے ہوں لیکن ان میں بھی شرعی حدود کا خیال رکھا جانا ضروری اور لازم ہے جیسے کہ وہ مردوں سے نہ ملیں، بے پردگی نہ ہو، کسی کے ساتھ تنہا نہ جائیں وغیرہ۔ بہر کیف! مسلم عورت ضرورت کے مطابق اور شرعی حدود میں رہ کر فوجی کاموں میں شریک ہوسکتی ہے۔ (۱)

دورِ جدید میں عورتوں کی فوجی بنانا:

موجودہ دور کی فوجی تنظیم کے قوانین کے مطابق، عورتوں کو فوجی بنانے کی اجازت مذہبِ اسلام نہیں دیتا کیوں کہ یہ اختلاطِ مرد وزن کا بڑا سبب ہے، اس کے نو ایجاد کردہ بدعت ہونے کو پرے رکھئے!

موجودہ دنیاوی پیانے اور قانون کا دروازہ چوپٹ کھل جانے کے باوجود، جو عورتوں کو بہت سارے فوجی شعبوں میں گھسنے پر ابھارتا ہے، اگر ان کی تعداد کا مردوں کی تعداد سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو وہ بہت کم نکلتی ہے۔ (۲) اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ امریکن آرمی جو ویتنام کی جنگ میں شریک ہوئی تھی، اس کی کل تعداد ۲ملین تھی اور اس میں خاتون فوجیوں کا تناسب صرف ۷ ہزار یعنی محض دو فیصد تھا۔ (۳)

مزید براں، وہ خاتون فوجیاں بہت ساری شرائط کی پابند بنا کر شریک کی گئی تھیں جو ان کو موت کے گھاٹ اترنے سے بچاتی تھیں۔ان کا کام انتظامی امور کو سنبھالنا تھا۔ بلند پایہ عہدوں پر ان کی ذمہ داری نہ کے برابر تھی نیز قائدانہ رول تو انہیں دیا ہی نہیں گیا تھا۔ (۴) سچائی تو یہ ہے کہ بہت ساری

---

(۱) دیکھئے :سجون النساء از مصطفی الترکی (ص:۹۰)
(۲) المرأة المصرية ازرفيقه سليم حمود (ص:۱۱٦)
(۳) دیکھئے :نحواستراتيجية قومية.....(ص:۸۰)
(۴) دیکھئے :تاريخ العالم از جان ہامرٹن وغیرہ (۱/۳۸۳)

خاتون فوجیاں صرف اور صرف دیکھ ریکھ اور فوجیوں کے تعاون تک محدود رہتی ہیں مگر اس کا اعلان نہیں کیا جاتا۔[1]

خلاصہ: مذہبِ اسلام نے عورتوں پر قتال اور جنگوں میں شریک ہونا واجب نہیں کیا ہے بلکہ اگر مصلحت متقاضی ہو تو اسے جائز ٹھہرایا ہے، وہ بھی شرعی حدود کا پابند بنا کر۔ اسے اصل نہیں قرار دیا ہے۔ اگر مصلحت کے تقاضے کے مطابق عورت جنگ وقتال میں شریک ہوتی ہے تو اتمامِ مصلحت ہوتے ہی اسے اس دائرہ میں محصور ہو جانا پڑے گا جو اس سے مطلوب ہے۔ یہ سب کچھ محض عورت اور سماج کی برابر حفاظت وصیانت کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔

(۱) دیکھئے: المرأة المعاصرہ از محمود شاکر (ص:۲۷)

دوسری فصل

مردوں کو قتل کیا جائے گا نہ کہ عورتوں کو

اہل علم کا اتفاق ہے کہ جنگ کرنے والے شخص کو قتل کیا جائے گا، اور شیوخ کفار میں سے جو بھی جنگی چال اور رائے سے دشمن کی مدد کرے، اس کو بھی مذہب شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق قتل کیا جائے گا۔

کیونکہ درید بن صمہ کو غزوہ حنین کے دن قتل کیا گیا حالانکہ وہ بوڑھا تھا، قتال نہیں کر رہا تھا، البتہ دشمنان اسلام اس کی رائے سے مدد حاصل کر رہے تھے۔

لہٰذا اللہ کے نبی ﷺ نے اس کے قتل سے انکار نہیں کیا۔(۱)

اور اس لئے بھی کہ جنگ میں رائے دینا، عظیم ترین جنگی تعاون ہے۔(۲)

اور علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کیا جائیگا اگر وہ جنگ نہ کر رہے ہوں اور اگر یہ لوگ بھی جنگ کریں تو عند الجمہور ان کو بھی قتل کیا جائیگا۔

دلائل: (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی غزوہ میں کوئی عورت مقتول پائی گئی تو آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔(۳)

وجہ استدلال: حدیث میں عورتوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

(۲) حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں ہم اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے لوگوں کو کسی چیز پر مجمع کئے ہوئے دیکھا تو ایک آدمی کو بھیجا کہ معلوم کرے کہ کس لئے لوگ مجمع لگائے ہوئے ہیں۔ وہ آدمی واپس آیا اور خبر دی کہ ایک مقتول عورت کیلئے لوگ مجمع

---

(۱) صحیح بخاری: ۳/ ۱۳۰۵، ح ۴۳۲۳

(۲) دیکھئے: التمهید لابن عبد البر: ۱۶/ ۱۴۲

(۳) صحیح بخاری: ۲/ ۹۲۶، ح: ۳۰۱۵، صحیح مسلم: ۳/ ۱۳۶۴، ح: ۱۷۴۴

لگائے ہوئے ہیں، تو آپ نے کہا: یہ جنگ کرنے والی تو نہیں تھی ۔ راوی کہتے ہیں کہ مقدمۃ الجیش کے کمانڈر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے ایک آدمی کو بھیجا کہ خالد سے کہہ دو کہ عورت اور عسیف (مزدور، نوکر جو بغیر ہتھیار کے ہوں) قتل نہیں کیے جائیں گے۔ (۱)

وجہ استدلال: حدیث میں عورتوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے نیز حدیث کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ اگر عورت قتال کرے تو قتل کی جائے گی۔ (۲)

(۳) حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے مشرکین کے ذراری (عورتیں اور بچے) کے بارے میں پوچھا گیا کہ شب خوں مارنے میں ان کی عورتیں اور بچے بھی قتل ہو جاتے ہیں؟ تو آپ نے کہا: وہ انہیں میں سے ہیں۔

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! شب خوں مارنے میں ہم سے مشرکین کے ذراری (عورتیں اور بچے) بھی قتل ہو جاتے ہیں، تو آپ نے کہا: وہ انہیں میں سے ہیں۔ (۳)

علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ: ''ھم منھم'' کا مطلب یہ ہے کہ اس حالت میں وہ انہیں کے حکم میں ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قصداً ان کا قتل جائز ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب آباء تک پہنچنا ذریت کو قتل کئے بغیر ممکن نہ ہو۔ لہٰذا جب اختلاط ہو جائے تو ان کا قتل جائز ہے۔ (۴)

اور حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی تیسری روایت میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ سے کہا گیا: اگر کسی شہسوار نے رات میں حملہ کیا اور اس میں مشرکین کے چھوٹے بچے بھی ہلاک ہو گئے تو؟ تو آپ نے کہا: ''وہ انہیں میں سے ہیں۔'' (۵)

---

(۱) سنن ابو داود: ۳/ ۵۳، ح: ۲۶۶۹، علامہ البانی نے اسے ''صحیح سنن ابی داود'' (۲/ ۱۴۴) میں حدیث نمبر (۲۶۶۹) کے تحت حسن صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) دیکھئے: فتح الباری: ۶/ ۱۴۸

(۳) مسلم: ۳/ ۱۳۶۵، ح ۱۷۴۵

(۴) فتح الباری: ۶/ ۱۴۷

(۵) مسلم: ۳/ ۱۳۶۵، ح: ۱۷۴۵

وجہ استدلال : یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ شب خوں میں بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا جائز ہے، اسی طرح اچانک ٹوٹ پڑنے والا ہجوم، اور اسی طرح جب کفار اپنی عورتوں اور اولاد کو ڈھال بنالیں۔

جنگوں میں عورتوں کے قتل کا ضابطہ:

سابقہ حدیثوں سے اور شراح وفقہاء کے عام قول سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ عورتوں کو جنگ میں مطلق قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ مندرجہ ذیل چار صورتوں میں قتل کیا جائے گا، جو یہ ہیں:

(۱) جب مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوں یعنی خود عورتیں مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں۔

(۲) جب کفار جنگ میں اپنی عورتوں کو ڈھال بنالیں۔

(۳) جب مسلمان کفار پر شب خوں ماریں اور چھوٹے بڑے اور مرد وعورت میں کوئی تمیز نہ ہوسکے تو اس شب خوں میں اگر عورتیں قتل ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) اگر عورت جنگ میں دشمن کی مدد کرے اپنی چال یا رائے کے ذریعہ تو ایسی عورت کو قتل کیا جائیگا کیونکہ وہ عورت مسلمانوں کیلئے ایک خطرہ ہے نیز اس لئے بھی کہ اس کے قتل سے اس کی کافر قوم کی ہمت اور شان وشوکت ٹوٹ جائے گی۔

خلاصہ: عورت مونث ہونے کی وجہ سے قتل سے معصوم ہے اور جنگ کی مشقتوں سے معذور ہے۔ مگر یہ کہ جنگ فرض عین ہوجائے بایں طور کہ دشمن مسلمانوں پر یک بارگی حملہ کردے۔ اس حکم میں مسلم عورت پر عام رحمت ہے نیز جنگ کے مواقع اور اس کی مشقتوں سے عورت محفوظ ہے۔

اسی طرح، صرف جنگجو مرد ہی قتل کئے جائیں گے اور عورتوں کا قتل حرام ہے سوائے ان چار صورتوں کے جو ماقبل میں گزریں تو ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اسلامی ہدایت پر جو اس نے عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں پر رحمت کی کہ ابتداء ان کا قتل نہیں کیا جائے گا اور فلسطین میں حاسد یہودیوں نے مسلمان عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا کیا اس پر ہمیں غور کرنا چاہیئے۔

ہمیں تامل، غور وفکر اور موازنہ کرنا چاہئے عورتوں بچوں اور بوڑھوں پر شفقت کی اسلامی ہدایت اور صہیونی کرتوت کی جو فلسطین میں مسلم عورتوں اور بچوں سے حسد کرتے ہیں نیز اس بات پر بھی غور و فکر کرنا چاہئے کہ صربیائی صلیبیوں نے بوسنیا ہرزے گوینا میں مسلمانوں کی نسلی تطہیر کے مقصد سے کیا کیا تا کہ یہ بات واضح ہو سکے کہ یہ دشمنانِ دین عورت کے حقوق کی بازیافت اور بچوں کے حقوق کی حفاظت کے جو نعرے لگاتے ہیں وہ محض دکھاوا اور ڈھونگ ہیں۔

نمودِ زہد ہو جن میں، ریا کا شائبہ جس میں
تو وہ کس کام کے سجدے، بھلا وہ بندگی کیا ہے

تجھے محسوس جو کر لے، عطا کر آگہی ایسی
جو تجھ کو ہی نہ پہچانے، شعور و آگہی کیا ہے

تیسری فصل

جزیہ کے بارے میں

اس میں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث :

مردوں پر جزیہ کا حکم

دوسری بحث :

عورتوں پر جزیہ کا حکم

پھلی بحث
مردوں پر جزیہ کا حکم

جزیہ کی تعریف: جزیہ وہ مال کہلاتا ہے جو اہل کتاب اور مجوس سے ہر سال مسلمانوں کے ساتھ رہنے اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کیلئے لیا جاتا ہے۔

مرد پر جزیہ کا حکم: اہل ذمہ پر جزیہ فرض ہونے کیلئے علماء نے چند شرائط بیان کی ہیں، جو یہ ہیں: عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، مرد ہو، جزیہ ادا کرنے کی مالی طاقت ہو اور قدرتی آفات سے مامون ہو۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿قَاتِلُواْ الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِيْنُونَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُواْ الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ (التوبہ:۲۹)

''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں''۔

وجہ استدلال: آیت کریمہ جزیہ کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہے، ان اہل کتاب سے جو اللہ کی بیان کردہ صفات سے متصف ہیں۔

(۲) جنگ نہاوند کے دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسری کی فوج سے کہا کہ ''اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تم سے اس وقت تک جنگ کرتے رہیں جب تک تم صرف اللہ واحد کی عبادت نہ کرنے لگو یا پھر اسلام نہ قبول کرنے کی صورت میں جزیہ دینا قبول کرلو''۔[۱]

(۱) صحیح بخاری: ۹۷۵/۲، ح ۳۱۵۹

وجہ استدلال: جزیہ اہل قتال کے بالغ مردوں سے لیا جائے گا۔

(۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جب ان کو یمن بھیجا تو حکم دیا کہ وہاں کے ہر بالغ مرد سے ایک دینار یا اس کے بدلہ میں معافری کپڑا لینا۔ معافری یمن کا بنا ہوا ایک قسم کا کپڑا۔ (یمن میں ایک قبیلہ ہے جس کا نام معافر ہے اسی قبیلہ کی طرف منسوب کر کے معافری کپڑا کہا جاتا ہے۔)[1]

وجہ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ بالغ مردوں سے لینا واجب ہے نہ کہ عورتوں سے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

شبہ: اسلام غیر مسلموں پر جزیہ فرض کرنے میں متشدد ہے، ان ملکوں میں جہاں اسلام داخل ہوا۔

جواب: (۱) اسلامی سوسائٹی میں اسلام نے غیر مسلمین کیلئے بھی کچھ حقوق متعین کئے ہیں جن کا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہوگا۔ لہٰذا ان حقوق سے متمتع ہونے کیلئے اس کے بالمقابل ان پر کچھ واجبات ہوتے ہیں اور انہیں میں سے ہے جزیہ۔ چنانچہ اسلامی معاشرہ میں غیر مسلمین حکومت کی ہر اسکیم اور خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے قضا، پولس، گذرگاہیں، پُل اور قدرتی آفات سے ان کی معاشرتی حفاظت۔ لہٰذا جزیہ واجب ہونے کے یہی اسباب ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ اہل ذمہ کے ایک بوڑھے شخص کے پاس سے آپ کا گذر ہوا جو لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا تو آپ نے کہا: ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ تمہاری جوانی میں تو ہم تم سے جزیہ لیتے تھے پھر بڑھاپے میں ہم نے تم کو ضائع کردیا، پھر آپ نے بیت المال سے اس کی ضرورت کے بقدر وظیفہ جاری کرنے کا حکم دیا۔[2]

---

(۱) سنن ابو داود: ۳/ ۱۶۷، ح: ۳۰۳۸، علامہ البانی نے "صحیح سنن ابی داود" (۲/ ۲۶۰) میں حدیث نمبر (۳۰۳۸) کے تحت اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) الاموال لابی عبید القاسم بن سلام، ص: ۵۷، احکام اہل الذمۃ لابن القیم: ۱/ ۱۴۴

یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں غیر مسلمین کو بھی انسانی احترام، عنایت اور رعایت کا فائدہ ملتا تھا۔

(۲) جزیہ سالانہ ٹیکس کی صورت میں صرف بالغ مردوں پر واجب ہے جو ان کی طاقت کے بقدر ہے اور فقراء سے پورے طور پر معاف ہے۔

(۳) جزیہ کو چند قسموں پر تقسیم کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مالداروں پر ۴۸ درھم جزیہ مقرر کیا، اور متوسط مالداروں پر ۲۴ درھم اور نچلے درجہ کے مالداروں پر ۱۲ درہم جزیہ متعین کیا تھا۔ یہ فرق اور تفاوت ادائیگی کی طاقت کی طرف راجع ہے۔

(۴) اسلام نے ذمیوں کی حفاظت اور دفاع کا ذمہ لیا ہے۔ بایں طور کہ مسلمانوں پر جہاد فرض (عین یا کفایہ) کیا ہے اور ان کے ماتحت جو ذمی لوگ رہتے ہیں، ان سے جہاد معاف کیا ہے۔ لہٰذا وطن کی حفاظت اور دفاع پر جو خرچ آئے گا اس میں غیر مسلمین کی بھی شرکت ضروری ہے اور ان کی حفاظت اور دفاع کی عدم استطاعت کی صورت میں ان کا مال ان کو لوٹا دیا جائیگا جیسا کہ اگر یہ ذمی حضرات بھی وطن کے دفاع اور حفاظت میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں تو ان سے جزیہ نہیں لیا جائیگا۔[1]

---

(۱) دیکھئے: غیر المسلمین فی المجتمع الإسلامی، از ڈاکٹر یوسف القرضاوی (ص: ۳۰-۳۵)

دوسری بحث

عورت پر جزیہ کا حکم

علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں پر جزیہ نہیں ہے۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُواْ الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ (التوبہ: ۲۹)

"ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں"۔

وجہ استدلال: یہ آیت بتاتی ہے کہ جزیہ اہل قتال (جنگ کرنے والے) سے لیا جائیگا اور عورت اہل قتال میں سے نہیں ہے لہذا اس پر کوئی جزیہ نہیں ہے۔[۱]

(۲) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ماقبل میں ذکر کردہ حدیث کہ اللہ کے نبی ﷺ نے یمن بھیجتے ہوئے حکم دیا کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار لینا۔[۲]

وجہ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ مرد بالغ حضرات سے لیا جائیگا نہ کہ عورت سے۔

خلاصہ: جزیہ بالغ مردوں سے ہی لیا جائیگا اور جہاں تک عورت پر جزیہ کا مسئلہ ہے تو علی الاتفاق اس پر جزیہ نہیں ہے۔

---

(۱) دیکھئے: احکام القرآن للجصاص، ص: ۳/۹۲

(۲) سنن ابی داود (۳/۱۶۷)، (ح:۳۰۳۸)

آیشنپرپس

ذمہ داریوں میں منصفانہ امتیاز

اس میں آٹھ فصلیں ہیں:

پہلی فصل : امامت عظمی

دوسری فصل : وزارت

تیسری فصل : قضاء

چوتھی فصل : گواہی

پانچویں فصل : شوریٰ اور انتخاب

چھٹی فصل : وظائف اور اعمال

ساتویں فصل : ولایت نکاح

آٹھویں فصل : ولایت حضانت

پہلی فصل

امامت عظمیٰ

امامت عظمیٰ کی ذمہ داری سنبھالنے کا حکم

زندگی کے بیشتر معاملات میں اسلام نے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیئے ہیں، لیکن اس کے باوجود عہد نبوت اور بعد کی صدیوں میں ایسی مثالیں شاذ و نادر ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیاسی میدان میں عورتوں کا کردار نمایاں رہا ہو، خلفاء راشدین اور ان کے بعد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی سیاسی معاملات میں مردوں کی طرح عورتوں سے مشورہ نہیں کیا، اور نہ ہی بعد کے دور میں ملکی و عسکری انتظامات میں عورتوں کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔

اسلامی تاریخ میں سیاست سے عورتوں کے تعلق کی کچھ دوسری مثالیں بھی موجود ہیں، لیکن ان کی حیثیت انفرادی واقعات سے زیادہ نہیں، ان واقعات سے یہ نہیں ثابت ہوسکتا کہ مسلم عورتوں نے کسی بھی دور میں باضابطہ سیاست میں حصہ لیا۔

صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ اور فقہاء، محدثین اور مفسرین کے اختلاف مذاہب کے باوجود اسلام کے شروع زمانہ سے ہی ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ولایت عامہ کی اہلیت کے لئے ''مذکر'' ہونا شرط ہے، چنانچہ عورت امامت کبری کی اہل نہیں ہے۔ نیز مملکت کی ریاست کی ذمہ داری یا پارلیمانی نظام میں وزارت کا منصب عورت کے سپرد کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان مناصب کو سنبھالنے کے لئے اسی طرح کچھ فطری صلاحیتوں کی ضرورت ہے جس طرح کہ امامت کے لئے کچھ فطری صلاحیتوں کی ضرورت ہے، اور یہ فطری صلاحیتیں عورت میں مفقود ہیں لہذا مذکورہ مناصب کی عورت اہل نہیں ہے۔

امامت کبریٰ (خلافت) کا اسلام میں بہت عظیم مرتبہ ہے بایں طور کہ: ''امامت کبریٰ نبوت کے بعد ایک بہت ہی عظیم مرتبہ ہے، اور جس نے اس کا حق ادا کیا اور شرعی طور پر اس پر عمل کیا تو اس کے لئے اس امامت کبریٰ میں بہت بڑا اجر ہے۔

جس طرح نبوت مطلق بشری کمالات میں سب سے اعلیٰ اور ارفع صورت (درجہ) ہے، اسی طرح امامت بھی ممکن بشری کمالات میں سب سے کامل اور اعلیٰ درجہ ہے۔ چونکہ عورت میں قدرتی طور پر نقص ہے لہذا نبوت کو مردوں ہی میں منحصر کیا گیا۔ اسی طرح امامت کبریٰ بھی کمال میں مردوں ہی میں منحصر ہوگی، بایں طور کہ امامت کبریٰ کا مستحق وہی شخص ہوگا جو لوگوں میں سب سے زیادہ افضل، ذی علم اور سب سے زیادہ متقی ہو۔ اگر ان اوصاف سے متصف کوئی مرد نہ ملے تو اس سے کم تر درجہ والے مرد کو امامت کبریٰ کی ذمہ داری سپرد کی جائے گی، نہ کہ عورت کو۔ اس پر ہر زمانہ میں مسلمانوں کا اتفاق رہا ہے''۔(۱)

دلائل: (۱) قرآن کریم سے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء : ٣٤)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں''۔

وجہ استدلال: آیت کریمہ ایک ایسے حکم پر مشتمل ہے جو خبر کی صورت میں آیا ہے نیز اس آیت سے مرد کی عورت پر عمومی قوامیت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ قوامیت عام ہے عام امور کی ولایت بھی اس میں شامل ہے اور سیاسی ولایت جیسے وزارت، امارت، خلافت وغیرہ بھی۔ اسی طرح خاندانی ولایت اور گھریلو ولایت سب اس میں شامل ہے۔

فضیلت کی وجہ: مردوں کو عورتوں پر فضیلت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جسمانی طاقت، عقل مندی اور دور اندیشی جیسی صفات سے نوازا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں

(۱) دیکھئے: جوانب التعارض بين عنصر الانوثۃفی المرأۃ و العمل السیا سی،ص : ٣٩

کو پختہ رائے اور کامل بصیرت والا بنایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے جس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾(النساء:٣٢)

''اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾(النساء:٣٢)

''اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے کسی کو کسی پر جو فضیلت دی ہے، اس کی (بے جا) تمنا نہ کرو۔''

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے کیا ہی خوب صورت استدلال کیا ہے! وہ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے مردوں کو عورتوں پر صرف گھروں میں ہی قوامیت سے نہیں نوازا بلکہ لفظ گھر کا ذکر تک نہیں کیا ہے جس کے بغیر گھریلو زندگی تک ہی اس حکم کو محصور رکھنا ناممکن ہے۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ ملک کی قوامیت گھر کی قوامیت سے بدرجہا زیادہ پرخطر اور پر ذمہ داری ہے؟ اب کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کروڑوں لوگوں پر عورت کو قوامیت بخشی ہے حالانکہ اسے تو گھر کی قوامیت تک عطا نہیں کی؟[1]

دوسری دلیل:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾(الأحزاب:٣٣)

''اور (عورتیں) اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں''۔

وجہ استدلال: عورت کو ستر اور گھر میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا گیا ہے نیز بلا ضرورت گھر سے باہر قدم نکالنے سے منع کیا گیا ہے۔ امام (خلیفہ وغیرہ) کو مردوں کے سامنے آنا اور معاملات پر گفتگو اور مشورہ کے لئے آنا ناگزیر ہے، اور عورت کو ان سب چیزوں سے روکا گیا ہے۔ لہٰذا اس سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کا خلیفہ بننا جائز نہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ لازمی طور پر گھر میں ٹھہرے رہنے کا

---

(١) نظرية الإسلام......(ص:٣١٨-٣١٩)

حکم دیا گیا ہے، اس آیت میں خطاب اگرچہ اللہ کے نبی ﷺ کی عورتوں کو ہے لیکن اس کے معنی (حکم) میں تمام عورتیں شامل ہیں۔شریعت اسلامیہ نے لازمی طور پر عورتوں کو گھروں میں ٹھہرے رہنے اور بلاضرورت باہر نہ نکلنے کا پابند بنایا ہے۔(۱)

۳-اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلاَ تَتَمَنَّوْاْ مَا فَضَّلَ اللّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُواْ اللّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (النساء:۳۲)

''اوراس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے،مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے''۔

وجہ استدلال: شارع حکیم (اللہ تعالیٰ) نے عورتوں کو منع کیا کہ وہ چیزیں جو اللہ نے مردوں کے لئے خاص کی ہیں جیسے ولایات عامہ وغیرہ کی آرزو کریں۔

اسی بنا پر عورت کے لئے ملک کی ریاست کی تمنا کرنا حرام ہے چہ جائے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے اور اس ولایت عظمیٰ کی باگ ڈور سنبھالے۔(۲)

امام جصاص رحمہ اللہ نے اس تمنا (آرزو) کے حکم کی وضاحت اس طرح کی ہے: ریاست کی تمنا کرنا عورتوں کے لئے ممنوع ہے، اور انہیں اسی چیز کی آرزو کرنی چاہئے جس کا وقوع ممکن ہو اور جس کا وقوع ممکن نہیں اس کی آرزو کرنا اس کے لئے منع ہے۔مثلاً یہ آرزو کرنا کہ وہ مرد ہوتی، یا خلافت اور امارت یا اس جیسے دوسرے امور کی تمنا کرنا جس کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ اس کے لئے نہیں ہے اور وہ نہ اس کے لائق ہے۔(۳)

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن (۱۷۹/۱۴)

(۲) دیکھئے:المرأة والحقوق السیا سیة فی الإسلام (ص:۱۷۲)

(۳) احکام القرآن للجصاص:۱۴۲/۳

حدیث سے دلیل: ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ جمل کے وقت ایک کلمہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فائدہ پہنچایا کہ جب نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی لڑکی کو اپنا سردار بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی بھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنا امیر ایک عورت کو بنایا''۔[1]

وجہ استدلال:

الاول: اس حدیث میں صراحت ہے کہ امامت عظمیٰ، وزارت، قیادت، ولایت عامہ، یا حاکم عام کی ذمہ داری عورت کو سونپنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اس حدیث کا تقدیری معنی یہ ہوا کہ ولایات عامہ میں سے کسی بھی چیز کی ذمہ داری عورتوں کے سپرد نہ کرو، اور ان میں سب سے اہم امامت عظمیٰ ہے۔[2] لہٰذا، اگر عورت نے امامتِ عظمیٰ کی ذمہ داری سنبھال لی تو امت فلاح و کامرانی سے بعید تر اور ہلاکت سے قریب تر ہوجائے گی کیوں کہ ایسے میں زمین کا اندرونی حصہ، باہری حصہ سے بہتر ہوجائے گا۔[3]

الثانی: حدیث عام ہے جو ہر قوم اور ہر عورت کو شامل ہے، اور ہر زمانہ اور ہر شہر و ملک کے لئے ہے۔

الثالث: حدیث میں غیر مسلموں کا تذکرہ ہے، اور کون سا نظام غیر اسلامی مراد ہے؟ کیونکہ اس حدیث کا سبب ورود یہ تھا کہ اہل فارس نے اپنے معاملات کا ذمہ دار ایک عورت کو بنایا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ غیر مسلم تھے اور ان کا نظام غیر اسلامی تھا، اس کے باوجود اللہ کے نبی ﷺ نے عدم فلاح کا اس پر حکم لگایا۔

لہٰذا یہ کہنا کہ ڈیموکریٹک یا غیر اسلامی نظام میں عورت کو حاکم بنایا جاسکتا ہے، درست نہیں۔

کیونکہ نبی ﷺ نے اہل فارس جو غیر مسلم تھے ان پر عدم فلاح کا حکم لگایا ہے لہٰذا مطلقاً عورت کی ولایت جائز نہ ہوگی۔[4]

---

(۱) بخاری: ۴/۲۲۲۱، ح: ۷۰۹۹

(۲) نیل الاوطار: ۸/ ۲۷۴

(۳) جوانب التعارض.....(ص: ۴۰)

(۴) ولایۃ المرءۃ فی الفقہ الإسلامی (ص: ۱۰۰)

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ، عورت ولایت کی اہل نہیں ہے اور نہ کسی قوم کے لئے جائز ہے کہ عورت کو اس کی ذمہ داری سونپے کیونکہ عدم فلاح والے معاملے سے اجتناب ضروری ہے۔ (۱)

اور ولایات عامہ کی تولیت میں عورت کی عدم فلاح کا حکم، اس کے اہم خصوصیات کی طرف لوٹے گا، اور وہ یہ کہ عورت اس کا تحمل نہیں کر سکتی اور نہ صبر کی اس کے اندر استطاعت ہے۔

۲- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''باوجود عقل اور دین میں ناقص ہونے کے میں نے تم (عورتوں) میں سے زیادہ کسی کو بھی ایک عقلمند اور تجربہ کار آدمی کو دیوانہ بنا دینے والا نہیں دیکھا''۔ (۲)

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے بتایا کہ عورتوں میں عقل اور دین ناقص ہوتا ہے اور خلافت اس بات کی متقاضی ہے کہ خلیفہ دین و عقل دونوں میں کامل ہوتا کہ لوگوں کے حکم کی ذمہ داری نبھانے پر قادر ہو اور شریعت کے مطابق امت کے معاملات کی تدبیر کر سکے، اور عدل کر سکے۔ (۳)

اور عورت کی نفسیات، مزاج اور اس کی جسمانی ساخت ان مشقتوں کو برداشت نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کے اندر تخلیقی اور تکوینی عوارض ہیں نیز کچھ خاص حالات اس کے تقاضے کے مطابق بار بار پیش آتے ہیں جیسے حیض، حمل، رضاعت، اولاد کی تربیت وغیرہ جو اس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کی طاقت، جسم اور عقل کو کمزور کر دیتے ہیں۔ (۴)

حدیث سے جو یہ ثابت ہے کہ ان کی عقل اور دین ناقص ہے، اس کا تعلق ان کی انسانیت سے نہیں ہے اور نہ اس کا تعلق ان کے ثابت شدہ حقوق پر اثر انداز ہونے سے ہے بلکہ اس کا تعلق حکومت اور دوسرے ولایات عامہ کی ذمہ داری سے ہے، اور عقل اور دین کا کمال، ولایت عامہ و مطلقہ کی صحت کے لئے شرط ہے ہر صاحب ولایت کے لئے اور عورت میں اس شرط کا فقدان اس بات کی خبر دیتا ہے

---

(۱) نیل الاوطار: ۹/ ۱۶۸

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۱۱۵، حدیث نمبر: ۳۰۴ صحیح مسلم (۱/ ۸۶، ح:۱۳۲) الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

(۳) إکلیل الکرامة فی تبیان مقاصد الإ مامة (ص:۱۰۹)

(۴) دیکھئے: ولایة المرأة فی الفقه الإ سلامی (ص:۱۲۹)

کہ عورت دینی اور دنیاوی سیاست اور ریاست عامہ کی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے عاجز ہے۔(۱)

خلاصۃ : اہل علم کا اتفاق ہے کہ امامت کے لئے مذکر ہونا شرط ہے لہٰذا امامت عظمیٰ کی ذمہ داری عورت پر حرام ہے نیز اس کے لئے کسی ملک یا حصہ کی امارت کا متولی ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ولایات عامہ میں سے ہے اور اس لئے بھی کہ عورت چھپانے اور گھر میں ٹھہرے رہنے پر مامور ہے۔

شاذ ونادر مثال: بہر حال اسلامی سیاسی تاریخ میں جو بعض واقعات مذکور ہیں کہ چند عورتوں نے حکومت کی تو وہ ایک شاذ، ناپسندیدہ اور انفرادی واقعات ہیں۔ جو امت کی غفلت اور سستی کے زمانہ میں پیش آئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلامی ممالک کے عوام کی رضامندی کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ بزور قوت، وراثت یا وصایت کی بنیاد پر خاص سیاسی و معاشرتی حالات کے تحت ہوا۔(۲)

انسانی تاریخ کے آغاز سے سیاسی امور کی زمامِ قیادت مردوں ہی کے ہاتھ رہی یہاں تک کہ 1593ء میں فارس کی پارلیمنٹ نے ایک تجویز منظور کر کے بڑے سیاسی عہدوں پر عورت کی تقرری تو دور رہی، کوئی بھی حکومتی منصب سونپنے سے انکار کر دیا۔(۳)

عالمی سیمینار و کانفرنس اور عورت کی منصب داری:

حالانکہ امتِ اسلامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ولایت عامہ کا منصب سنبھالنے کے لیے مرد کا ہونا شرط ہے، عورت کوئی ریاستی ذمہ داری یا وزارتی قلمدان نہیں سنبھال سکتی لیکن وقت وقت پر مختلف ناموں کے ساتھ منعقد ہونے والے سیمیناروں اور کانفرنسوں میں عورت کو سیاسی واقتصادی بلکہ ہر معیار کی منصب داریاں سونپنے، اسے مرد کے ساتھ حکومت میں حصہ دار بنانے اور اسے ریزرویشن دینے کی باتیں اٹھائی جاتی ہیں اور یہ سب اس نام پر ہوتا ہے کہ عورت کے مصالح وحقوق کی رعایت و حفاظت مقصود ہے۔

---

(۱) المرأة والحقوق السياسية فى الإسلام (ص:۱۸۶)
(۲) جوانب التعارض......(ص:۴۹-۵۱)
(۳) جوانب التعارض......(ص:۴۶)

ان کانفرنسوں کے خطرناک مقاصد و مضمرات:

بے شک ان کانفرنسوں میں جو قراردادیں پاس کی جاتی ہیں، وہ قانون الٰہی کے خلاف ہوتی ہیں۔ ان کانفرنسوں—اپنے الگ الگ ناموں کے باوجود—میں بہت سارے خطرناک مقاصد و مضمرات پوشیدہ ہوتے ہیں جن میں سے اہم ترین مضمرات درج ذیل ہیں:

۱—جو چیز مرد عورت کے درمیان مساوی ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ عورت کو ہر مجالِ حیات میں مرد کے برابر سمجھا جاتا ہے جیسے جنس میں اور اسے پوری آزادی دیئے جانے کی بات کہی جاتی ہے۔

۲—یہ کانفرنسیں اقوامِ متحدہ کے زیر اہتمام منعقد ہوتی ہیں اور عالم کاری کے نعروں اور ادبیات کو فروغ دیتی ہیں۔

۳—وہ دنیا کے بڑے سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی ملکوں کو اپنی پاس کی ہوئی قراردادوں کو نافذ کرنے کی ذمہ داری سونپتی ہیں۔

۴—وہ عالمی کانفرنسوں اور علاقائی مجلسوں سے جڑی ہوئی کڑی ہیں۔

۵—ان کا آخری مقصد یہ ہے کہ دنیا کی سماجی زندگی کو مغرب کے حیا سوز نقار خانوں کی رنگ آمیزی کا شکار بنا دیا جائے۔[۱]

۶—وہ انسانی سماج میں فرق و امتیاز کا ذرا بھی خیال نہیں رکھتی ہیں جو مذہب، تہذیب اور زبان وغیرہ کی آغوش سے معرضِ ظہور میں آتا ہے۔ وہ صرف یہی سمجھتی ہیں کہ جو قراردادیں منظور کی گئی ہیں، ان کے ہی ذریعہ عورت کی حفاظت، آزادی اور مال کی حفاظت کی ضمانت حاصل کی جا سکتی ہے۔

ان کانفرنسوں کی عام بنیادیں:

ہماری آنکھیں اس وقت دہشت اور خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں جب ہمارے سامنے ان خطرناک کانفرنسوں اور سیمیناروں کی حقیقت اور ان کے مضمرات کھل کر سامنے آتے ہیں۔

ان کے انعقاد کا اصل مقصد مرد کی طرح عورت کو بھی زندگی کے تمام شعبوں میں لا کر ٹھونس دینا

(۱) العدوان على المرأة فى المؤتمرات الدولية (ص:۴۰۱)

ہے۔اس ضمن میں وہ ان طبعی اور مذہبی امتیازات پر ذرا بھی دھیان نہیں دیتیں جو دونوں صنفوں میں واضح اور نمایاں ہیں۔وہ عورت کی فطری اور بنیادی ذمہ داری کو سمجھنے کی بھی کوشش نہیں کرتیں جو دراصل یہ ہے کہ عورت خاندان کی مالکن ہو اور اپنے بال بچوں کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری ان کے پیدا ہوتے ہی سنبھالے۔بہرحال!ان کی اہم بنیادیں درج ذیل ہیں:

۱-**الحاد و دہریت:** ان کانفرنسوں اور سیمیناروں کی قراردادوں کی ساری تان انسانی زندگی کو الحاد و دہریت کے شیشے میں اتارنے پر ٹوٹتی ہے۔اس سلسلے میں وہ اقوامِ متحدہ کے دستور و آئین پر انحصار کرتی ہیں۔

۲-ان کی قراردادیں آزادی کے مغربی نظریہ وفکر پر قائم ہوتی ہیں جس کی رو سے عورت کو بے لگام چھوڑ دینا ہی اس کی حقیقی آزادی ہے اور اسے شادی کے بندھن میں باندھنے کی کوشش نہیں کی جانی چاہئے اور اپنے من کے مطابق جنسی تعلقات قائم کرنے کی پوری آزادی ملنی چاہئے۔اس کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغربی عورت آج اپنی نسوانیت اور مقام کھو چکی ہے۔بیوی اور گھر کی مالکن کی حیثیت کھو چکی ہے۔وہ چراغ خانہ نہ رہ کر شمع محفل اور مردوں کی ہوس رانی کا ذریعہ اور ان کے ہاتھوں کا کھلونا بن چکی ہے جس سے پورا مغربی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار ہو گیا ہے۔

۳-عالم کاری جسے انسانیت کا نام دیا گیا ہے: یہ ایسا نعرہ ہے جسے اقوامِ متحدہ نے اٹھایا اور بلند کیا ہے۔اس کا مرکز انسان، اس کے معاملوں کا طریقہ اور اس کے حقوقِ انسانی کو مغربی نظریات کے مطابق، مذہب سے بالکل الگ رکھتے ہوئے دلانا ہے۔[1] بلکہ اس کے عقیدہ وفلسفہ کے مطابق انسانی زندگی کو مذہب کی قید سے پوری طرح آزادی دلانا ہے۔

---

(۱) العدوان علی المرأة...... (ص:۴۰۱-۴۰۲)

دوسری فصل

وزارت

اس میں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث : مرد کو وزارت کی ذمہ داری دینے کا حکم

دوسری بحث : عورت کو وزارت کی ذمہ داری دینے کا حکم

پہلی بحث

مرد کو وزارت کی ذمہ داری دینے کا حکم

مرد، وزارت اور اس کے علاوہ تمام کاموں کی ذمہ داری سنبھالے گا کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء اسلام اور سلف صالحین نے تفویضی اور تنفیذی ہر دو اعتبار سے عملاً ساری ذمہ داریاں مرد ہی کو دی تھیں۔

دلائل: یہاں پر دلائل کی ضرورت نہیں کیوں کہ سورج کو چراغ دکھانا، عقل وخرد سے پرے کی بات ہے۔ اس مقام پر جو دلائل پیش کیے جا رہے ہیں، وہی بہت کافی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاجْعَل لِّيْ وَزِيْراً مِّنْ أَهْلِيْ. هَارُوْنَ أَخِيْ. اشْدُدْ بِهِ أَزْرِيْ. وَأَشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِيْ"

''اور میرے لیے اپنے گھر والوں میں سے ایک معاون مقرر کر دے، ہارون کو جو میرا

بھائی ہے، اسکے ذریعہ میری کمر مضبوط کردے اور میرے کام میں اسے شریک کردے۔''

(طه: ۲۹-۳۲)

وجه استدلال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وزارت کی ذمہ داری اپنے بھائی کو دی۔ اپنی بہن جو حسن اخلاق اور عقل وتمیز میں مشہور تھیں، کو نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وزارت کی ذمہ داریاں عورت کو نہیں، مرد کو دی جائیں گی کیوں کہ شریعت کا یہی حکم ہے اور یہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔ [۱]

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرد، عورت سے زیادہ نفع بخش ہے۔ جس طرح ایک مرد، مذہبی ذمہ داری، سرداری، سرحدی حفاظت، جہاد، زمین کی آبادی اور دوسرے تجارتی امور صحیح طریقے سے انجام دے سکتا ہے، عورت نہیں دے سکتی نیز وہ دین ودنیا کی مشکلات کا دفاع بھی صحیح طور پر نہیں کرسکتی۔ [۲]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ذمہ داریاں ایسے شخص کو سونپی جانے لگیں جو ان کے لیے موزوں نہیں تھیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ [۳]

وجــه اسـتدلال: حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ذمہ داریاں جن کا تعلق مذہب، خلافت سرداری، وزارت اور انصاف سے ہو تو وہ صرف مرد کو سونپی جائیں گی، عورت کو نہیں۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ اللہ اور اس کے رسول سے دھوکا ہوگا کیوں کہ ایسی صورت میں امانت برباد ہو جائے گی۔ یہ قیامت کی آمد کی نشانی ہے اور ایسا ہونے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا چاہئے۔

---

(۱) دیکھئے: المرأة والحقوق السياسية في الإ سلام (ص:۳۲۰)
(۲) أعلام الموقعين (۱۶۸/۲)
(۳) صحيح بخاری (۴۵/۱، ح:۵۹)

دوسری بحث

عورت کو وزارت کی ذمہ داری دینے کا حکم

جمہور قدیم وجدید فقہاء وعلماء کے نزدیک عورت کو وزارت کی ذمہ داری سونپنا حرام ہے چاہے اس کی نوعیت تفویضی ہو یا تنفیذی۔

''حالانکہ اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں عورت کو اس کے حقوق عطا کیے ہیں لیکن وزارت کی ذمہ داریوں سے اسے عہدہ برآ رکھا ہے کیوں کہ وہ عزم، قدرت، تجربہ اور عوام سے براہِ راست اختلاط کی متقاضی ہیں اور یہ شرطیں عورت میں نہیں پائی جاتیں کیوں کہ اس کی تکوینی طبیعت ومزاج دوسری قسم کے اعمال ووظائف کی خواستگار ہے۔ اسی بنیاد پر عورت، خلافت کی ذمہ داری سنبھال نہیں سکتی اور نہ وزارتِ تفویض وتنفیذ سنبھال سکتی ہے کیوں کہ یہ اعمال ولایت کا معنی اپنے اندر رکھتے ہیں۔''(۱)

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''مرد عورت کی زندگی کا قوام ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مرد، عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔'' (النساء:۳۴)

وجہ استدلال: جب عورت اپنے گھر کا قوام نہیں بن سکتی تو ولایات عامہ کا قوام بدرجہ اولیٰ نہیں بن سکتی خواہ وہ تفویضی ہوں یا تنفیذی۔ یہ نص اچھی طرح ثابت کر دیتی ہے کہ ریاست وملک کے اہم مناصب عورت کو نہیں دیئے جا سکتے۔(۲)

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور تم اپنے گھروں میں رہو۔'' (الأحزاب:۳۳)

(۳) مزید ارشاد ہے: ''اور جب تم ان سے (ازواجِ مطہرات سے) کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔'' (الأحزاب:۵۳)

---

(۱) نظام الحکم فی الإ سلام از ڈاکٹر محمد فاروق النبہان (ص:۵۰۲)

(۲) نظریۃ الإسلام وھدیه (ص:۳۱۶)

وجہ استدلال: اصل یہ ہے کہ عورت اپنے گھر میں رہے اور بغیر ضرورت کے باہر نہ نکلے کیوں کہ اسے حجاب کا حکم دیا گیا اور مردوں سے اختلاط سے منع کیا گیا ہے جبکہ ولایات عامہ کا منصب شدت سے اس بات کا متقاضی ہے کہ عوام سے اختلاط ہو، ان سے رائے مشورہ لیا جائے جبکہ یہ امور شریعت میں عورت کے لیے حرام ہیں۔ مزید براں، عورت باعتبار عقل اتنی ناقص ہے کہ وہ اپنا نکاح بھی خود نہیں کر سکتی تو بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ اسے وزارتوں کا قلمدان تھما دیا جائے؟[1]

''بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کے بہت سارے غیر مسلم ممالک بھی عورت کو وزارت کا قلمدان تھمانے سے منع کرتے ہیں کیوں کہ اسے راتوں میں کچھ امور انجام دینے کے لیے آنا ہوگا جو شوہر اور اولاد کے حق سے مار کر اسے انجام دینا ہوگا نیز اس سے فیملی کے اندر تلخیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جب وزارت کا کام اسے ممنوعہ خلوت میں کرنا ہوتا ہے۔''[2]

(۴) ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنی حکومت عورت کو سونپ دی۔[3]

وجہ استدلال: وزارت، ولایت کے معنی کو شامل ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ولایت عامہ سے عورت کو دور رکھنے کا جو حکم دیا ہے، اس سے قطعی طور پر حاضر و مستقبل میں اس کے حرام ہونے کی بات ثابت ہوتی ہے۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ذمہ داری نالائق شخص کو سونپی جانے لگی تو قیامت کا انتظار کرو۔[4]

وجہ استدلال: خاتون کو وزارت کا قلمدان سونپنا، علامتِ قیامت بتایا گیا ہے۔

(۶) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) نظام الوزارة فی الدولة الإسلامية (ص:۱۰۲)

(۲) مكانة المرأة بين الإسلام والقوانين العالمية (ص:۱۰۷)

(۳) بخاری (۲۲۲۱/۴، ح:۷۰۹۹)

(۴) بخاری (۲۰۳۷/۴، ح:۶۴۹۶)

فرمایا: تم اپنے آپ کو عورت کے پاس جانے سے بچاؤ۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عورت کے پاس جانے کا مطلب اس سے تنہائی میں ملنا ہے۔(۲)

(۷) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے اگر اس کے ساتھ کوئی محرم نہیں۔(۳)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجنبی مرد کا اجنبی عورت سے بغیر کسی محرم ثالث کے ملنا حرام ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے۔(۴)

وجہ استدلال: دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مرد کے لیے عورت کے پاس جانا اور تنہائی میں اس سے ملنا حرام ہے۔ اب اگر عورت کو کوئی ریاستی ذمہ داری دی گئی تو ظاہر ہے، مرد اس کے پاس یقیناً آئیں گے اور اسے دوسرے ممالک کے وزراء سے بھی ملنا ہوگا اور اس کے لیے اسے بغیر محرم کے سفر بھی کرنا پڑے گا اور یہ ساری چیزیں فتنہ وفساد کی جڑ ہیں۔

عورت کی وزارت اور عالمی کانفرنس:

موجودہ زمانہ میں نہایت شد ومد کے ساتھ یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ عورت کو وزارت اور سیاست میں حصہ دار بنایا جائے بلکہ اسے مرد کی طرح زندگی کے ہر شعبہ میں داخل کیا جائے۔ ان نعروں کو عورت کی بھلائی کا پیش خیمہ تصور اور باور کرایا جارہا ہے۔ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں، جب ہم ان سے پرے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اقوامِ متحدہ کی طرف سے جو کانفرنسیں کی جاتی ہیں، ان میں بھی عورت کو زندگی کے ہر شعبہ میں حصہ دار بنائے جانے پر ابھارا جاتا ہے جس میں وزارت و ولایت بھی شامل ہے۔ ظاہر ہے، یہ اسلام کے تصور کے سراسر خلاف ہے اور اس کی روح کے منافی ہے اور ہمیں ان کی کارستانیوں سے واقف رہنا چاہیئے۔

---

(۱) بخاری (۳/۱۶۸۲، ح:۵۲۳۲)، مسلم (۴/۱۷۱۱، ح:۲۱۷۲)

(۲) فتح الباری (۹/۳۳۱)

(۳) بخاری (۳/۱۶۸۲، ح:۵۲۳۳)، مسلم (۲/۹۷۸، ح:۱۳۴۱)، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

(۴) شرح مسلم للنووی (۹/۱۰۹)

تیسری فصل

قضاء کے بارے میں

اس میں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث : مرد کے لئے قاضی بننے کا حکم

دوسری بحث : عورت کے لئے قاضی بننے کا حکم

پہلی بحث

مرد کیلئے قاضی بننے کا حکم

قضاء کی تعریف: قضا کہتے ہیں شرعی حکم کے مطابق خصومات کا تصفیہ کرنا ''علی سبیل الالزام''۔(۱)

مرد کیلئے قاضی بننے کا حکم: مرد منصب قضاء کا والی ہوگا، نیز تمام ولایات عامہ کا مرد ذمہ دار ہوگا بالاتفاق۔ کیونکہ قضاء کمال کی صفت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے رسول ﷺ کے سپرد کیا، فرمایا:

﴿فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّیَ یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُواْ فِیْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُواْ تَسْلِیْماً﴾(النساء:۶۵)

---

(۱) نظریةالدعوی بین الشریعة الإسلامیة وقانون......از محمد نعیم یاسین (۴۷/۱)

''سوقسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر آپ جو فیصلہ کر دیں اس میں کسی طرح کی تنگی نہ محسوس کریں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کرلیں'' اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ منصب انبیاء کو سپرد کیا تھا۔ چنانچہ داوٗد علیہ السلام کے متعلق ارشاد تعالیٰ ہے: ﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ﴾ (ص: ٢٦) ''اے داوٗد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا لہذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کی اتباع نہ کرو''۔

قضاء کیلئے کمال شرط ہے۔ اسی لئے اللہ کے نبی ﷺ نے منصب قضاء کامل صحابہ کرام کو تفویض کیا چنانچہ حضرت علی اور معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور ایسا ہی آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے بھی کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت شریح رحمہ اللہ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا اور کعب بن سوار رحمہ اللہ کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا، اور ابو عبیدہ و معاذ رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر حکم دیا کہ شام کا منصب قضاء قبول کریں۔ (۱)

دلائل: (۱) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں۔ جو قاضی جنت میں جائیگا یہ وہ آدمی ہے جس نے حق کو جانا اور حق کے ساتھ انصاف کیا، دوسرا قاضی وہ ہے جس نے حق کی معرفت حاصل کی لیکن حق کے ساتھ فیصلہ نہیں کیا، یہ جہنم میں جائیگا اور تیسرا قاضی وہ ہے جس نے جہالت سے لوگوں میں فیصلہ کیا، یہ بھی جہنمی ہے۔ (۲)

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے اس حدیث میں قاضیوں کی تین قسمیں بتائی ہیں، جو سب کے سب مرد ہی ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی صرف مرد ہی ہوں گے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کو

---

(۱) المغنی: ۱۰/ ۹۱

(۲) سنن ابو داود: ۳/ ۲۹۹، ح: ۳۵۷۳ علامہ البانی نے اسے صحیح سنن ابی داود (۲/۳۹۱، ح:۳۵۷۳) میں صحیح قرار دیا ہے۔

منصب قضاء تفویض کیا گیا یا لوگوں کا قاضی مقرر کیا گیا تو وہ بغیر چھری کے ہی ذبح کر دیا گیا۔[۱]

وجہ استدلال: قاضی کا لفظ مردوں کیلئے بولا جاتا ہے نہ کہ عورتوں کیلئے۔

(۳) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دوہرا ثواب ملتا ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے اکہرا ثواب ملتا ہے۔[۲]

وجہ استدلال: لفظِ حاکم مردوں کیلئے بولا جاتا ہے نہ کہ عورتوں کیلئے۔

---

(۱) سنن الترمذی: ۳/ ۶۱۴، ح: ۱۳۲۵، علامہ البانی نے اسے "صحیح سنن الترمذی" (۲/۶۵، ح:۱۳۲۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) صحیح بخاری: (۴/۲۲۹۲، ح:۷۳۵۲)، صحیح مسلم:(۳/۱۳۴۲، ح:۱۷۱۶)

دوسری بحث

عورت کے لئے قاضی بننے کا حکم

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کو مطلقا قاضی بنانا جائز نہیں ہے، اگر چہ ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ حکم کے نفاذ اور تقلید کی صحت کے لئے مذکر (مرد) ہونا شرط ہے، اور اگر عورت قضاء کی ذمہ دار بنائی گئی تو بنانے والا گنہ گار ہوگا، اور اس کی یہ ولایت منعقد نہیں ہوگی، اور اگر اس (عورت) سے کوئی ایسا فیصلہ صادر ہو گیا جو صحیح نہیں ہے تو اس فیصلہ کو لوٹایا جائے گا۔ مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور اکثر حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔

دلائل: (ا) اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ** ﴾(النساء: ٣٤)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے''۔

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ میں مرد کی حاکمیت وقوامیت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک وہی ہے جو مردانہ قوت ودماغی صلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے خلقی طور پر ممتاز ہے۔ دوسری وجہ کسبی ہے، جس کا مکلّف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری اور مخصوص تعلیمات کی وجہ سے جو اسلام نے عورت کی عفت وحیاء اور اس کے تقدس کے تحفظ کے لئے ضروری بتلائی ہیں، عورت کو معاشی جھمیلوں سے دور رکھا ہے۔ عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص قطعی بالکل واضح ہے۔

آیت کریمہ اس بات کا فائدہ دے رہی ہے کہ قوام صرف مرد ہی ہوں گے، کیوں کہ عورتوں کی دیکھ ریکھ کے ذمہ دار مرد ہی ہیں، نیز مرد عقل اور رائے میں عورت سے برتر ہیں، اور عورت کو قاضی بنا

دینا گویا انہیں ولایت اور قوامیت سپرد کردینا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی اس بات کے خلاف ہے کہ: ﴿... أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ...﴾ (البقرة : ۲۸۲) ''تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے''۔

وجہ استدلال : چونکہ عورت ضبط اور فہم میں ناقص ہوتی ہے اس لئے واقعات اور دلیلوں کا استقصاء نہیں کر پاتی، اور یہ محل نسیان ہے، چونکہ عورت کی بھول چوک سے متخاصمین کے حقوق ضائع ہوں گے لہذا اس سے واضح ہوا کہ عورت منصب قضاء کی اہل نہیں ہے۔

(۳) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ قوم کبھی بھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات کا ذمہ دار کسی عورت کو بنایا ہو''۔(۱)

وجہ استدلال : عورت کو ولایات عامہ سے باز رکھا جائیگا، اور ولایات عامہ ہی میں سے منصب قضاء بھی ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے پیشین گوئی کی ہے کہ جو لوگ ولایات عامہ عورت کے سپرد کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے، اور جو چیز عدم فلاح کی موجب ہو اس سے اجتناب واجب ہے، لہذا امامت پر قیاس کرتے ہوئے منصب قضاء سے بھی عورت کو روکا جائے گا کیونکہ دونوں کی علت ایک ہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نفی فلاح سے زیادہ شدید وعید دوسری کوئی ہو ہی نہیں سکتی اور سب سے اہم امر اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ لہذا وہ بدرجہ اولیٰ داخل ہوگی۔(۲)

(یعنی عورتوں کو منصب قضاء نہیں سونپا جاسکتا اس وجہ سے کہ حدیث میں ''ولوا امرهم'' آیا ہے اور امر میں سب سے اہم امر منصب قضاء ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کی صفت یہ بتلائی کہ وہ: ''ناقصاتِ عقل اور دین ہوتی ہیں''۔(۳)

---

(۱) بخاری (۲۲۲۱/۴، ح:۷۰۹۹)

(۲) السیل الجرار (۲۷۳/۴)

(۳) بخاری (۱۱۵/۱، ح:۳۰۴)

وجہ استدلال : جواس وصف (عقل اور دین میں نقصان) سے متصف ہو، وہ قاضی بننے کے لائق نہیں ہے، اور نہ وہ اس قابل ہے کہ متخاصمین کے مابین شریعت اور عدالت کے مقتضاء کے موافق فیصلہ کر سکے کیونکہ قاضی کمال رائے اور کامل ذہانت کا محتاج ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اسے زندگی کے معاملات کا کامل ادراک ہو اور خصومتی حیلوں سے مکمل طور پر واقف ہو۔

(۵) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، اللہ کے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں۔ جو قاضی جنت میں جائیگا یہ وہ آدمی ہے جس نے حق کو جانا اور حق کے ساتھ انصاف کیا، دوسرا قاضی وہ ہے جس نے حق کی معرفت حاصل کی لیکن حق کے ساتھ فیصلہ نہیں کیا، یہ جہنم میں جائیگا اور تیسرا قاضی وہ ہے جس نے جہالت سے لوگوں میں فیصلہ کیا، یہ بھی جہنمی ہے۔[۱]

وجہ استدلال : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے منصب قضاء کو صرف مردوں کے لئے محدود کیا ہے کیونکہ قاضی کے لئے مردوں کی محفلوں میں آنا ضروری ہے اور مدعی و مدعا علیہ کے دعووں اور دلیلوں کو سننا واجب ہے، نیز گواہوں کی شہادت اور فقہاء کے ساتھ مناقشہ لازمی ہے اور یہ صورت حال عورتوں کی حالت کے خلاف ہے۔ نیز خلفاء راشدین اور تابعین کرام میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے کسی عورت کو قاضی بنایا ہو حالانکہ اس وقت عظیم صحابیات بقیدِ حیات تھیں اور وہ علومِ اسلامیہ میں ماہر تھیں جیسے عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی شاگردہ فاطمہ رحمہا اللہ وغیرہ اگر عورت کو قاضی بنانا درست ہوتا تو وہ ایسا ضرور کرتے۔[۲]

اسی طرح، عالمِ اسلام کی تاریخ میں بھی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جبکہ قضاۃ کی اکثریت حنفی مسلک سے تعلق رکھتی تھی تاہم انہوں نے بھی کبھی کسی عورت کو قاضی نہیں بنایا۔[۳] آج بھی اکثر ممالک میں

---

(۱) سنن ابو داود: ۳/ ۲۹۹، ح ۳۵۷۳، یہ حدیث صحیح ہے، دیکھئے: صحیح سنن ابی داود"۔

(۲) مواهب الجليل (۴/۲۰۲)

(۳) جوانب التعارض...(ص:۴۳)

عورت چیف جسٹس یا قاضیہ نہیں ہے۔ ایسا بیسویں صدی کی اَسّی (۸۰) کی دہائیوں میں ہوا کہ یورپ اورامریکا کی بعض خواتین قاضی بنیں۔[۱]

عالمی کانفرنس اور عورت کو قاضی بنائے جانے کا مطالبہ:

آج کے دور میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنسوں جن کو الحادی قوتوں کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے، میں یہ مطالبہ زوروشور سے اٹھایا جاتا ہے کہ عورت کو زندگی کے ہر میدان میں مرد کے مساوی حقوق دیئے جائیں اور انہیں نعروں میں سے ایک نعرہ یہ بھی ہے کہ عورت کو منصبِ قضا میں بھی ریزرویشن حاصل ہو۔

(۱) جوانب التعارض...(ص:۴۳-۴۴)

چوتھی فصل

شہادت کے بارے میں

اس میں چار مباحث ہیں:

پہلی بحث : سزاؤں میں گواہی

دوسری بحث : اموال میں گواہی

تیسری بحث : سزاؤں اوراموال کے ماسوامیں گواہی

چوتھی بحث : عوروں کی ان معاملات میں گواہی جن پروہ مطلع ہوسکتی ہیں

پہلی بحث

سزاوں میں گواہی کے بیان میں

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلامطلب : سزاوں میں مرد کی گواہی

دوسرامطلب : سزاوں میں عورت کی گواہی

پہلا مطلب

سزاؤں میں مرد کی گواہی

علماء کا اتفاق ہے کہ حدود اور قصاص میں مرد کی گواہی قبول کی جائے گی۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا قول ہے:﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُواْ عَلَيْهِنَّ أَرْبَعةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُواْ فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّهُ لَهُنَّ سَبِيلاً﴾(النساء:۱۵)

''تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو، اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو، یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کردے یا اللہ تعالیٰ ان کیلئے کوئی اور راستہ نکالے''۔

وجہ استدلال: ثبوتِ زنا کی گواہی کا نصاب چار مرد گواہ ہیں کیونکہ عدد کو مونث کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے (اربعة) اور اللہ تعالیٰ کا قول (منکم) یعنی مسلمان مردوں میں سے۔[۱]

چار گواہوں کی شرط کی حکمت: یہ ہے کہ دعوی کرنے والے پر سختی اور بندوں کے معاملات کو چھپانا۔

نوٹ: (یہاں یہ بھی یاد رہے کہ عربی زبان میں ایک سے دس تک کی گنتی میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ عدد مذکر ہوگا تو معدود مونث اور عدد مونث ہوگا تو معدود مذکر۔ یہاں ''اربعة'' یعنی چار کا عدد مونث ہے اس لئے اس کا معدود جو یہاں ذکر نہیں کیا گیا، اور محذوف ہے یقیناً مذکر آئے گا۔ اور وہ ہے رجال یعنی اربعة رجال۔ جس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اثباتِ زنا کیلئے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ گویا جس طرح زنا کی سزا سخت مقرر کی گئی ہے، اسی طرح اس کے اثبات کیلئے گواہوں کی بھی کڑی شرط عائد کردی گئی یعنی چار مسلمان مرد عینی گواہ۔ اس کے بغیر شرعی سزا کا اثبات ممکن نہیں ہوگا)۔''

(۱) دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن: ۵/ ۸۳

(۲) اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿لَوْلَا جَاؤُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاء فَأُولَئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾(النور:۱۳)

"وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں۔"

وجہ استدلال: آیت کریمہ میں شہادت زنا کے بیان کیلئے چار مرد گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے اور مرد کی تعیین اس لئے ہوتی ہے کہ عدد (بِأَرْبَعَة) مونث ہے۔

(۳) اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ﴾(النور:٤)

"جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ"۔

وجہ استدلال: ثبوتِ زنا کیلئے چار مرد گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھوں تو کیا میں چار گواہوں کے ڈھونڈھنے تک اسے مہلت دیئے رہوں گا؟ تو آپ نے جواب دیا: "ہاں۔"(۱)

وجہ استدلال: جرم زنا کے ثبوت کیلئے اس حدیث میں چار مرد گواہ کی شرط رکھی گئی ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: "اسلام میں سب سے پہلا لعان یہ تھا کہ ہلال بن امیہ نے شریک بن سحماء پر اپنی عورت کے ساتھ زنا کرنے کا الزام لگایا، وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ کی خبر دی۔ تو آپ نے ان سے کہا: چار گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف کی حد لگائی جائے گی"۔(۲)

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے اس حدیث میں ثبوتِ زنا کیلئے چار مرد کی گواہی کی شرط لگائی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۱۱۳۵، ح:۱۴۹۸

(۲) سنن النسائی ۶/ ۱۷۲، ح: ۳۴۶۹، علامہ البانی نے "صحیح سنن النسائی" (۲/ ۴۹۲، ح:۳۴۶۹) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا مطلب

سزاؤں میں عورت کی گواہی

حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے، چاہے یہ گواہی خود اس کے اپنے حق میں ہو یا دوسرے کے اور چاہے وہ مردوں کے ساتھ ہو یا تنہا (گواہی میں) یہی جمہور کا مذہب ہے اور ائمہ اربعہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّهُ لَهُنَّ سَبِيلاً﴾ (النساء: ۱۵)

''تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو، اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو، یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کردے یا اللہ تعالیٰ ان کیلئے کوئی اور راستہ نکالے''۔

وجہ استدلال: آیت کریمہ کا مفہوم اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کی گواہی نامقبول ہے، کیونکہ عدد کا لفظ (اربعۃ) مونث ہے۔ اور اگر حدود وقصاص کی گواہی کے جواز میں عورت بھی مرد کی شریک ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس پر آگاہ کرتے اور وضاحت کرتے، اگرچہ ایک ہی جگہ سہی!

(۲) اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿لَوْلَا جَاؤُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاء فَأُوْلَئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾ (النور: ۱۳)

''وہ اس بہتان پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ

یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں''۔

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ میں ثبوتِ زنا کیلئے چار مرد گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے، اوراس کا مفہوم مخالف اس بات کی دلیل ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی نامقبول ہے، اگر عورتوں کی گواہی بھی مقبول ہوتی تو شارع حکیم (اللہ تعالیٰ) یہ شرط نہ لگاتے۔

(۳) اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ﴾ (النور: ۴)

''جولوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کرسکیں تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ''۔

وجہ استدلال: آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ میں اربعۃ شہداء کا لفظ آیا ہے جس سے مراد صرف مرد حضرات ہی ہوسکتے ہیں۔

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا لعان یہ تھا کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کے بارے میں شریک بن سحماء پر زنا کا الزام لگایا اور آپ ﷺ کو آکراس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: چار گواہ لاؤ ورنہ تمہارے اوپر حد قذف نافذ ہوگی۔[1]

وجہ استدلال: حدیث کریم کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس حدیث میں مردوں کی گواہی کی صراحت کی ہے نہ کہ عورتوں کی۔

کتاب وسنت کی ان دلیلوں میں اس بات کی وضاحت ہے کہ خطاب ان تمام آیات واحادیث میں مردوں کو ہے نہ کہ عورتوں کو۔

سزاوں میں عورتوں کی گواہی کی عدم قبولیت کی حکمت

شریعت اسلامیہ نے سزاؤں کی شہادت میں مرد وعورت کے مابین چند حکمتوں کی بنا پر فرق رکھا ہے۔جن میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سنن النسائی (۶/۱۷۲، ح:۳۴۶۹)

(۱) یہ جرم بہت بڑا ہے، لہٰذا اموال کے بالمقابل اس میں زیادہ احتیاط برتی گئی ہے، اسی لئے شارع حکیم نے اس کے ثبوت کے طریقوں میں سختی برتی ہے مثلاً زنا کا جرم ایک قبیح اور عظیم جرم ہے اس کے ثبوت کے لئے کچھ معینہ شرطیں لاگو کی گئی ہیں، جیسے چار آزاد عادم مردوں کی گواہی جو فعل زنا کو باریک بینی اور وضاحت کے ساتھ بیان کر سکیں۔

(۲) حدود اور قصاص شبہات سے رفع ہو جاتے ہیں برخلاف بقیہ حقوق کے کہ وہ شبہات سے زائل نہیں ہوتے، اور عورت کی گواہی قتل وغیرہ میں شبہات سے خالی نہیں ہے، کیونکہ عورت وصف جرم کو کما حقہ ثابت نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کی نفسانی حالت ایسی نہیں ہے، اس لئے کہ سہو، نسیان اور غفلت اس کی فطرت میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلاَ يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّهَ رَبَّهُ وَلاَ يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئاً فَإن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهاً أَوْ ضَعِيفاً أَوْ لاَ يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاء أَن تَضِلَّ إْحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى وَلاَ يَأْبَ الشُّهَدَاء إِذَا مَا دُعُواْ وَلاَ تَسْأَمُوْاْ أَن تَكْتُبُوْهُ صَغِيراً أَو كَبِيراً إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللّهِ وَأَقْومُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَى أَلاَّ تَرْتَابُواْ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلاَّ تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوْاْ إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلاَ يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلاَ شَهِيدٌ وَإِن تَفْعَلُواْ فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّهُ وَاللّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾(البقرہ:۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے، کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے، پس اسے بھی لکھ دینا

چاہیے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرلو، تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے، اور گواہوں کو چاہیے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔ خرید وفروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کرلیا کرو، اور (یاد رکھو کہ) نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

(۳) جن اسباب سے حدود اور قصاص وغیرہ واجب ہوتے ہیں ان پر اکثر مرد ہی مطلع ہوتے ہیں، اور جن پر اکثر مرد ہی مطلع ہوتے ہوں ان معاملات میں عورتوں کی گواہی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہی جمہور علماء کی رائے ہے، اس لئے کہ اصل حکم یہ ہے کہ عورت گھر ہی میں رہے۔

(۴) عورت کو سزاؤں میں گواہی دینے سے دور رکھنا، شریعت کی طرف سے اس پر رحمت ہے، اس کو ایسی ذمہ داری سے بچانا ہے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتی۔

(۵) اسلام میں گواہی دینا کوئی حق نہیں کہ لوگ اس کے لیے ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی ہوڑ لگائیں۔ یہ کوئی تکریم نہیں بلکہ ایک بوجھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ گواہی دینے سے دور بھاگتے ہیں۔ دوسری طرف، اللہ تعالیٰ نے گواہی چھپانے سے بھی منع کیا ہے کیوں کہ اس میں حقوقِ انسانی کی پامالی ہے (دیکھئے البقرہ: ۲۸۳)۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ گواہی دینا ایک عظیم ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری سے اللہ تعالیٰ نے عورت کو اپنے خاص فضل وکرم سے معاف رکھا ہے۔

دوسری بحث

اموال میں گواہی

اس میں دو مطالب ھیں:

پہلا مطلب : اموال میں مرد کی گواہی

دوسرا مطلب : اموال میں عورت کی گواہی

پھلا مطلب

اموال میں مرد کی گواہی

اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اموال اور جن اشیاء سے اموال حاصل کیے جاتے ہیں، ان میں مرد کی گواہی قابلِ قبول ہے جیسے اعیان، قرضہ جات اور مالی معاہدے وغیرہ۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یایھا الذین آمنوا إذاتدا یَنتُم بدین إلی أجل مُسَمیً—و اسُتَشُھدو اشھیدین من رجالِکُم."

وجہ استدلال: آیت کریمہ میں ادھار لیے گیے مال پر گواہی کے لیے دو مردوں کا ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔ اسی پر خرید وفروخت کے مال، ضمانتی مال اور مالی حقوق جیسے اختیار اور مدت کو قیاس کیا جائے گا۔

دوسرا مطلب

اموال میں عورت کی گواہی

اس میں بھی علماء کا اتفاق رائے ہے کہ اموال کے معاملات میں مرد کے ساتھ عورت کی گواہی بھی معتبر مانی جائے گی۔ان اشیاء میں بھی جن سے مال کے حصول کا قصد کیا جاتا ہے جیسے اعیان، قرضہ جات اور مالی معاہدات وغیرہ۔

لیکن جمہور فقہاء جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں، نے اموال میں عورت کی گواہی کی معتبریت کے لیے دو شرطیں لگائی ہیں:

(۱) ایک اکیلی عورت کی گواہی نہیں مانی جائے گی خواہ انفرادی طور پر عورت کی کتنی ہی بڑی تعداد کیوں نہ ہو۔

(۲) دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر متصور ہوگی۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اپنے دو آدمیوں کو گواہ کرلو، اگر دو مرد نہ ملیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں۔'' (البقرہ:۲۸۲)

وجہ استدلال: آیت کریمہ میں ایک مرد کے بالمقابل دو عورتوں کو گواہ بنانے کی بات کہی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کی گواہی کے برابر مانی جائے گی اور انفرادی طور پر ایک ایک عورت کی گواہی ناکافی ہوگی چاہے وہ تعداد میں کتنی ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایک عورت کی گواہی، مرد کی گواہی کا آدھا نہیں مانی جاتی؟ عورتوں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں! فرمایا: یہی ہے ان کے ناقصِ عقل ہونے کی دلیل۔[1]

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) بخاری (۸۰۳/۲)، حدیث نمبر (۲۶۵۸)

فرمایا: رہی بات عورت کے ناقص العقل ہونے کی تو اس کی دلیل یہ ہے کہ دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔ (۱)

وجہ استدلال: یہ حدیث ایک زمینی قضیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو مالی قضیہ تھا۔ اس میں عورت کی گواہی قابلِ قبول ہے نیز یہ حدیث ایک جہت سے عورت کی گواہی کی معتبریت پر دال ہے اور دوسری جہت سے دوعورتوں کی گواہی کے ایک مرد کی گواہی کے برابر ہونے پر۔

اموال میں عورت کی گواہی کے اعتبار کی حکمت:

امام قرطبی رحمہ اللہ، عورت کی گواہی کے اعتبار کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے ساتھ دوعورتوں کی گواہی کو دو مردوں کی موجودگی کے باوجود جائز قرار دیا ہے اور دوسرے معاملات جیسے حدود وقصاص وغیرہ، میں اس کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور نے خاص طور پر مالی معاملات میں عورت کی گواہی کو اس شرط کے ساتھ معتبر قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ ایک مرد بھی لازماً ہو۔

یہ صرف مالی معاملات میں اس لیے جائز ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے حصولِ مال کے بے شمار ذرائع ووسائل پیدا فرمائے ہیں لہٰذا اس کے اندر یقین اور سچائی کی وجہ کو برقرار رکھنے کے لیے لکھنے کا حکم دیا تو کبھی گواہی دلائی اور کبھی گروی رکھنے کی بات کی اور ان سب میں مرد کے ساتھ عورت کی گواہی کو بھی جگہ دی ہے۔ (۲)

ابن عاشور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک دوسرا مقصد بھی نہاں ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد اس بات کے عادی بن جائیں کہ عورت کو زندگی کے معاملات میں شریک کریں کیوں کہ زمانۂ جاہلیت میں اسے معاملات زندگی میں سرے سے کوئی شراکت دی ہی نہیں جاتی تھی لہٰذا، اللہ تعالیٰ نے دوعورتوں کو ایک مرد کے برابر ٹھہرایا۔ (۳)

---

(۱) مسلم (۱/۸۷، ح:۷۹)

(۲) الجامع لأحکام القرآن (۳/۳۹۱)

(۳) التحریر والتنویر (۲/۵۷۴)

عورت کی گواہی کو نصف قرار دینے کی حکمت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کے ہر حکم میں کوئی نہ کوئی حکمت وعلت پوشیدہ ہوتی ہے جو کبھی علماء پر ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی ظاہر نہیں بھی ہوتی۔ یہاں پر ہم مالی معاملات میں عورت کی گواہی کو نصف قرار دینے کی حکمت وعلت کو جاننے کی کوشش کریں گے:

پہلی وجہ : غفلت اور نسیان ہے یعنی مالی معاملات میں عورت، مرد کے مقابلے میں زیادہ غفلت ونسیان کی شکار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرہ کی آیت (۲۸۲) میں اس بات کی طرف خصوصی اشارہ فرمادیا ہے کہ ''اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاددلا دے۔''

اسی طرح، عورت کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مالی معاملات میں مشغول رہے کیوں کہ اس کی یاد داشت کمزور ہوتی ہے جبکہ گھریلو کاموں میں ایسا نہیں ہوتا کیوں کہ یہ اس کے اپنے کام ہوتے ہیں اور ان میں اس کی عقل مرد سے زیادہ تیز ہوتی ہے گویا دونوں اپنے اپنے میدان میں ایک دوسرے سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ ہاں! اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عورتیں مغربی اور غیر مسلم ممالک میں مالی معاملات کو انجام دے رہی ہیں لیکن ان کی تعداد چونکہ بے حد قلیل ہے، لہٰذا، ان کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا کیوں کہ شریعت کے احکام میں اکثریت کا خیال رکھا جاتا ہے اور اصل پر دھیان دیا جاتا ہے۔[۱]

دوسری وجہ: بہت جلد غصّے میں آنا۔ عورت کی گواہی کو نصف قرار دینے کی یہ دوسری وجہ یا دوسری حکمت ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ عورت صرف فطری عقل وخرد میں مرد سے کمتر ہوتی ہے ورنہ کسبی عقل میں وہ مردوں سے کمتر نہیں ہوتی بلکہ کبھی کبھی تو مردوں کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔ یہی ہے وہ آئینہ جس میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج عورت مختلف میدانوں میں مردوں پر بازی لے جارہی ہیں۔[۲]

---

(۱) تفسیر المنار، از محمد رشید رضا (۳/۱۲۴-۱۲۵)

(۲) دیکھئے: موشوعة الإعجاز العلمی فی الحدیث النبوی (۱/۱۰۱-۱۰۲)

عورت کی اس خصوصیت میں مصلحتِ کبری شاید یہ ہے کہ عورت اپنے بچہ کی مصلحت کو تمام مصالح پر مقدم جانتی ہے جو اس پر اللہ کا فضلِ عظیم ہے لیکن گواہی انفعالات قلبی سے تجرد کا مطالبہ کرتی ہے اور وقائع میں بلا تاثر اور انفعال ڈٹے رہنے کا تقاضا کرتی ہے۔(۱)

تیسری وجہ: اختلاط کی ممانعت:

اختلاطِ مرد وزن کے مفاسد جگ ظاہر ہیں۔ اسی لیے شریعتِ اسلامیہ اس کا سختی سے اباء کرتی ہے یا اسے حتی الامکان کم سے کمتر کرنا چاہتی ہے بطور خاص جنرل مقامات پر۔

چوتھی وجہ: عورت کی آسانی:

اگر عورت گواہی کے پھیروں میں رہے گی تو اسے کورٹ کچہری کے چکر لگانے ہوں گے جس سے وہ گھریلو کاموں میں غفلت اور کمی کا شکار ہو جائے گی، اس لیے شریعت نے اسے اس میں آسانی عطا کی ہے۔

پانچویں وجہ: حقوق کی حفاظت:

اگر عورت کو گواہی میں مرد کے مساوی قرار دیا جاتا تو یہ بہت سارے حقوق کی پامالی کا سبب بن جاتا لہٰذا، شارعِ حکیم نے اس کی گواہی کو نصف قرار دے کر بہت سے حقوق کی حفاظت کا سامان مہیا فرمایا ہے۔

---

(۱) حقوق المرأة فی ضوء السنة النبوية (ص:۳۶۶)

تیسری بحث

سزاؤں اوراموال کے علاوہ میں شہادت کے بارے میں

اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

سزاؤں اوراموال کے علاوہ میں مرد کی گواہی

دوسرا مطلب :

سزاؤں اوراموال وغیرہ کے علاوہ میں عورت کی گواہی

پہلا مطلب

سزاؤں اوراموال کے علاوہ میں مرد کی گواہی

سزاؤں اوراموال کے علاوہ سے مراد یہ ہے کہ جس کا دیکھنااورسننا اکثر مردوں کے ساتھ خاص ہو جیسے نکاح، رجعت، طلاق، اسلام، ارتداد، جرح، تعدیل، موت، اعمار، ایلاء، ظہار، نسب، ولاء، کتابت، وصیت وغیرہ۔

باتفاق علماء عقوبات اور مال کے علاوہ مذکورہ تمام معاملات میں مردوں کی گواہی قبول ہوگی۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُم ﴾:(الطلاق: ۲)

''اوراپنے میں سے دوعادل گواہ بنالو''

وجہ استدلال: آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ طلاق اور رجعت میں دوعادل گواہ بنالینا چاہئے اوراس کیلئے آیتِ کریمہ میں مذکر کالفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مردوں کیلئے خاص ہے۔

(۲) اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِيْ الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ﴾ (المائدہ: ۱۰۶)

''اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کوموت آئے تو وصیت کرنے کے وقت دوعادل گواہ تم میں سے ہونے چاہئیں۔ اگر تم سفر میں ہواوراسی میں تم کوموت آجائے تو غیرقوم میں سے دو گواہ ہونے چاہئیں۔''

وجہ استدلال: آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موت کے وقت وصیت کیلئے

دو مسلمان مردوں کو گواہ بنالیا جائے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بغیر ولی اور دو عادل گواہوں کے نکاح درست نہیں ہے۔ (۱)

وجہ استدلال : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح میں گواہی کا نصاب دو مرد ہیں، کیونکہ حدیث میں مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

خلاصہ کلام : یہ نصوص مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عقوبات اور اموال کے علاوہ جیسے نکاح، طلاق، رجعت اور وصیت وغیرہ میں مرد کی گواہی قبول کی جائے گی، نیز اس جیسے دوسرے معاملات میں بھی مرد کی گواہی قبول کی جائے گی۔ گویا شریعت نے مردوں کی گواہی کو بہترین وسیلہ اور ذریعہ مانا ہے، ان حقوق کو ثابت کرنے کے لئے جن پر مرد ہی اکثر و بیشتر مطلع ہوتے ہیں۔

---

(۱) صحیح ابن حبان: ۹ / ۳۸۶، ح ۴۰۷۵، علامہ البانی نے اسے "صحیح الجامع" (۱۲۵۴/۲، ح:۷۵۵۶) میں صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا مطلب

سزاؤں اوراموال کے علاوہ میں عورت کی گواہی

سزاؤں اوراموال کے علاوہ جیسے نکاح، طلاق، رجعت اور وصیت وغیرہ میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے، چاہے مردوں کے ساتھ گواہی دیں یا تنہا۔ جمہور علماء میں مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا یہی مذہب ہے، نیز امام نخعی، زہری اوراہل مدینہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

دلائل: (۱) اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُم ﴾: (الطلاق: ۲)

''اوراپنے میں سے دو عادل گواہ بنالو''۔

وجہ استدلال: آیت کریمہ کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طلاق اور رجعت میں عورت کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالی نے (ذَوَى) کہا ہے جس سے مراد صرف اور صرف مرد ہوتے ہیں نہ کہ عورتیں، کیونکہ عورتوں کے لئے (ذوات) کہا جاتا ہے۔ اگر ان مذکورہ معاملات میں عورتوں کی گواہی بھی جائز ہوتی تو ضرور اس کی وضاحت اور صراحت ہوتی، جیسا کہ اموال کی گواہی کے بارے میں عورتوں کی گواہی کی وضاحت اور صراحت ہے۔

(۲) اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِيْ الأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ﴾ (المائدہ: ۱۰۶)

''اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو وصیت کرنے کے وقت دو عادل گواہ تم میں سے ہونے چاہئیں۔ اگر تم سفر میں ہو اور اسی میں تم کو موت آجائے تو غیر قوم میں سے دو گواہ ہونے چاہئیں۔''

آیت کریمہ کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عندالموت وصیت میں عورت کی گواہی معتبر (جائز) نہیں ہے، کیونکہ آیت کریمہ میں دومردوں کی گواہی کی صراحت کی گئی ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بغیر ولی اور دو عادل گواہوں کے نکاح درست نہیں ہے۔(۱)

وجہ استدلال: اس حدیث میں دومرد گواہوں کی صراحت کی گئی ہے نہ کہ عورتوں کی لہذا نص پر وقوف واجب ہے یعنی حدیث میں دو عادل مرد کی گواہی کی شرط ہے لہذا نص پر اکتفاء کرتے ہوئے مرد ہی کی گواہی معتبر ہوگی۔

(۴) حضرت علی بن ابوطالب سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: طلاق، نکاح، دماء، اور حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔(۲)

(۵) حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے، دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ طلاق، نکاح، دماء اور حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔(۳)

مذکورہ دونوں اثر کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نکاح، طلاق اور اس جیسے دوسرے معاملات میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے اور یہی صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی تھا۔

خلاصہ: نکاح اور طلاق وغیرہ میں عورت کی گواہی کی عدم قبولیت میں ان کی کرامت کی توہین نہیں ہے، اور نہ اس سے ان کے اقدار کو گرانا ہے، کیونکہ اسلام نے بہت ساری تشریعات (شرعی قوانین) کے ذریعہ عورت کی تکریم کی ہے اور انہیں اس کا اہل قرار دیا ہے جیسا کہ مردوں کی شان ہے، اور جہاں تک عام شہادت کے باب میں مردوں کے بالمقابل عدم مساوات کا تعلق ہے تو حکمت بالغہ کے تحت ایسا ہے۔

---

(۱) رواہ ابن حبان فی صحیحہ: ۹/ ۳۸۶، ح: ۴۰۷۵

(۲) رواہ عبد الرزاق فی "مصنفہ": ۸/ ۳۲۹، رقم: ۱۵۴۰۵

(۳) رواہ ابن حزم فی "المحلی": ۹/ ۳۶۹، و عبد الرزاق فی "مصنفہ": ۸/ ۳۲۹، رقم: ۱۵۳۰۵، و اوردہ ابن القیم فی "الطرق الحکمیۃ: ۱۵۲، یہاں پر الفاظ "المحلیٰ" کے ہیں۔

چوتھی بحث

عورتوں کی شہادت ان معاملات میں جن کی اطلاع صرف عورتوں کو ہوتی ہے

اطلاع سے مراد: یہ ہے کہ وہ معاملات جن کا دیکھنا عموماً عورتوں کے ساتھ خاص ہو نہ کہ مردوں کے، ضرورت اور حاجت کے مدنظر۔ مثلاً: رضاع، ولادت، حمل، حیض، نفاس، عدت اور عورتوں کی بلوغت کی نشانیاں وغیرہ۔

اور عورتوں کے عیوب سے متعلق مثلاً: رتق، قرن، جنون، عتہ، جذام، شلل، صرع، برص، فتق، سلسل البول، بواسیر، ناسور اور قرع الراس۔

نیز عورتوں کے عیوب میں شامل کی جاتی ہیں وہ چیزیں جو عورتوں کے مجمع میں واقع ہوں جیسے مدارس، تعلیمی ادارے اور ہاسپٹل وغیرہ دشمنی سے مارنا، یا گالی گلوچ یا الزام وغیرہ۔ جو سزا یا قصاص کا سبب ہوتے ہیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے۔ اگر ہم عدم جواز کی بات کریں تو اس سے بہت سارے حقوق ضائع ہو جائیں گے جس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

عورتوں کی گواہی ان معاملات میں جن پر صرف عورتیں مطلع ہوں

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تنہا عورتوں کی گواہی ان معاملات میں قبول کی جائے گی جن پر صرف عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں اکثر و بیشتر نہ کہ مرد۔ حاں البتہ امام ابوحنفیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ استہلال صبی وراثت اور رضاعت کے حق میں صرف عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی بلکہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔

دلائل: (ا) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام یحییٰ بنت ابی اھاب سے شادی کی تھی، انہوں نے بیان کیا کہ پھر ایک سیاہ رنگ والی باندی آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم

دونوں کودودھ پلایا ہے۔میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے میری طرف سے منھ پھیرلیا، پس میں جدا ہوگیا۔میں نے پھر آپ کے پاس جا کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اب نکاح کیسے باقی رہ سکتا ہے جبکہ تمہیں اس عورت نے بتادیا کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ چنانچہ آپ نے انہیں ام یحیٰی کو اپنے ساتھ رکھنے سے منع فرمادیا۔(۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جب تمہیں بتادیا گیا کہ ایک ہی عورت تم دونوں کی دودھ کی ماں ہے تو پھر اب اور کیا صورت ہوسکتی ہے۔ اپنی بیوی کو اپنے سے جدا کردو۔(۲)

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے تنہا مرضعہ کی گواہی قبول کی اور زوجین کے مابین تفریق کا حکم دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے عقبہ بن عامر کو اپنی بیوی کے چھوڑ دینے کا حکم دیا صرف مذکورہ باندی کے کہنے پر۔ اگر اس کی شہادت مقبول نہ ہوتی تو آپ اس پر کبھی عمل نہ کرتے۔(۳)

(۲) مجاہد، سعید بن المسیب، عطاء بن ابی رباح اور طاؤس رحمہم اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کی شہادت ان معاملات میں جائز ہے جن میں مردوں کا دیکھنا ممکن نہ ہو۔(۴)

(۳) امام زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ سنت یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی ان معاملات میں جائز ہے جن کی اطلاع دوسروں کو نہ ہو مثلاً عورتوں کے یہاں ولادت، عورتوں کے عیوب، اور استہلال میں تنہا قابلہ کی گواہی جائز ہے۔(۵)

---

(۱) بخاری: ۲/ ۸۰۴، ح: ۲۶۵۹

(۲) بخاری:۲/ ۸۰۴، ح :۲۶۶۰

(۳) فتح الباری : ۵/ ۲۶۸

(۴) الدراية فی تخريج احاديث الهداية : ۸۰/۲، ح: ۲۰۱، ۲/ ۱۷۱، ح:۸۲۷

(۵) رواه ابن ابی شيبة فی "مصنفه": ۴/ ۳۲۹، ح ۲۰۷۰۸ وقال الكمال بن الهمام فی "فتح القدير شرح الهداية": ۷/ ۳۷۲: "هذا مرسل يجب العمل به"

اوراس لئے کہ یہ گواہی پوشیدہ بات پر ہے جس پر صرف عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں لہذا اس میں تنہا عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی مثلا: ولادت۔[۱]

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے مگر ان معاملات میں جن سے صرف عورتیں ہی باخبر ہوسکیں جیسے حمل اور حیض وغیرہ۔[۲]

(۵) ابن شہاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے استہلال میں عورت کی گواہی کو جائز قرار دیدیا تھا۔[۳]

(٦) زھری سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کی گواہی پر اہل ابیات کے مابین تفریق کردی۔[۴]

وجہ استدلال: مذکورہ تمام آثار دلالت کرتے ہیں کہ جن معاملات کی خبر صرف عورتوں کو ہوسکتی ہے نہ کہ مردوں کو تو ان معاملات میں عورتوں کی گواہی جائز ہے۔ مثلاً عورتوں کے عیوب، حمل، حیض، استہلال، رضاعت وغیرہ اور آثار میں مذکور چیزوں پر اس کو قیاس کیا جائیگا جس پر عورتیں مطلع ہوتی ہیں اور اگر ان معاملات میں تنہا عورتوں کی گواہی قبول نہ کی گئی تو بگاڑ پیدا ہوجائے گا۔ لہٰذا مصلحت کے پیش نظر عورتوں کی گواہی تنہا قبول کی جائے گی۔

مخصوص معاملات میں عورتوں کی گواہی کا نصاب:

وہ معاملات جن سے صرف عورتیں ہی باخبر ہوسکتی ہیں ان میں عورتوں کی گواہی کے نصاب میں علماء کے پانچ طرح کے اقوال ہیں۔ ان میں راجح یہ ہے کہ ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی ان معاملات میں جن پر عورتیں مطلع ہوتی ہیں۔ اور رضاعت اور غیر رضاعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے۔

---

(۱) المغنی: ۸/ ۲۵۳

(۲) رواہ عبد الرزاق فی "مصنفه" ۸/ ۳۳۳، رقم: ۱۵۴۲۵

(۳) رواہ عبد الرزاق فی "مصنفه" ۸/ ۳۳۳، رقم: ۱۵۴۲۵

(۴) رواہ عبدالرزاق فی "مصنفه": ۸/ ۳۳۴، رقم: ۱۵۴۳۴

دلائـــل: عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام یحییٰ بنت رباب سے شادی کی تھی، انہوں نے بیان کیا کہ پھر ایک سیاہ رنگ والی باندی آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا، پس میں جدا ہو گیا۔ میں نے پھر آپ کے پاس جا کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اب نکاح کیسے باقی رہ سکتا ہے جبکہ تمہیں اس عورت نے بتا دیا کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ چنانچہ آپ نے انہیں ام یحییٰ کو اپنے ساتھ رکھنے سے منع فرما دیا۔ (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ جب تمہیں بتا دیا گیا کہ ایک ہی عورت تم دونوں کی دودھ کی ماں ہے تو پھر اب اور کیا صورت ہو سکتی ہے اپنی بیوی کو اپنے سے جدا کر دے۔ (۲)

وجــہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے تنہا مرضعہ کی گواہی قبول کی اور زوجین کے مابین تفریق کا حکم دیا اور اسی پر ان معاملات کو بھی قیاس کیا جائے گا جس پر اکثر عورتیں مطلع ہوتی ہیں۔

(۲) مجاہد، سعید بن المسیب، عطاء بن ابی رباح اور طاؤس رحمہم اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کی شہادت ان معاملات میں جائز ہے جن میں مردوں کا دیکھنا ممکن نہ ہو۔ (۳)

(۳) امام زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ سنت یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی ان معاملات میں جائز ہے جس کی اطلاع دوسروں کو نہ ہو مثلاً عورتوں کے یہاں ولادت، عورتوں کے عیوب، اور استہلال میں تنہا قابلہ کی گواہی جائز ہے۔ (۴)

حدیث میں (الـنسـاء) معرف باللام ہے یعنی الف لام کے ساتھ آیا ہے، اور یہ الف لام

---

(۱) بخاری:۹۵۶۲

(۲) بخاری: ۲ / ۸۰۴، ح:۲۶۵۹

(۳) الدراية فی تخريج احاديث الهداية : ۲/ ۸۰، ح:۲۰۱، ۲ / ۱۷۱، ح:۸۲۷

(۴) رواه ابن ابی شيبة فی "مصنفه" : ۴/ ۳۲۹، ح ۲۰۷۰۸ وقال الكمال بن الهمام فی "فتح القدير شرح الهداية" : ۷/ ۳۷۲: "هذا مرسل يجب العمل به"

جنسیت کے لئے ہے۔مطلب یہ ہے کہ (النساء) سے قلیل عورتیں بھی مراد ہونگی اور زیادہ عورتیں بھی، اور قلیل کی کم سے کم تعداد ایک ہوتی ہے۔ لہذا ان معاملات میں جنکی خبر عموما عورتوں کو ہی ہوتی ہے ان میں تنہا ایک عورت کی بھی گواہی جائز ہوگی۔

(۴) ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے استہلال میں ایک عورت کی گواہی کو جائز قرار دیدیا تھا۔[1]

(۵) زھری سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کی گواہی پر اہل ابیات کے مابین تفریق کردی۔[2]

وجہ استدلال: مذکورہ دونوں آثار دلالت کرتے ہیں کہ جن معاملات کی خبر صرف عورتوں کو ہوسکتی ہے نہ کہ مردوں کو تو ان معاملات میں ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے، مثلاً عورتوں کے عیوب، حمل، حیض، استہلال، رضاعت وغیرہ اور آثار میں مذکور چیزوں پر اس کو قیاس بھی کیا جائیگا جس پر عورتیں مطلع ہوتی ہیں عموما۔

بلا شبہ گواہی میں دو امر کا اعتبار کیا جاتا ہے، ایک مذکر ہونا دوسرے تعداد اور یہاں مذکر کی شرط مفقود ہے مصلحت کے پیش نظر لہذا عدد کی شرط میں بھی تخفیف کی جائے گی مصلحت کے پیش نظر۔

تعداد کم کرنے کی حکمت:

اگر عورت کے ساتھ مخصوص معاملات میں تعداد کا اعتبار کیا جاتا تو وہ عورت جس پر گواہی دی جائے، نہایت پریشان کن حالات سے دوچار ہوجاتی کیوں کہ عورت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے عیوب کوئی عورتوں پر ظاہر کرنے پر راضی نہیں ہوتی۔ اس لیے تعداد کے اعتبار کا سقوط اور بوقت ضرورت صرف ایک عورت کی گواہی کافی ٹھہری۔

---

(۱) رواہ عبد الرزاق فی "مصنفہ" ۸ / ۳۳۳، رقم: ۱۵۴۲۵

(۲) رواہ عبد الرزاق فی "مصنفہ": ۸ / ۳۳۴، رقم: ۱۵۴۳۴

ایک شبہہ کا ازالہ:

اس معاملہ میں ایک شبہہ یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ ان امور میں عورت کی ناقدری پوشیدہ ہے کیوں کہ عورت کی انفرادیت اس سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا ازالہ یوں ممکن ہے کہ: ''کوئی بھی منصف مزاج شخص گزشتہ سطور کی تحریر پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ نسب کا علم جو پانچ ضروری اشیاء میں سے ایک ہے جن کو اسلام محفوظ کرنے کے لیے آیا ہے، صرف ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے، اسی طرح میاں بیوی کی جدائی بھی ایک عورت کی دودھ پلانے کی گواہی سے عمل میں آجاتی ہے، تو بتائیں کہ ان دونوں میں کون سا عظیم ہے؟ یہ کہ عورت کچھ درہم پر گواہی دے یا یہ کہ ایسی چیزوں پر گواہی دے جس سے قوموں کی منزل ثابت ہوتی ہے؟ گواہی کے لیے اسلام میں تجربہ و تمرین کو بھی دیکھا جاتا ہے کیوں کہ یہ دونوں چیزیں یادداشت بڑھانے میں معاون ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر ایک کے کام کو تقسیم کر دیا اور ہر ایک کے کام کو بیان بھی کر دیا ہے۔ (۱)

لہٰذا، اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے عورت کی کسی بھی صورت میں ناقدری کی ہی نہیں ہے بلکہ قدم قدم پر اس کے بوجھ کو ہلکا کیا ہے۔

خلاصہ: خلاصۂ کلام یہ کہ اگر اسلام نے کچھ احکام عورت سے خاص کیے ہیں تو مرد سے کچھ احکام کو مخصوص کیا ہے۔ اگر کہیں عورت کی گواہی کو نہیں مانا گیا تو کہیں پر زور طریقے سے مانا بھی گیا ہے جیسا کہ سابقہ سطور سے واضح ہوا۔

---

(۱) حقوق المرأة فی ضوء السنة النبوية (ص:۳۷۳)

پانچویں فصل

شوریٰ اور انتخاب

اس میں تین مباحث ہیں:

پہلی بحث : شوریٰ کی تنظیم

دوسری بحث : عورت کو اہل شوریٰ میں ماننے کا حکم

تیسری بحث : عورت کے انتخاب لڑنے کا حکم

پہلی بحث

شوریٰ کی تنظیم

اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب : شوریٰ کی مشروعیت

دوسرا مطلب : اہل شوریٰ

تیسرا مطلب : مجلس شوریٰ اور مجالس نیابت میں فرق

پهلا مطلب

شوریٰ کی مشروعیت

شوریٰ کی تعریف: شوریٰ کہتے ہیں تجربہ کار افراد سے صلاح مشورہ لینے کو تاکہ حق اور اقرب الی الصواب معاملہ تک رسائی ممکن ہو سکے۔ (۱)

شوریٰ اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد ہے جسے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے مشروع کیا ہے اور اسے آپ کی امت کی خوبی وفضیلت قرار دیا ہے کیوں کہ اس میں خیر و برکت ہے۔ اسے آپ ﷺ نے کئی امور ومعاملات میں نافذ بھی کیا ہے اور مومنوں کو اس پر ابھارا بھی ہے خاص کر ایسے حادثات میں جن کے بارے میں کتاب وسنت کے اندر کوئی نص موجود نہ ہو۔

شورائیت قرآن کے آئینے میں: قرآن کریم میں دو آیتیں آئی ہیں جو شورائیت پر نص کی حیثیت رکھتی ہیں: پہلی آیت سورہ آل عمران کی ہے: "وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" "ہر (اہم) معاملے میں ان سے صلاح مشورہ کرو۔" (۱۵۹)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو پیش آمدہ مسائل میں اپنے صحابیوں سے صلاح مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے کیوں کہ اس میں دنیوی اور اخروی فضل وخیر اور برکات پوشیدہ ہیں۔

علامہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ شورائیت کی حد درجہ اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "والیانِ امور کے لیے شورائیت سے بے اعتنائی برتنا ممکن نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے تاکہ صحابہ کرام کی تالیف قلب ہو، بعد میں آنے والی نسلیں اس کی اقتدا کریں اور جنگ اور دوسرے معاملات میں آپس میں غور وفکر کرلیں۔ اب ذرا سوچیے کہ جب نبی کے لیے ایسی بات ہے تو دوسروں کے لیے بدرجہ اولیٰ ہوگی۔" (۲)

---

(۱) الشوری فی ظل نظام الحکم الإسلامی، از عبدالرحمان عبدالخالق (ص:۱۴)
(۲) السیاسة الشرعیة......(ص:۱۳۳-۱۳۴)

دوسری آیت یہ ہے:

''وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ.'' (الشوریٰ: ۳۸)

''اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، آپسی صلاح مشورہ سے اپنے کام کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کر رکھا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

مسلمانوں میں سے جو لوگ آپس میں صلاح مشورہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف و توصیف کی ہے کیوں کہ وہ لوگ پہلے اپنے رب پر ایمان لائے پھر نماز کی پابندی کی اور اب آپس میں صلاح مشورہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

شورائیت کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مذہبِ اسلام نے اسے اپنے دو عظیم ارکان میں سے ایک میں ذکر کیا ہے اور اس کی ایک سورہ کا نام ہی ''الشوریٰ'' رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے نبی ﷺ کی سنتِ شورائیت کی پیروی کی اور اس کی مثالوں سے ان کی زندگی بھری پڑی ہے یہاں تک کہ شورائیت پر ان کا اجماع بھی ثابت ہے۔

دوسرا مطلب

اہلِ شوریٰ

علماء کا اختلاف ہے اس بات پر کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اہلِ شوریٰ سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا اس سے مراد سارے مسلمان ہیں یا بعض چنیدہ افراد؟ اس سلسلے میں علماء کے کئی اقوال ہیں جن میں راجح قول یہی ہے کہ امت یا کسی جماعت کے سارے لوگ اہل شوریٰ نہیں ہیں بلکہ لوگوں کا ایک خصوصی گروہ ہے جن کے اندر خاص صفات اور صلاحیتیں ہیں۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشادگرامی:

''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللّهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِيْ الأَمْرِ مِنكُمْ''(النساء: ۵۹) سے استنباط کرتے ہوئے محمد رشید رضا رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تیسری اصل اولی الأ مریعنی اربابِ حل و عقد کا اجماع ہے جن پر پوری امت کو وثوق ہوتا ہے خواہ وہ علماء ہوں، فوجی سردار ہوں، تجار اور کسان ہوں، مزدوروں اور پارٹیوں کے صدور ہوں، یا مدیرانِ رسائل و جرائد ہوں، ان کی طاعت، اولی الأ مرہی کی طاعت کے ضمن میں آئے گی اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''و أمرهم شوریٰ بينهم'' (الشوریٰ: ۳۸) سے مراد یہی لوگ ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ سارے افرادِ امت اہلِ شوریٰ ہو جائیں۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اہلِ شوری ایک خاص جماعت ہوگی جو پوری امت کی نمائندگی کرے گی۔ (۲)

خلاصہ: چنانچہ اہلِ شوریٰ اربابِ حل وعقد اور اصحابِ اختیار ہیں خواہ وہ علماء وفقہاء ہوں یا مفکرین نیز اہلِ اختصاص، امتیازی صلاحیت، گہری نظر اور امت کے مصالح ومفادات اور مختلف امور میں گہری سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد بھی اہلِ شوری ہیں خواہ وہ داخلی وخارجی سیاسی امور سے تعلق

---

(۱) مبدأ الشوری فی الإسلام، از ڈاکٹر یعقوب محمد المليجي (ص:۱۵۷–۱۵۹)

(۲) تفسیر المنار (۱۸۷/۵–۱۸۸)

رکھتے ہوں یا امورِ جنگ وامن سے، اقتصادیات کے ماہرین ہوں یا ماہرینِ زراعت وتجارت، امورِ قضاوانصاف کے میدان کے ماہرین ہوں یا پھر اسلامی دین وشریعت وغیرہ کے ماہرین۔ [۱]

بنابریں، اربابِ حل وعقد کی ممبر شپ ایسا کوئی امتیاز نہیں جس سے ممبر نفع اندوز ہو، نہ کوئی ایسا بوجھ ہے جو زبردستی کسی پر ڈال دیا جائے اور نہ ہی یہ ہر کسی کا حق ہے بلکہ یہ تو ایک ذمہ داری اور امانت کی ممبر شپ ہے۔

اس حساب سے، عوام، عورتیں اور بچے اربابِ حل وعقد کی ممبر شپ سے خارج ہو جاتے ہیں تا کہ شوریٰ میں صرف چنیدہ اور بے مثال افراد باقی رہیں جو باطل کے سامنے حق کے دفاع و فتح کے لیے ڈٹ جانے کا حوصلہ رکھتے ہوں، امت کا ہر محاذ پر دفاع کرنے کی صلاحیت ان کے اندر ہو اور حکیمانہ قراردادوں کی تنفیذ اور شرعی التزام کے ساتھ سیاسی مطالبات کا بارِ گراں اٹھا سکیں کیوں کہ مسئلہ صرف آواز اٹھانے یا کسی رائے کے اظہار کا نہیں بلکہ کام کر کے دکھانے کا ہے۔ [۲]

---

(۱) نظام الحكم الإسلامى مقارنا بالنظم المعاصرة، از ڈاکٹر محمد حلمى (ص:۱۵۵)

(۲) جوانب التعارض......(ص:۲۵-۲۶)

تیسرا مطلب

مجلسِ شوریٰ اور مجالسِ نیابت میں فرق

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جدید جمہوریت میں مجلس نواب اور مجلس قانون ساز کے ممبران ہی اہلِ شوریٰ کہلاتے ہیں یا اربابِ حل وعقد وہی ہیں کیوں کہ وہ بھی وہی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں جو اہلِ شوریٰ انجام دیتے ہیں اور قوم میں ان کا وہی مقام ہے جو امت میں اربابِ حل وعقد کا ہے۔ (۱)

بے شک یہ خیال باطل ہے کیوں کہ مذہبِ اسلام کسی بھی خودساختہ نظام سے الگ ہے۔ وہ تو ایک نظامِ ربانی ہے جس کا قانون ساز اللہ واحد ہے۔ لہٰذا، وہ ان نظاموں اور بشری تجربوں جو اکثر و بیشتر غلط ثابت ہوتے ہیں، سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔

اہلِ شوریٰ کی ذمہ داریاں: اسلامی مجلسِ شوریٰ کے اربابِ حل وعقد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کی نصوص، مضبوط اصولوں اور حکیمانہ مقاصد سے احکام مستنبط کریں اور انھیں جدید مسائل وحالات پر منطبق کریں نیز ایسے قوانین ونظام جاری کریں جن کی حکومتِ وقت کو ضرورت ہو اور وہ اسلامی روح کے منافی بھی نہ ہوں اور نہ کتاب وسنت کی نصوص سے متصادم ہوں کیوں کہ وہ شرعی اساس پر قیامِ حکومت کے امین ہیں اور اپنی طرف سے کوئی قانون بنانے کے مجاز نہیں ہوتے جیسا کہ مجلس نواب اور قانون ساز کمیٹیوں کے ممبران کیا کرتے ہیں۔ (۲)

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شوریٰ کے ممبران کی خصوصیات، مجلسِ نواب کے ممبران کی خصوصیات سے الگ ہوتی ہیں۔ یہ مجالس پارلیمینٹری قوانین کے مطابق ہوتی ہیں جو ہر جگہ اور ہر ملک میں الگ ہوتے ہیں۔ کچھ ملکوں میں دو مجالس ہوتی ہیں جبکہ کچھ ملکوں میں ایک ہی کونسل ہوتی ہے۔ انھیں الگ الگ نام بھی دیا جاتا ہے جیسے امریکی سینیٹ، لوک سبھا، مصری قومی مجلس اور لارڈز آف برٹش ہاوس وغیرہ۔ ان

---

(۱) تدوین الدستور الإ سلامی للمودودی (ص:۲۷)

(۲) نظام الحکم الإ سلامی...... (ص:۲۰۲)

مجالس یا ایوانوں کے ممبران، امت کے نواب ہوتے ہیں جنھیں اکثریت منتخب کرتی ہے تاکہ وہ ملک کی نمائندگی کریں اور داخلی وخارجی سیاست کی تدبیر و تنظیم کریں۔ بسا اوقات یہ ممبران حکومت کی طرف سے یا متعینہ شرائط کے ساتھ یا ملکی قوانین کے تحت منتخب کیے جاتے ہیں۔ (۱)

جب کہ اسلامی نظامِ شورائیت میں شرعی قوانین اور جدید مسائل کے درمیان حق تک رسائی حاصل کرنے کے مقصد سے سچے ایمانی جذبات پیدا کیے جاتے ہیں۔ صرف سیاست اور سماج ہی مقصد نہیں ہوتے بلکہ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ ان کا استعمال کر کے مومن اپنے پروردگار کو راضی اور خوش کر سکے اور ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا عمل بشری قدرت وطاقت کی حدوں کے ضمن میں ہو۔ (۲)

---

(۱) ولاية المرأة فى الفقه الإسلامى (ص:۳۶۰-۳۶۲)

(۲) جوانب التعارض......(ص:۲۵)

دوسری بحث

عورت کو اہل شوریٰ میں ماننے کا حکم

عصر حاضر کے علماء وفقہاء عورت کے مجلسِ شوری، پارلیمنٹ یا نیابتی کونسلوں کی ممبر ہونے نہ ہونے کے بارے میں دو اقوال یا خیالات میں منقسم ہیں جن میں راجح قول وخیال یہ ہے کہ مذکورہ بالا مجالس میں اسے ممبر بنانا جائز نہیں ہے کیوں کہ ان کی ممبر شپ کو ولایاتِ عامہ میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ مرد کی قوامیت کے ضمن میں آتی ہے جو مرد کے ساتھ خاص ہے۔ یہی بیشتر معاصر علماء کرام کا مذہب ہے۔ ہاں، عورت سے ان معاملات میں صلاح مشورہ کیا جاسکتا ہے جن کا علم صرف اسی کو ہوتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اسے مجلس شوریٰ وغیرہ کی ممبر شپ نہ دی گئی ہو۔(۱)

دلائل: قرآن سے (۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّهُ۔“

”مرد عورت پر قوام ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ لہٰذا، جو عورت بھلی ہیں ان کی فطرت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرماں برداری کرتی ہیں اور اللہ کی حفاظت سے مخفی طور پر اور ان کے غائبانہ میں بھی حفاظت کرتی ہیں۔“ (النساء: ۳۴)

وجہ استدلال: اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر قوامیت عطا کی ہے اور عورت کی صفت اس کی فرماں برداری کو شمار کیا ہے۔ لہٰذا، جب اس کو گھر کے اندر قوامیت نہیں عطا کی گئی تو مجالس نیابت میں اسے قوامیت کیسے دی جاسکتی ہے، جو حکومت کی امن وجنگ دونوں حالتوں میں سیاست وتدبیر کرتی ہیں اور ظاہر ہے، یہ کام زیادہ خطرناک اور گھر پر قوامیت سے زیادہ مہتم بالشان ہے؟

(۱) حکم تولی المرأة الإمامة الکبریٰ والقضاء (ص:۵۵)

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: " **وللرجال علیهن درجة** "" مردوں کو ان پر ایک درجہ فضیلت و برتری حاصل ہے۔" (البقرہ:۲۲۸)۔

وجہ استدلال: درجہ کی تفسیر "اطاعت و سرداری"[1] سے کی گئی ہے۔ اس لیے عورت کو مرد پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ ان مجالس میں اس کو شراکت دینا اس کو مرد پر مقدم کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**ولیس الذکر کالانثی**" مرد عورت کی طرح نہیں" (آل عمران:۳٦)

وجہ استدلال: اس آیت کا واضح مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرد بہت سارے امور میں عورت سے مختلف ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رجولت اور ذکورت ولایت عامہ کے لیے ایک لازمی شرط ہے لہٰذا، عورت کو اہلِ شوریٰ میں شامل نہیں کیا جائے گا کیوں کہ ولایاتِ عامہ صرف مرد کو سزاوار ہے۔ دوسری بات یہ کہ شوریٰ کی ممبر شپ اساسی ذمہ داریوں میں سے نہیں جس کے لیے عورت کی تخلیق عمل میں آئی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اسے ایسے کاموں کے لیے پیدا کیا ہے جو اس کی فطرت، خلقت اور جسمانی و روحانی تکوین کے مناسب ہوں جو اس کے لیے یقیناً سیاست میں مشغول ہونے سے کہیں زیادہ اولیٰ اور اہم ہیں۔[2]

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلَى۔" (الأحزاب: ۳۳)

"اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور گزشتہ جاہلیت کی طرح سج دھج نہ رکھو۔"

وجہ استدلال: عورت کی اصل جائے قرار اور ٹھکانہ اس کا گھر ہے۔ سیاسی میدان میں اس کا اشتراک اور مجالس نیابت میں اس کی ممبر شپ اسے اکثر اوقات باہر جانے پر مجبور کرے گی اور اس طرح وہ گھر میں ٹھہرے رہنے کے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کا ارتکاب کرے گی۔

---

(۱) دیکھئے: تفسیر طبری (۲/۲۰۲)

(۲) عبقریة الإ سلام فی أصول الحکم از ڈاکٹر منیر العجلانی (ص:۳۸۴-۳۸۵)

(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ'' (الزخرف: ۱۸)

''کیا وہ اللہ کے لیے اولاد ہے جو زیورات میں پلتی بڑھتی ہے اور بحث مباحثہ میں اپنی بات صاف صاف نہیں رکھ پاتی؟''

وجہ استدلال: اللہ تعالیٰ نے زیب وزینت اور زیورات کی محبت عورت کی فطرت میں ڈال دی ہے۔ وہ بچپن سے بڑھاپے تک اس محبت میں گرفتار رہتی ہے۔ یہ بات ان عورتوں میں دیکھی جاسکتی ہے جو مردوں کے ساتھ کانفرنسوں اور مجالس میں شرکت کرتی ہیں، وہ بوڑھی کیوں نہ ہو جائیں لیکن اپنی عادت نہیں بھول پاتیں۔ پھر بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اسے وہ ذمہ داریاں مثلاً اظہارِ حجت اور فریق مخالف کو زیر کرنا، دے دی جائیں جن کو ادا کرنے کی طاقت اس کے اندر نہ ہو؟ مطلب یہ کہ یہ کام مجالس شوریٰ کی مہم کے خلاف ہیں تو وہ امت کیسے فلاح یاب ہوسکتی ہے جس کی مجلس شوریٰ کے ممبران عورتیں ہوں؟

دلائل: سنت سے (۱) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنی زمامِ قیادت عورت کو سونپ دی۔''[(۱)]

وجہ استدلال: وہ ملک کامیاب نہیں ہوسکتا جو وزارتوں پر عورتوں کو فائز کرتا ہے جب کہ مسلمانوں کو ہر اس کام کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جو کامیابی کا سبب بنے اور ہر اس کام سے روکا گیا ہے جس کا انجام نقصان وناکامی ہو۔

(۲) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد عورت سے زیادہ خطرناک فتنہ مردوں کے لیے نہیں چھوڑا ہے۔[(۲)]

وجہ استدلال: عام زندگی میں عورت کی مداخلت وشراکت مردوں کے لیے فتنہ کا باعث ہے اور مجلس شوریٰ کی ممبر شپ تو اس فتنے کو مزید خطرناک بنادیتی ہے اور کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ

---

(۱) صحیح بخاری (۲۲۲۱/۴، ح:۷۰۹۹)

(۲) صحیح بخاری (۱۶۴/۳، ح:۵۰۹۶)، صحیح مسلم (۲۰۹۷/۴، ح:۲۷۴۰)

اس منصب سے دھوکہ کھا جاتی ہے۔اس فتنے کےلوازمات میں سے معاشرہ کی تباہی، فحش کاریوں کا فروغ، غیرت کا فقدان، زنا کاری کا عام ہوجانا اور حسب ونسب کا فسادزدہ ہوجانا ہیں جیسا کہ ہم مغربی ممالک اوران کے مقلد مشرقی ممالک میں مشاہدہ کررہے ہیں۔(۱)

(۳) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آیا ہے کہ عورت ناقصِ دین وعقل ہوتی ہے۔(۲)

وجہ استدلال: عورت اس وصف کے باوجود کیسے مجلس شوری کی ممبر ہوسکتی ہے؟ جبکہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کے لیے عقلی پختگی اور حکمت وتدبیر کی اشد ضرورت ہے کیوں کہ اسی میں قوم کے مفادات پر قراردادیں پاس کی جاتی ہیں۔

(۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا: عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اوراس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''(۳)

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ نے عورت کی ذمہ داری کواس کے شوہر کے گھر بار تک محدود کردیا ہے۔لہٰذا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی شرعی ذمہ داری بھلا کر مجالسِ شوری یاپارلیمنٹ میں جائے اورخودکو پریشانی میں ڈالے؟

''شارعِ حکیم جب کچھ لوگوں کوکسی کام میں آگے بڑھاتا اور کچھ لوگوں کو پیچھے ہٹاتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور نہاں ہوتی ہے۔اس لیے کہ وہ ہرکسی کووہی کام دیتا ہے جواس کے لیے مناسب ہوتا ہے اور ایک سچائی تو یہ ہے کہ ایک ہی شخص ایک وزارت میں کامل ہوتا ہے مگر دوسری وزارت میں ناکام۔(۴)

---

(۱) دیکھئے: الحرکات النسائیۃ وصلتھا بالا ستعمار (ص:۵۶)

(۲) صحیح بخاری (۱/۱۱۵، ح:۳۰۴)، صحیح مسلم (۱/۸۶، ح:۳۲)، الفاظ بخاری کی روایت کے ہیں۔

(۳) صحیح بخاری (۱/۲۶۷، ح:۸۹۳)، مسلم (۳/۱۴۵۹، ح:۱۸۲۹)

(۴) جوانب التعارض...... (ص:۴۵)

عورت اگر ایک طرف اہلِ شوریٰ اور ارباب حل وعقد میں شامل نہیں ہوسکتی تو دوسری طرف اپنے گھر اور اپنے بال بچوں کی پرورش و پرداخت میں طاق ہوتی ہے۔ اس میں یہ مصلحت پوشیدہ ہے کہ سوسائٹی میں کاملیت کا ظہور ہو کیوں کہ مسلم معاشرہ کاملیت پر قائم ہے نہ کہ تناقض اور تقابل پر۔

''ازواج مطہرات کے فضل اور ان کی عظمت کو کون نہیں جانتا لیکن یہ ثابت نہیں کہ خلفاء میں کسی نے ان میں سے کسی سے سیاسی امور میں صلاح مشورہ کیا ہو۔ امام الحرمین علامہ جوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ، مجھے نہیں معلوم کہ کسی عورت نے مشورہ دیا ہو اور اس کا مشورہ صحیح اور درست نکلا ہو[1] اس کے باوجود ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور دیگر صحابیات سے صحابہ کرام نے مشورہ نہیں لیا بلکہ وہ خود بھی اپنے آپ کو مشورہ دینے کے قابل نہیں سمجھتی تھیں اور نہ ہی کسی اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کو اس قابل جانتی تھیں، دوسری عورتیں تو دور رہیں!

اسی وقت، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجلس شوریٰ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو لانے پر اصرار کرتے تھے حالانکہ وہ نہایت کم سن تھے لیکن انہوں نے امہات المومنین عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما سے کسی بھی سیاسی معاملہ میں مشورہ نہیں لیا حالانکہ یہ دونوں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے عمر کے اعتبار سے بڑی اور نبی کریم ﷺ کی صحبت اٹھانے میں بہت زیادہ آگے تھیں مزید براں، بعض مسائل علمیہ میں یہ ان سے آگے تھیں خاص کر عائشہ رضی اللہ عنہا جو عبداللہ سے زیادہ احادیث روایت کر گئی ہیں۔[2]

عالمی کانفرنسیں اور عورت کی سیاست میں شرکت:

عالمی کانفرنسیں عورت کو سیاست کے ہر میدان میں لانے کا نعرہ لگا رہی ہیں۔ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ عورت کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی جائے، وہ ہر سیاسی میدان میں اپنا کردار ادا کرے جس میں ولایات عامہ بھی شامل ہیں۔ یہ کانفرنسیں ایسے کام بھی کرتی ہیں جو عورتوں کو اکساتے ہوں اور ان کی ضروریات کا اہتمام بھی کرتی ہیں، یہ سرکاروں اور تنظیموں سے کہتی ہیں کہ وہ قوانین بنائیں

(۱) فتح الباری (۳۴۷/۵)

(۲) دیکھئے: سیر أعلام النبلاء (۳۴۳/۳)

تا کہ عورت ہر میدانِ سیاست میں حصہ لے سکے۔ وہ سیاسی پارٹیوں کو اس بات کی دعوت دیتی ہیں کہ وہ عورتوں کو اپنی امیدوار منتخب کریں تا کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ چل سکیں اور دوسری طرف عورت کی فطری اور اساسی ذمہ داری یعنی کہ وہ گھر کی نگہبان و مالکن ہو، سے پورے طور پر تجاہل عارفانہ برتتی ہیں۔

قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ حقوق نسواں کی آواز اٹھانے والی ان تمام عالمی کانفرنسوں کی نہ صرف یہ کہ منزل مقصود ایک ہے بلکہ خطاب کی زبان یہاں تک کہ اس کے مضمون کا مواد اور تعبیرات بھی ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے نہ نعرۂ مستا یہ دنیا کی تمام مشکلات کا واحد حل ہے اور اسی سے عالمی وعلاقائی اختلافات ختم ہوں گے، جنگیں ختم ہو جائیں گی، بے گناہوں کا خون نہیں ارزاں ہوگا۔ بھوک پیاس اور دوسری آفات سماویہ وارضیہ جو کروڑوں لوگوں کو بیک وقت لقمۂ اجل بنا دیتی ہیں، ان سب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اب دنیا میں بس ایک ہی پریشانی رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت کی پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے عالمی پیمانے پر کانفرنسیں اور اجتماعات منعقد کرائے جائیں تا کہ عورت کو زندگی کے ہر میدان میں داخل کیا جا سکے؟

خلاصہ: عورت کو مجلسِ شوریٰ میں شامل کرنے کی ایک بھی مثال پوری تاریخِ اسلام میں نہیں ملتی۔ یہ تو صرف مغرب سے درآمدہ ایک چلن ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ خود مغربی ممالک میں عورتیں سیاسی میدان سے دور ہو رہی ہیں اور یہ آواز بڑے شد و مد سے اٹھایا جانے لگا ہے کہ عورت کو گھریلو خدمات کی طرف لوٹا دیا جائے جو اس کی خلقت وفطرت کے عین مطابق ہیں۔

تیسری بحث

عورت کے انتخاب لڑنے کا حکم

انتخاب کی تعریف: انتخاب، سیاست میں استعمال ہونے والا ایک لفظ ہے جس کے تحت کوئی قوم یا گروہ ایک معینہ صورت میں اظہار رائے میں شرکت کرتا ہے۔ قانون کی اصطلاح میں ''انتخاب'' ایسے قانونی کام کو کہتے ہیں جس کے لیے جگہ، وقت اور نظام ایک دستور یا لائحہ میں متعین کیا جاتا ہے تا کہ اس کے تقاضوں کے مطابق ایک یا زیادہ اشخاص کو کسی منصب وعہدہ، قیادت یا مجلس یا ممبرشپ وغیرہ کے لیے چنا جائے۔ (۱)

اس کی ایک اور تعریف یہ کی گئی ہے: یہ امت کا ایک قانونی حق ہے تا کہ وہ اس کی روشنی میں اپنے وکلاء اور سرداروں کو منتخب کریں جو قانون سازی اور حکومت کی نگرانی کرنے پر مامور ہوں۔ (۲)

عورت کے انتخاب لڑنے کا حکم:

انتخاب میں عورت حصہ لے یا نہ لے، اس سلسلے میں معاصر علماء کرام کے دو خیالات ہیں جن میں سے راجح یہ ہے کہ عورت چناو میں امیدوار نہیں بن سکتی۔ یہی جامع ازہر کی کبار علماء کمیٹی اور دوسرے علماء کا خیال ورائے ہے۔

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ'' (البقرہ: ۲۲۸)

---

(۱) المعجم الوسيط (۹۰۸/۲)

(۲) المرأة بين الفقه والقانون (ص:۱۵۵)

(۲) ارشاد ربانی ہے:

"الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ" (النساء: ٣٤)

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وَقَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى" (الأحزاب: ٣٣)

وجہ استدلال: یہ تمام آیاتِ کریمہ اس بات پر دال ہیں کہ قیادت وقوامیت اور علو درجات مرد کے حقوق ہیں اور عورت کی اصل یہ ہے کہ وہ گھر پر ٹھہری رہے اور اس کا باہر نکلنا استثناء یا ضرورت کے باب میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ انتخابات میں شرکت کرنا یا دوسری سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا اس کی ضروریات میں سے ہے نہیں اور نہ ہی اس سے کوئی حقیقی مصلحت فوت ہوتی ہے۔

(۴) اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان جو گزر چکا ہے کہ وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوسکتی جس کی زمامِ قیادت عورت کے ہاتھ میں ہو۔[1]

وجہ استدلال: یہ حدیث ایسی نص واضح ہے جس سے عورت کے گھر سے باہر کی ذمہ داریاں اپنے سر لینے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے جن میں انتخاب میں حصہ لینا بھی شامل ہے۔ واضح رہے کہ دوسری بحث "عورت کو شوریٰ میں شامل کرنے کا حکم" میں اس کی دلیلیں گزر چکی ہیں لہٰذا، دوبارہ ان کو قلمبند کرنا غیر ضروری ہے۔

(۵) کسی وزارت یا مجلس کے لیے کسی ممبر کا انتخاب ویسا ہی ہے جیسا امام یا سردارِ قوم کا انتخاب، جب کہ اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے صاف ہو جاتا ہے کہ عورت کو امام کے انتخاب یا خلیفۂ وقت سے بیعت کرنے میں شریک نہیں کیا گیا یہاں تک کہ خلفاء راشدین کی بیعت میں بھی۔[2]

امام جوینی رحمہ اللہ نے اسے اس بات کے لیے نص قرار دیا ہے کہ اہل شوریٰ کی طرف سے منعقد کی جانے والی خاص بیعت جو کسی امام یا حکمراں کے انتخاب کے لیے ہوتی ہے، میں عورت کے حصہ لینے کا کوئی جواز نہیں نکلتا۔ وہ کہتے ہیں: عورتوں سے کسی بھی صورت میں رجوع نہیں کیا جائے گا کیوں

---

(۱) بخاری (۴/۲۲۲۱، ح:۷۰۹۹)

(۲) حقوق المرأة فی الإسلام (ص:۲۰۵)

کہ اگراس میں کسی عورت سے مشورہ لینادرست ہوتا تواس کی سب سے بڑی حق دار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتیں پھرازواج مطہرات کا نمبر آتا جب کہ ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی دور یا زمانہ میں ان کا کوئی کرداراس معاملہ میں نہیں رہا۔(۱)

لہٰذا، ثابت ہوجاتا ہے کہ انتخابات اور دوسری سیاسی سرگرمیوں میں عورتوں کے حصہ لینے کی کوئی سبیل نہیں۔

جامع ازہر کی کبار علماء کمیٹی نے اپنے ایک فتوی میں اسے واضح وعیاں کردیا ہے۔فتویٰ یوں ہے: جب سقیفہ بنوساعدہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفۂ اول کے انتخاب کی باری آئی تو اس سلسلے میں مسلمانوں کا اختلاف اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب کی رائے جم گئی اور مسجد نبوی میں اس کے بعد آپ کی عام بیعت لی گئی لیکن مردوں کے ساتھ رائے دینے میں کسی عورت نے شرکت کی اور نہ کسی عورت کو بلایا گیا اوراسی طرح بیعت عامہ میں عورتوں کو بلایا گیا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے شرکت کی۔(۲)

یہ مضبوط ترین دلیل ہے جوعورت کو انتخابات میں حصہ لینے سے روکتی ہے۔

(۶) جب یہ بات معلوم ہے کہ کسی کی نامزدگی تزکیہ وتعدیل کی ایک قسم ہے اور یہ بڑا اہم معاملہ ہے تواس کے لیے تقوی اور علم اور سماع وتقلید کے مقابلہ میں براہ راست روبرو ہونے کی شرط لگائی جانا خود بہ خود ضروری ہوجاتا ہے۔دوسری طرف یہ بات یقینی ہے کہ عورتوں میں ان تمام صفات کا بیک وقت پایا جانا محال ہے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک عورت کا مرد کے حق میں تزکیہ قابلِ قبول نہیں ہوگا نہ ان چیزوں میں جن میں عورت کی شہادت قابل قبول ہے اور نہ ہی ان معاملات میں جن پرعورت کی شہادت مقبول نہیں۔جن علماء نے مرد کے حق میں عورت کے تزکیہ کو قابل قبول تسلیم کیا ہے انھوں نے بھی شرط لگائی ہے کہ تزکیہ کرنے والی عورت اس مرد کے تمام احوال سے واقف ہو اور چوں کہ عورت کی مرد کے احوال سے آگاہی صرف اور صرف اختلاط اور میل جول سے ہی ممکن ہے اس

(۱)غیاث الأمم (ص:۲۲)

(۲)الحرکات النسائیۃ وصلتھابالا ستعمار (ص:۳۲-۳۳)

لیے، پوری تاریخ اسلام میں جرح وتعدیل، رجال کے مراتب کی تقویم اور ان کے طبقات کی معرفت کے باب میں کوئی قابلِ ذکر قول نہیں ملتا۔[۱]

(۷) عورت کا انتخابات میں حصہ لینا، مستقبل میں ایسی قانون سازی تک لے جائے گا جس کی رو سے عورت کو پارلیمنٹ کی ممبرشپ دینا لازم ہو جائے گا۔ لہٰذا، سد ذرائع کے اصول کے تحت اسے اس کام سے منع کر دیا جائے گا کیوں کسی چیز کا وسیلہ بعینہ اس چیز کا حکم اختیار کر لیتا ہے۔[۲]

اس طرح، یہ واضح و ثابت ہو جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کے ممبران کو منتخب کرنے میں عورت کی شرکت کا حکم وہی ہے جو اس کے ممبر پارلیمنٹ چنے جانے کا ہے۔ دونوں کے دونوں ممنوع ہیں۔

---

(۱) جوانب التعارض......(ص:۸۰-۸۱)

(۲) دیکھئے: القرافی کی الفروق (۲/۳۲)، أعلام المؤقعین (۳/۱۰۸)

چھٹی فصل

نوکری اور پیشہ اختیار کرنا

اس میں دو مباحث ہیں:

پہلی بحث: مرد کا نوکری اور پیشہ اختیار کرنا

دوسری بحث: عورت کا نوکری اور پیشہ اختیار کرنا

پھلی بحث

مرد کا نوکری اور پیشہ اختیار کرنا

مذہبِ اسلام میں عمل کا بڑا اہم مقام ہے کیوں کہ عمل ہی پر زندگی کا دارومدار اور انحصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبِ اسلام نے عمل کو نہایت اعلیٰ مقام اور رفعتِ شان عطا کی ہے اور متعدد قرآنی آیات اور احادیثِ کریمہ میں اس کی دعوت دی ہے:

قرآن سے: (۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ“ (الملك: ١٥)

”وہی ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے نرم و ہموار بنا دیا ہے، لہٰذا، تم لوگ اس کے راستوں پر چلو اور اس کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔“

اپنے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم صادر فرمایا ہے کہ وہ زمین کے راستوں اور اس کے گوشوں میں رزق کے حصول اور تگ و دو میں چلیں تا کہ زمین کی تذلیل و تسخیر کی نعمت کا فائدہ اٹھا سکیں۔

(۲) ارشادِ باری ہے: "وَمِن رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" (القصص: ۷۳)

"یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمھارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تا کہ تم شکر گزار بن سکو۔"

"تلاشِ رزق" یعنی دن میں سفر، آمدورفت اور حرکات ومشغولیات کے ذریعہ روزی تلاش کریں اور اسے حاصل کریں۔[۱]

(۳) ارشادِ الٰہی ہے: "لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ" (یسٓ: ۳۵)

"تا کہ لوگ اللہ کے دیئے ہوئے پھل کھائیں اور یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا نہیں ہے۔"

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ" (الجمعة: ۱۰)

"پھر جب نماز پوری ہو جائے تو دھرتی میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کام کرنے اور رزق تلاش کرنے پر ابھارا ہے۔ اس میں اور اس کے بعد والی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ اس نے دنیا کی چیزوں کو ہمارا تابع بنایا ہے تا کہ ہمارے لیے رزق کمانے کے راستے آسان ہو جائیں۔

سنت سے: (۱) مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: آدمی کی اپنے ہاتھ کی کمائی، بہترین کمائی ہے۔[۲]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بہترین کمائی انسان کے ہاتھ کی کمائی ہے جب وہ اسے جائز طریقہ سے کمائے۔[۳]

---

(۱) تفسیر ابن کثیر (۳/۳۹۹)

(۲) سنن ابن ماجه (۲/۷۲۳، ح:۲۱۳۸)، علامه البانی نے اسے "صحیح سنن ابی داود" (۲/۲۰۶، ح:۱۷۵۲) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) مسند احمد (۲/۳۳۴، ح:۸۳۹۳)، علامه البانی نے اسے "صحیح الجامع" (۱/۲۲۲، ح:۳۲۸۳) میں حسن قرار دیا ہے۔

(۳) مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کسی نے بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے اچھا کھانا نہیں کھایا۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ [۱]

مرد کے کام کرنے کا حکم: مذکورہ بالا آیات واحادیث کی بناء پر اسلام میں ہر اس مردِ مسلماں پر کام کرنا واجب قرار دیا گیا ہے جو کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور کبھی کبھی مسلمانوں کی مجموعی حالت کے پیشِ نظر اسے فرضِ کفایہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی علماء اسلام کا خیال ورائے ہے جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: وہ روزی جس کا کھانا واجب ہے، یہ ہے کہ جب آدمی اپنے، اپنے اہل وعیال یا قرض کی ادائیگی کے کمانے کا محتاج ہو اور وہ اس پر قادر بھی ہو تو یہ واجب ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اگر نہیں کماتا تو وہ گناہ گار ہوگا۔ [۲]

رہی بات اس کام کی جو مسلمانوں کی مجموعی حالت دیکھ کر کیا جائے اور جس سے مسلم معاشرہ کو فائدہ ہوسکتا ہو تو ایسی حالت میں وہ فرضِ کفایہ ہے کیوں کہ وہ سارے کام جن کی تمام مسلمانوں کو ضرورت ہو تو فرائضِ کفایہ میں شمار کیا جائے گا۔ اگر بعض لوگ اس کام کو انجام دے لیں تو سب کی طرف سے کافی ہوگا ورنہ تمام مسلمان گناہ گار رہیں گے جب تک کہ مسلم سماج کے لیے وہ کام انجام دینے کے لیے کچھ لوگ اٹھ کھڑے نہ ہوں اور جو اس پر قادر ہوگا لیکن پیچھے رہے گا، وہ سب سے بڑا گناہ گار متصور ہوگا۔ [۳]

خلاصہ: کام کرنا آدمی پر واجب ہے۔ یہ حالات کے مطابق کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی فرضِ کفایہ۔ اگر اپنی روزی اور ان لوگوں کی روزی جو اس کے سہارے ہیں، تلاش کرنی ہو تو ایسی حالت میں کام کرنا واجب ہے اور اگر وہ اس میں کوتاہی کرتا ہے تو اس سے باز پرس ہوگی لیکن اگر سماج کے کچھ لوگ اس کام کو کرسکتے ہیں تو اس صورت میں وہ فرضِ کفایہ ہوگا لیکن اگر کرنے والا کوئی نہ ہو تو وہ کام واجب ہو جائے گا۔

---

(۱) بخاری (۲/۲۱۷، ح:۲۰۷۲)

(۲) مجموع الفتاوی (۸/۵۳۶)

(۳) أصول الا قتصاد الإسلامی، از رفیق یونس المصری (ص:۹۰)

دوسری بحث

عورت کا نوکری اور پیشہ اختیار کرنا

اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: عورت کے کام کرنے کا حکم

دوسرا مطلب: عورت کے کام کرنے کے میدان

تیسرا مطلب: عورت کے کام کرنے کے لیے نکلنے کے ضوابط

پہلا مطلب

عورت کے کام کرنے کا حکم

اسلامی شریعت نے عورت کے کام کرنے کو روا رکھا ہے، حرام نہیں کیا ہے کیوں کہ بسا اوقات مرد اپنے کام نہیں کرتے اور بسا اوقات وہ کام کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پورا ملک اپنے واجبات ادا نہیں کرتا اور اس کے سپرد جن لوگوں کی دیکھ بھال ہے، ان کے لیے وہ کچھ نہیں کر پاتا۔ اب ان مشکلات کے حل کے لیے بے چاری عورت کیا کرے؟ اکثر و بیشتر کچھ ضرورت کی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے حصول کے لیے عورت ہی کو کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے چناں چہ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ شریعت عورت کو کام کرنے کی اجازت دے تاکہ وہ خود پر رحم کر سکے اور زندگی کی ضروریات کو پورا کر لے۔

اسلام میں عورت کے کام کرنے کا حکم: اسلام میں عورت کے کام کرنے کا حکم حالات کے مطابق الگ الگ ہے۔ دوحالتوں میں اس پر کام کرنا واجب ہے:

۱- اس کے گھر والے نہ ہوں یا وہ لوگ اس کی، اس کے بال بچوں کی اور اس کے ذمہ جوافراد ہیں ان کی ضرورتیں نہ پوری کرتے ہوں تو ایسی حالت میں عورت پر کام کرنا واجب ہے۔

۲- دوسری حالت یہ ہے کہ سماج کی حفاظت کے لیے کام کرنا عورت پر فرض کفایہ ہو۔ عورت پر وہ کام فرض کفایہ ہیں جو اسلامی سماج تمام عورتوں پر نافذ کرتا ہے۔ یہ کام سماج کی ضرورت کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔[۱] جیسے تولید، عورتوں کا جسمانی علاج، عورتوں کے پوشیدہ امراض کا علاج، دانتوں کا علاج یا ایسے کام کی مشق وتمرین کرانا جن کو عورت مرد سے اختلاط کیے بغیر انجام دے سکے جیسے کمپیوٹر، ٹائپنگ وغیرہ۔ اسی طرح گھریلو علاج اور دوسرے کام کاج تا کہ تربیت یافتہ عورتیں نکلیں اور لڑکیوں کو ان کی تعلیم وتربیت دیں اور وہ مردوں سے تعلیم لینے اور ان سے اختلاط کرنے سے بے نیاز ہوجائیں۔ اس طرح کے کام مسلمان عورت پر فرض کفایہ یا واجبِ کفایہ ہیں۔[۲]

کبھی کبھی عورت کے لیے کام کرنا مندوب ہوتا ہے جیسے:

۱- محتاج باپ، بھائی یا شوہر کی امداد ومعاونت

۲- مسلم معاشرہ کی بڑی مصلحت کا تحقق

۳- کارہائے خیر میں خرچ کرنا

اس کی دلیل، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

”وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَان“ (المائدہ:۲)

”بھلائی اور پرہیزگاری کی ہر بات میں ایک دوسرے کی مدد کرو لیکن گناہ اور ظلم کے کام میں ایک دوسرے کی مدد ہرگز نہ کرو۔“

اور اللہ کے رسول ﷺ کا عدت گزارنے والی عورت سے یہ کہنا کہ تم اپنے کھجور کے پھل توڑو،

---

(۱) دیکھئے: عمل المرأة-ضوابطه وأحكامه (ص:۲۹۵)

(۲) مشكلة عمل المرأة وطريقة حلها (ص:۴۲)

ہوسکتا ہے کہ تم اس کو صدقہ کرو یا اس سے کوئی بھلا کام کرو۔''[1]

اور جو کام عورت کے لیے حرام ہیں، تو وہ یا تو بذاتہ حرام ہیں جیسے اس کا صدر مملکت بننا یا وزارت کا قلمدان سنبھالنا یا جسٹس بننا یا شوریٰ میں شامل ہونا جیسا کہ سابقہ فصلوں میں بات آ چکی ہے، یا پھر دوسری وجوہات کی بنا پر حرام ہیں۔ ایسا اس وقت ہے جب وہ اپنے کام کے معاملے میں شرعی حدود و قیود کی پابندی نہ کرے یا اس کا کام مرد سے خلوت میں ملاقات کرنے کا متقاضی ہو یا مردوں کی راہِ زندگی کے انقطاع کا سبب بنے جو انفاق کے مکلّف ہیں یا پھر بچوں کے بگڑنے کا سبب بنے۔[2]

اور کبھی عورت کا کام کرنا مکروہ ہوتا ہے، دریں صورت کہ وہ کام کرنے کی ضرورت مند نہ ہو بطور مثال اس کا شوہر یا باپ اس کا خرچ اٹھائے یا اس کے پاس اتنی دولت ہو کہ جو اس کی پوری زندگی کے لیے کافی ہو۔[3]

عورتوں کے کام کرنے کے جواز کی بہت ساری دلیلیں ہیں:

دلائل: (۱) اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

''للرجال نصیبٌ مما اکتَسَبُوا وللنساء نصیبٌ مما اکتَسَبنَ'' (النساء:۳۲)

''مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔''

علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ مرد و عورت میں سے ہر ایک کا دنیا کی نعمتوں میں سے ایک مقرر حصہ ہے خواہ وہ تجارتیں ہوں یا کھیتیاں یا کمائی کے دوسرے ذرائع ہوں لہٰذا اسے اپنے حصے کی چیزوں کے برخلاف امیدیں نہیں پالنی چاہئے۔[4]

---

(۱) صحیح مسلم (۱۱۲۱/۲، ح:۱۸۴۳)

(۲) عمل المرأة صنوابطه وأحكامه (ص:۲۹۶–۲۹۷)

(۳) عمل المرأة–ضوابطه واحكامه (ص:۲۹۷)

(۴) روح المعانی: ۲۰/۵

(۲) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَقُلِ اعْمَلُواْ فَسَيَرَى اللّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ (التوبہ:۱۰۵)

''کہہ دیجئے کہ تم عمل کئے جاؤ تمہارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے بھی دیکھ لیں گے''۔

اور اللہ کا قول:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ﴾ (الملك:۱۵)

''اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو پست ومطیع کر دیا تا کہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ پیو اسی کی طرف تمہیں جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے''۔

وجہ استدلال: دونوں آیتوں کا عموم اس پر دلالت کرتا ہے کہ شارع حکیم نے مرد وعورت میں سے ہر ایک کو نیک اور صالح عمل کرنے پر ابھارا ہے جو اعمال کہ لوگوں کیلئے نیک بختی کا ذریعہ ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (الطلاق:٦)

''پھر اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو''۔

وجہ استدلال: عورت کیلئے رضاعت کا عمل جائز ہے نیز اس کام پر اس کا اجر لینا بھی جائز ہے جیسا کہ مطلقہ عورت کیلئے جائز ہے کہ اپنے چھوٹے لڑکے کو دودھ پلانے کی اجرت لے، اس حیثیت سے کہ وہ مرضعہ ہے (اور مرضعہ کا دودھ پلانے کی اجرت لینا جائز ہے) اس حیثیت سے نہیں کہ وہ اس لڑکے کی ماں ہے یا شوہر کی سابقہ بیوی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثاً﴾ (النحل:۹۲)

''اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے

کر کے توڑ ڈالا‘‘۔

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوت کاتنے (غزل) کا عمل عورت کیلئے جائز ہے۔ لہٰذا اسی پر ہر وہ کام قیاس کیا جائے گا جو عورتوں کیلئے مناسب ہو، اور عورت وہ کام کر سکتی ہو۔

سنت سے (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گی، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم اپنے ہاتھ ناپنے لگے کہ دیکھیں کس کا ہاتھ سب سے لمبا ہے، عائشہ کہتی ہیں: زینب کا ہاتھ سب سے لمبا تھا، کیوں کہ وہ اپنے ہاتھ سے روزی کماتی تھیں اور صدقہ کر دیتی تھیں۔ (۱)

وجہ استدلال: حضرت زینب رضی اللہ عنہا دباغت، خزازت اور خرید و فروخت وغیرہ کا کام کرتی تھیں، تا کہ اس سے جو حاصل ہو وہ اللہ کے راستے میں صدقہ کر سکیں۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو جب طلاق ہوگئی تو انہوں نے کھجوریں توڑنے کا ارادہ کیا تو اس پر ایک آدمی نے انہیں برا بھلا کہا (روکا) مری خالہ نبی ﷺ کے پاس آئیں اور پورا ماجرا کہہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ تم کھجوریں توڑنے کا کام کرو، کیونکہ امید ہے کہ تم اس میں سے صدقہ کروگی یا کوئی اور نیک کام کروگی۔ (۲)

وجہ استدلال: حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کیلئے عدت کے ایام میں اپنے گھر سے نکلنا جائز ہے اپنے مال کی دیکھ ریکھ کیلئے خواہ دینی مقصد ہو یعنی صدقہ وغیرہ یا دنیوی غرض ہو۔

لہٰذا جب عورت کیلئے کام کیلئے اس حالت میں نکلنا جائز ہے یعنی عدت کی حالت میں تو غیر عدت میں تو اس کا نکلنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی رائطہ سے روایت ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں پیشے والی عورت ہوں جس کو بیچ کر میں اپنا

---

(۱) مسلم (۱۹۰۷/۴، ح:۲۴۵۲)

(۲) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

خرچ چلاتی ہوں اور میرے لڑکے اور شوہر کیلئے اس کے علاوہ کوئی نفقہ نہیں ہے اور ان لوگوں نے مجھے صدقہ سے روک دیا ہے۔ لہٰذا میں کسی کو صدقہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی ہوں، تو کیا میں جو کچھ اپنی اولاد اور شوہر پر خرچ کرتی ہوں اس پر اجر ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: ان پر تم خرچ کرو کیونکہ جو کچھ تم ان پر خرچ کروگی اس پر تمہیں اجر ملے گا۔ (۱)

وجہ استدلال: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کیلئے ایسی ملازمت جو اس کے مناسب حال ہو اور جس کی اس کو قدرت ہے، جائز ہے۔ جیسا کہ اس کیلئے جائز ہے کہ غریب شوہر کے کام میں ہاتھ بٹائے اور اس صورت میں اس کا اپنے شوہر اور اولاد پر خرچ کرنا صدقہ ہوگا۔ یہ خرچ صدقہ اس لئے ہوگا کہ نفقہ شوہر پر واجب ہے نہ کہ بیوی پر۔

ابن عابدین کہتے ہیں کہ والد کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو ایسی عورت کے حوالے کرے جو اسے کوئی پیشہ (کام) سکھا سکے جیسے کڑھائی اور سلائی وغیرہ، اور یہ اس لئے تاکہ ضرورت کے وقت وہ اپنی کفالت خود کر سکے۔ (۲)

(۴) اللہ کے نبی ﷺ کے زمانے کی عورتیں اپنے اپنے گھر اور اپنی خاندان کیلئے نافع تھیں۔ اسی طرح سوسائٹی اور دین کیلئے وہ نفع بخش تھیں اپنے مناسب حال اور جس کی اسے طاقت ہوتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ایک دن اس کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا، لوگوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کر گئی۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا، پھر آپ قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔ (۳)

وجہ استدلال: یہ عورت جس کا پیشہ (کام) مسجد کا کوڑا کرکٹ صاف کرنا تھا اور نبی ﷺ اس کو دیکھتے تھے اسی لئے جب آپ نے اس کو کھودیا اور نہ پایا تو اس کے بارے میں دریافت

---

(۱) مسند احمد (۵۰۳/۳، ح:۱۲۱۳۰)، مسند کے محققین نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲) حاشیة ردالمختار (۶۷۱/۲)

(۳) بخاری (۱۶۰/۱، ح:۴۵۸)

کیا۔اس طرح یہ عورت مسجد نبوی کی صفائی کے ذریعہ اپنے دین کیلئے نفع بخش تھی۔

(۵) عہد نبوی ﷺ میں عورتیں اپنے دینی اور دنیاوی نفع میں اس درجہ تک پہونچ گئی تھیں کہ جہاد میں صحابیات شریک ہوتی تھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور اپنی مناسب حال کام کرتی تھیں مثلاً: زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی عیادت اور کھانا بنانا اور پانی پلانا۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ کرتے تو آپ کے ساتھ ام سلیم اور انصار کی کچھ عورتیں بھی آپ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ان عورتوں کے ذمہ پانی پلانا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا تھا۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اجنبیہ عورت کیلئے اجنبی مردوں کا علاج کرنا بوقت ضرورت جائز ہے۔(۲)

خلاصہ کلام: شریعت اسلامیہ نے عورت کو کام کرنے کی اجازت دی ہے اور اسے مباح قرار دیا ہے تاکہ حالاتِ زندگی کے چیلنجوں کا مقابلہ کرسکے اور اس کی بہت ساری دلیلیں ہیں جو گذر چکی ہیں اور جب شریعت اسلامیہ نے عورت کو اس کی اجازت دی ہے تو اس کے لئے کچھ ضابطے اور قانون بھی مقرر کئے ہیں جس کی رعایت کرنا عورت کیلئے ضروری ہے اگر عورت کو اس کے حالات کام کرنے پر ہی مجبور کریں۔جس کی تفصیل انشاءاللہ آئندہ آئے گی۔

---

(۱) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۲) فتح الباری (۸۰/۶)

دوسرا مطلب
عورت کے کام کرنے کی جگہیں

مقدمہ: عورت کے کام کرنے کی جگہوں کے بارے میں بات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ایک اہم بات کی طرف اشارہ کردیں۔ وہ یہ ہے کہ جب ہم عورت کے باہر کام کرنے کے لیے نکلنے کو جائز سمجھیں تو یہ نہ سمجھیں کہ یہی اصل ہے، بلکہ گھر میں رہنا اس کا اصل کام ہے۔ وہ اپنے پریوار کی دیکھ بھال کرے، بچوں کی پرورش و پرداخت کرے۔ یہی کام اس کے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔ عورت کا گھر کے اندر رہ کر کام کرنا ہی اس کے کام کا سب سے اہم اور بڑا میدان اور سب سے پہلی جگہ ہے۔

ہمیں ان لوگوں پر بہت تعجب ہوتا ہے جو عورت کے گھر کے اندر کے کام کو کام نہیں سمجھتے، جبکہ وہ اپنے گھروں میں کام کرنے والیوں کو رکھتے ہیں لیکن جب عورت گھر میں کام کرتی ہے تو اس کو دنیا کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کو کام کرنے والی نہیں سمجھتے لیکن جب یہ گھر سے باہر جا کر دوسرے گھر میں کام کرتی ہے یا دوسری عورت کے ساتھ کام کرتی ہے اور دوسرے خاندان کی بھلائی کے لیے کام کرتی ہے تو اسے کام کرنے والی سمجھتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ کتنے بے کار اور الٹے پلٹے پیمانے ہیں یہ جو قدرت کے خلاف ہیں!

گھر کے باہر عورت کے کام کرنے کی جگہیں بہت ہیں اور کئی طرح کی ہیں لیکن ان کے اندر دو بڑی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے جنہیں عورت کے کام کرنے اور اس کے مطابق ہونے کا پیمانہ سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ ہیں:

پہلا: کام عورت کے لائق ہو

عورت جب کام کے لیے باہر نکلے تو یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ جو کام کرنے جارہی ہے وہ اس کے لیے مناسب ہو اور وہ اسے کرسکتی ہو، وہ عورتوں کا کام ہوتا کہ بیوی ہونے کے ناطے اسے کرسکے۔ یہ

سونچنا بھی نہیں چاہئے کہ عورت تیل نکالنے یا کان وغیرہ کی جگہوں میں کام کرے۔اسی طرح پولیس یا مجرموں کو پکڑنے کا کام کرے اور نہ ہی وہ راستے میں بھیڑ بھاڑ (ٹریفک) دور کرنے کا کام کرے۔یہ سارے کام اس کے لیے مناسب نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی ایسا کام جس میں اس کو ناکامی ہی ہو۔عقل یہی بات کہتی ہے اور سچائی اسی کی تائید کرتی ہے۔

دوسرا: کام شریعت کے مطابق ہو

یہ بھی شرط ہے کہ عورت جو کام کرنے جا رہی ہے وہ شریعت کے مطابق ہونا چاہئے، وہ گناہ کا کام نہ ہو، گناہ کی طرف نہ لے جاتا ہو اور ایسا کام بھی نہیں ہونا چاہئے جس سے خاندان کی بدنامی ہو۔ شریعت جو کام عورتوں کے لیے حرام کرتی ہے اور جو عورتوں پر حرام ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ گانے بجانے کا کام کریں، یہ سارے کام حرام ہیں۔کیونکہ یہ سب کام شریعت کے خلاف ہیں۔

جو بات پیچھے آ چکی، اس کے مطابق عورت کا کام کرنے کی جگہیں بہت ہیں جیسے عورت ڈاکٹر بن سکتی ہے یا وہ نرس بن سکتی ہے وہ تعلیم گاہوں میں کام کر سکتی ہے تا کہ وہ لڑکیوں کو تعلیم دے۔ جیسے سلائی، کڑھائی، بیوٹی پارلر جو شریعت کے مطابق ہو۔ اپنے والد، بھائی اور خاوند کی مدد کے لیے کھیت میں بھی کام کر سکتی ہے۔اسی طرح تجارت وغیرہ میں بھی کام کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ کام شریعت کے مطابق ہو۔اس کے علاوہ اور بھی جگہیں ہیں جن کا بیان ممکن نہیں ہے۔

تیسرا مطلب

عورت کے کام کرنے کے لیے نکلنے کے ضوابط

شریعت نے سماج کے اندر عورت کے نکلنے، آنے جانے کے کچھ قانون بنائے ہیں یہ سارے قانون اس وقت ضروری ہو جاتے ہیں جب عورت گھر سے باہر کام کے لیے نکلتی ہے۔ یہ قوانین نیچے آرہے ہیں:

۱-ولی یعنی سرپرست کی اجازت:

پہلا قانون یہ ہے کہ عورت کا ولی یعنی سرپرست اسے باہر کام کرنے کی اجازت دے۔ عورت کا ولی وہ ہوتا ہے جو اس کے معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے جیسے شوہر، والد، بھائی یا اس وقت کا سردار جو اس کی دیکھ بھال کرے۔

اسلام کی عورت کے اوپر بہت بڑی مہربانی ہے کہ اس نے اس کے کام کی ذمہ داری مردوں کو دی کہ وہ اس کے معاملات کو حل کریں۔

۲-شریعت کے مطابق کپڑے پہنے:

شریعت کے مطابق کپڑے پہننا صرف کام کے لیے نکلتے وقت ہی واجب نہیں بلکہ عورت کے لیے تمام حالات میں اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جب بھی عورت گھر سے کام یا کسی اور چیز کے لیے نکلے، وہ شریعت کے مطابق کپڑے پہن کر نکلے، شریعت کا کپڑا سارے لوگوں کو معلوم ہے، ان میں سے کچھ کا بیان آرہا ہے:

(۱) پورے بدن کو ڈھکا رکھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ

مِن جَلَابِیبِھِنَّ ذٰلِکَ أَدْنَی أَن یُعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوراً رَّحِیْماً﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دے دو کہ اپنی چادریں کچھ نیچے لٹکا لیا کریں، اس میں زیادہ امکان ہے کہ انہیں پہچان لیا جائے تو ستایا نہ جائے اور اللہ تعالیٰ نہایت معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔'' (الأحزاب: ۵۹)

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ إِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا﴾ (النور: ۳۱)

''اپنا بناؤ سنگار لوگوں کو نہ دکھائیں لیکن اتنا جو کہ دیکھنے میں آتا ہے۔''

(۲) وہ کپڑا خود زینت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّةِ الْأُولَی﴾ (الأحزاب: ۳۳)

''اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح سج دھج کر نہ دکھاؤ۔''

(۳) کپڑا موٹا ہونا چاہئے، اتنا باریک نہ ہو کہ اس کے اندر دکھائی دے۔

(۴) ڈھیلا ڈھالا ہونا چاہئے، چست نہیں ہونا چاہئے جس سے بدن کا کوئی حصہ دکھائی دے۔

(۵) کپڑا ایسا نہ ہو جس کے اندر خوشبو لگی ہو۔[۱]

۳۔ برائی سے بچی رہے:

برائی سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ عورت جب گھر سے نکلے تو واپس لوٹنے تک اس کا دین، عزت اور پاکدامنی محفوظ رہے[۲] لیکن اگر اس کے نکلنے سے برائی کا ڈر ہو تو اس کا نہ نکلنا ہی بہتر ہے[۳] برائی سے بچنا شریعت کے اندر بہت بڑی چیز ہے جس کے بارے میں شریعت نے احکام بنانے میں بہت دھیان دیا ہے۔ شریعت نے کچھ طریقے بھی بنائے ہیں جن کے ذریعہ برائی سے بچا

(۱) جلباب المرأة المسلمة للألبانی، ص:۳۹ اور اس سے آگے۔

(۲) حکم عمل المرأة فی الفقه الإسلامی (ص:۵۵)

(۳) أحکام النساء......ابن الجوزی (ص:۲۰۷)

جاسکتا ہے، ان میں سے کچھ کا بیان آ رہا ہے:

(الف) تنہائی میں نہ ملنا: خلوت کہتے ہیں کہ عورت ایک اجنبی مرد سے ملے اور وہاں کوئی اس کے گھر کا محرم نہ ہو۔"(۱)

یعنی ضروری ہے کہ عورت کام کے لیے جائے تو کسی آدمی سے اکیلے میں نہ ملے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "کوئی بھی مرد کسی عورت سے اکیلے میں کبھی بھی نہ ملے۔ مگر جب اس کے ساتھ کوئی شخص ہو جس سے اس کی شادی نہیں ہوسکتی ہو۔"(۲)

اکیلے میں ملنا حرام ہے کیونکہ اس سے حرام کام میں مبتلا ہونے کا ڈر رہتا ہے اور یہ برائی پر ابھارتا ہے اور شریعت میں ہے کہ جس سے برائی کا ڈر ہو اس کو چھوڑ دیا جائے اور بھلائی کے کام کو پہلے کیا جائے۔

(ب) مردوں سے میل جول کا نہ ہونا: اس کا تعلق اپنے سے پہلے والے سے ہے، اس لیے مرد اور عورت کے کام کے بیچ دوری کا ہونا ضروری ہے۔ میل جول سے بھیانک برائی ہوسکتی ہے اس لیے شریعت نے اسے حرام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میل جول سے روکا ہے یہاں تک کہ مسجد کے اندر بھی مرد وعورت کے بیچ دوری کا ہونا ضروری ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورتوں کی پہلی صفوں کو اچھا نہیں کہا ہے۔ یہ تو نماز کی حالت کی بات ہے جب دل کا لگاؤ اللہ سے ہوتا ہے تو اور جگہوں کی بات ہی نہ کریں۔ آج ہم ہر جگہ برائیاں اور بگڑنے کی وجہ انہی کو دیکھ رہے ہیں اس لیے اس کا حرام ہونا اور بھی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

۴۔ بنا محرم کے سفر نہ کرنا:

اگر عورت کا کام ایسی جگہ ہو جہاں اس کو سفر کر کے جانا پڑے، جیسے اجتماع اور میٹنگ میں جانا یا ملک سے باہر جا کر کام کرنا ہو تو ایسی صورت میں سفر کے وقت اس کے ساتھ کسی محرم کا ہونا ضروری ہے

(۱) أحکام النساء......ابن الجوزی (ص:۵۵)

(۲) بخاری (۱۶۸۲/۳، ح:۵۲۳۳)

کیونکہ بغیر محرم کے اکیلے سفر کرنا اسلام نے عورت پر حرام کیا ہے۔

اس کے بارے میں بہت سے دلائل ہیں:

☆ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: عورت محرم کے ساتھ ہی سفر کر سکتی ہے۔"(۱)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بنا محرم کے عورت کا سفر کرنا حرام ہے کیونکہ حدیث کے اندر جو نہی ہے اس سے حرام ہونے کا مطلب نکلتا ہے کیونکہ یہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے پتا چلے کہ حرام ہونا مراد نہیں ہے۔

۵-اس کے کام سے خاندان اور سماج کو نقصان نہ پہنچے:

اگر عورت کے کام سے پریوار اور سماج کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہو تو اسے کام کرنے سے روک دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت پریوار کی دیکھ بھال کرنے والی ہے اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت پر اس کے شوہر اور اس کے گھر کا بڑا حق ہے۔

خلاصہ: عورت کے کام کے قوانین یہ ہیں کہ اس کے کام سے نہ تو اس کے پریوار اور نہ ہی سماج کو نقصان پہنچے اگر ایسا ہو جائے اور سماج اور پریوار کو عورت کے کام کرنے سے نقصان پہنچ جائے تو اس کا گھر لوٹ جانا واجب ہے بلکہ وہ گھر سے بنا اپنے ذمہ دار کی اجازت کے نکل ہی نہیں سکتی۔

انٹرنیشنل اجتماعات اور عورت کو نوکری اور کام دینے کی وکالت:

جب ہم نے عورت کے کام کرنے کے بارے میں اسلام کی بات بیان کر دی تو ہمارے لیے

(۱) بخاری (۱/۵۵۱، ح:۱۸۶۲)

(۲) بخاری (۱/۲۶۷، ح:۸۹۳)

ثابت ہوگیا کہ عورت کس حدتک کام کرسکتی ہے اورکس طرح اس کو کام کے لیے نکلنا ہے تاکہ معاشرہ کو نقصان نہ پہنچے اوراس کے اندرتوازن برقراررہے۔ معاشرہ میں نہ توکسی شخص کو کچھ پریشانی ہواور پریوار کی بھی عزت باقی رہے۔ اس طرح وہ باتیں بھی دھیان میں رہیں کہ عورت کے نکلنے سے جو پریشانیاں ہوتی تھیں وہ نہ ہوں کیونکہ عورت بنا کسی قانون کے نکلے گی تو اس سے پریشانی اور برائی کا ڈرلگا رہتا ہے۔ اب ہمیں چاہیے کہ ہم ان خیالات کو بھی دیکھیں جوشریعت کے خلاف ہیں تاکہ اسلامی قانون اوردوسرے تنظیموں کے قوانین کے بیچ فرق کیا جاسکے۔

عورت کے معاملات کا دھیان رکھنے والی تنظیم عورت کو بازار کی طرف بلاتی رہی ہے اور ہرجگہ چاہے معاشرہ ہو یا کام کاج کرنے کی جگہ ان کو مردوں کے برابر حقوق دینے کی وکالت کرتی رہی ہیں۔ یہ تنظیم حکومت کو ابھارتی رہی ہے کہ عورت کو پوری طرح سے مردوں کے ساتھ کام کرنے میں حصّہ دلایا جائے، جبکہ ایسا ہونا چاہئے تھا کہ وہ گھر کا کام کاج کرتی اور گھریلو کام کاج پراس کو زیادہ ابھارا جاتا، وہ بچوں کی دیکھ ریکھ اور پرورش وپرداخت کرتی اورانہی باتوں کو جوعورت کا پہلا کام ہے، ضروری شرط سمجھا جانا چاہئے تھا تاکہ عورت کے حقوق کی حفاظت کی جاسکے۔

عورت کوکام نکلنے کی طرف بلانے والی کانفرنسوں کا جائزہ:

وہ کانفرنسیں جوعورت کو کام پر نکلنے کو کہتی ہیں ان کا جائزہ کچھ باتوں کے ذریعہ لیا جا سکتا ہے:

(۱) اقوام متحدہ کانفرنس عورت کوایسے کاموں میں حصّہ لینے کو نہیں کہتی ہے جوان کے بدن کے مطابق ہوں جیسے معاشرتی کام ہو یا علم اورصحت وغیرہ سے متعلق ہو بلکہ کہتی ہیں کہ وہ ٹیکنالوجی وغیرہ کے میدان میں حصّہ لیں اور باہر جا کر معاشرتی میدان میں کام کریں۔

ایسا لگ رہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے کام کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں اورایک کودوسرے کی جگہ دینا چاہتے ہیں۔

(۲) ان کانفرنسوں کی رپورٹ کہتی ہے کہ عورت مرد کے ساتھ ہر جگہ اور ہر کام کرسکتی ہے بلکہ ایسا کرنا واجب سمجھتے ہیں۔اس کے ذریعہ وہ دونوں کے اندر برابری لانا چاہتے ہیں۔اس طرح عورت پر ظلم اور ناانصافی ہوتا ہے۔ان تنظیموں کا مقصد صرف مرد وعورت کو برابر حقوق دینا ہے۔

(۳) ان کانفرنسوں کی رپورٹ بتاتی ہے کہ مشرقی ملکوں میں کام کرنے والی عورتیں بہت بڑی مشکلات کا سامنا کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ ان کو مردوں کے برابر کام کرنا پڑتا ہے لیکن تنخواہ مردوں سے کم ملتی ہے[1] اس سے پتا چلتا ہے کہ مشرقی سماج کے اندر عورت کو مردوں کے برابر حق نہیں دیا جاتا اور وہ عورت کو صرف کم تنخواہ والے کام کرنے کی طرف بلاتے ہیں جو کہ ایسے طریقے سے تعلق رکھتا ہے جس میں دوسروں سے غلط فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

(۴) ان کی رپورٹوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عورت کو مرد کے ساتھ کام کرنے میں زنا جیسی بڑی برائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو کہ تنخواہ کی پریشانی سے بڑھ کر ہے۔

(۵) جب عورت کام کے لیے نکلتی ہے تو اس کی وجہ سے بے روزگاری بڑھ جاتی ہے اس لیے مردوں کو روزگار نہیں ملتا۔ ہر شہر میں ہزاروں نوجوان بے روزگار رہتے ہیں۔اس کے باوجود وہ عورتوں کو کام کرنے کے لیے کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت کا حق ہے تو بھلا بتاؤ کہ خرچ کی ذمہ داری کسے دی گئی ہے؟ کیا وہ مرد نہیں ہے جس کو ذمہ داری دی گئی ہے؟

(۶) یہ لوگ جو کانفرنس منعقد کرتے ہیں وہ گھر کے اندر عورت کے کام کو کام نہیں سمجھتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ گھر کے باہر کا کام ہی اس کا کام ہے اس کے علاوہ جو ہے وہ بے روزگاری ہے۔

(۷) گھر کے اندر عورت کے کام کو کام سمجھنے والی بات بڑی بھول سمجھی جاتی ہے جبکہ گھریلو کام کاج کو بھی لفظ ومعنا کام ہی سمجھا جاتا ہے اور سارے علماء اقتصاد گھر کے کام کو کام مانتے ہیں۔

---

(۱) العدوان على المرأة فى المؤتمرات الدولية (ص:۴۱۶، ۴۱۷)

1985ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جس کے اندر عورت کے گھر کے اندر کام کو سراہا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ''اگر پوری دنیا کی عورتیں اپنے گھریلو کام کی تنخواہ حاصل کریں تو ان کی یہ تنخواہ ہر ملک کی آمدنی کا آدھا ہوگا اور اگر عورتیں گھریلو کام کرنا چھوڑ دیں تو پوری دنیا میں تباہی پھیل جائے گی، بچے سڑکوں پر پڑے رہیں گے، دودھ پیتے بچے بھوکے پیٹ سخت ٹھنڈی میں اپنے پریوار میں پڑے رہیں گے، بچے گندے کپڑوں میں دکھائی دیں گے، نہ تو ان کے پاس کھانے کو کچھ ہوگا اور نہ ہی پینے کا پانی ہوگا۔''(۱)

(۱) رسالة إلى حواء ازمحمد رشيد العويد (ص:۷۳)

ساتویں فصل

ولایت نکاح

اس میں تین مباحث ہیں:

پہلی بحث : نکاح میں مرد کی ولایت

دوسری بحث : نکاح میں عورت کی ولایت

تیسری بحث : ماذونیہ کی ولایت

پہلی بحث

نکاح میں مرد کی ولایت

نکاح کی تعریف: نکاح کہتے ہیں مرد وعورت کے مابین ایسا معاہدہ جو اس مقصد سے ہو کہ ان میں کا ہر ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوگا خاص صیغہ کے ساتھ۔[1]

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کا شرعی ولی جب عورت کی رضامندی سے نکاح کرادے تو یہ عقد نکاح صحیح ہوگا۔

(۱) ولایة المرأة فی الفقه الإسلامی (ص:۵۴۴)

قرآن وحدیث کی مشہور دلیلیں اس بات پر شاہد ہیں کہ عورت کا شرعی ولی عقد نکاح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مثلاً: (۱) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ﴾ (النساء: ۳۴)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے''۔

وجہ استدلال: نکاح کی ولایت مرد کو حاصل ہے کیونکہ آیت مبارکہ کی صراحت کے مطابق وہ ''قوام'' ہے۔ جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔(۱)

(۲) اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾ (النور: ۳۲)

''تم میں سے جو مرد وعورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کردو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی''۔

وجہ استدلال: آیت کریمہ میں خطاب مرد اولیاء سے ہے۔

(۳) بوڑھے شیخ کا موسیٰ علیہ السلام سے کہنا کہ:

﴿قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ﴾ (القصص: ۲۷)

''اس بزرگ نے کہا کہ میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں''۔

وجہ استدلال: موسیٰ علیہ السلام سے اپنی لڑکی کا نکاح کرانے میں ولی بوڑھے شیخ ہی تھے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

---

(۱) دیکھئے: امام شافعی کی احکام القرآن (۱/۱۷۵)

’’اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اوروہ اپنی عدت پوری کرلیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو‘‘۔

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ میں خطاب مردوں کو ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کوروکا ہے جبکہ عورت اپنی مرضی سے نکاح کرنا چاہے۔

(۵) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں‘‘۔ (۱)

وجہ استدلال: حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر ولی کے نکاح درست نہیں ہوگا یعنی شریعتِ اسلامیہ میں نکاحِ صحیح کیلئے ولی کی موجودگی ضروری ہے۔

---

(۱) سنن ابی داود (۲/۲۲۹، ح:۲۰۸۵)، علامہ البانی نے صحیح سنن ابی داود (۱/۵۸۴، ح:۲۰۸۵) کے تحت اسے صحیح قرار دیا ہے۔

دوسری بحث

نکاح میں عورت کی ولایت

جمہور سلف وخلف علماء کا اتفاق ہے کہ عورت کا نکاح کرانے کی صحت میں ولی شرط ہے چاہے عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ خود سے اپنا نکاح کرلے، نہ تو اصالۃً، نہ نیابۃً اور نہ وکالۃً اور اگر عورت اپنا نکاح بغیر ولی کی اجازت کے خود سے کرلے تو وہ باطل ہے، ولی نے اس کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔مالکیہ،شافعیہ،حنابلہ اور ظاہریہ کا یہی مذہب ہے۔

دلائل: قرآن سے (۱)اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَلاَ تُنكِحُواْ الْمُشِرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُواْ﴾ (البقرہ:۲۲۱)

''تم مشرکوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں''۔

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مرد اولیاء کو خطاب کیا ہے کہ تم اپنے ماتحت عورتوں کا نکاح مشرکین سے نہ کراو،عورتوں کو مخاطب نہیں کیا ہے۔

(۲)اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾(النور:۳۲)

''تم میں سے جو مرد وعورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کردو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی''۔

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ میں بھی خطاب مردوں کو کیا گیا ہے۔اگر عورت کیلئے اپنا نکاح خود سے کرلینا جائز ہوتا تو آیت میں اس کا بھی تذکرہ ہوتا اور خطاب مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی کیا گیا ہوتا۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت بغیر ولی کی اجازت کے خود سے اپنا نکاح نہیں کرسکتی۔ [1]

(۳) اور موسیٰ علیہ السلام سے بوڑھے شیخ نے کہا کہ:

﴿قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ﴾ (القصص: ۲۷)

''اس بزرگ نے کہا میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں''۔

وجہ استدلال: ولی ہی اپنی لڑکی کا نکاح کرانے کا سرپرست اور ذمہ دار ہوگا نکاح منعقد کرنے میں اس لڑکی کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کرانے کا ذمہ دار ولی ہوگا۔عورت کا اس سلسلہ میں کوئی حصہ (حق) نہیں ہے۔ [2]

(۴) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنّ﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو''۔

وجہ استدلال: آیت کریمہ میں خطاب اولیاء کو ہے، کیونکہ اگر عورت کو ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرنے کی اجازت ہوتی تو ولی کو اس آیت میں شوہر سے نکاح کرنے سے منع نہ کیا جاتا جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

---

(۱) الجامع لأحكام القرآن (۱۲/۲۳۹)

(۲) تفسير قرطبی (۱۳/۲۷۱)

سنت سے : (۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بغیر ولی کے نکاح صحیح نہیں ہے۔[۱]

وجہ استدلال: اس حدیث میں نکاح کے صحیح ہونے کیلئے ولی کی شرط ہے نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود منعقد نہیں کرسکتی اور نہ نکاح کی وکیل بن سکتی ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح (شادی) کرلیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔[۲]

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس عورت کا نکاح اس کے ولی نے نہ کرایا ہو تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔[۳]

وجہ استدلال: حدیث میں صراحت ہے کہ بغیر ولی کے نکاح باطل ہے، عورت خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، شریفہ ہو یا وضیعہ نیز عورتوں کو نکاح کی ولایت حاصل ہی نہیں ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت دوسری عورت کا نکاح نہ کرائے اور نہ خود اپنا نکاح کرائے۔[۴]

وجہ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اپنا یا دوسرے کے نکاح کی ولی نہیں ہوسکتی اور نہ وکیل بن سکتی ہے۔ کیونکہ عورتوں کو اپنا یا دوسرے کے نکاح کی ولایت حاصل ہی نہیں ہے۔

---

(۱) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۲) سنن الترمذی (۴۰۸/۳، ح:۱۱۰۲) نیز دیکھئے: التیسیر بشرح الجامع الصغیر (۴۱۰/۱) یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳) سنن ابن ماجہ (۶۰۵/۱، ح:۱۸۷۹)، علامہ البانی نے اسے "صحیح سنن ابن ماجہ" (۱۲۹/۲، ح:۱۵۳۶) کے تحت صحیح کہا ہے۔

(۴) سنن ابن ماجہ (۶۰۶/۱، ح:۱۸۸۲)، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے دیکھئے: صحیح سنن ابن ماجہ:(۱۳۰/۲،ح:۱۵۳۹)

ولی کی شرط لگانے کی حکمت:

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ عورت کا نکاح درست ہونے میں ولی کی شرط لگانے کی حکمت عورت پر ظلم اور اس کی بے عزتی ہرگز نہیں ہے بلکہ شروع سے لے کر آخر تک اس کی بھلائی کا خیال رکھنا ہے۔ اس شریعت کے اندر عورت کی بھلائی ہے، یہ شریعت اس کو برباد ہونے سے بچاتی ہے، لوگوں کے بہکاوے میں آنے سے اس کی حفاظت کرتی ہے، ولی کی شرط لگانے کی کچھ حکمتوں کی وضاحت نیچے آرہی ہے:

(۱) دھوکہ دھڑی سے عورتوں کی حفاظت کرنا کیونکہ ان کے پاس تجربہ کم ہوتا ہے وہ لوگوں کے دھوکے میں جلدی آجاتی ہیں اور لوگوں کی میٹھی میٹھی باتیں انہیں چپیٹ میں لے لیتی ہیں۔

(۲) ولی کی شرط شادی ونکاح کو عزت دیتی ہے جو معاشرہ کو ان برائیوں اور تباہیوں سے بچاتی ہے جو آزاد نکاح کے ذریعہ معاشرہ میں آسکتی ہیں۔

(۳) نکاح ایک ایسا کام ہے جس میں عورت کے فائدے اور نقصان کے بارے میں زیادہ معلومات کی ضرورت پڑتی ہے اس کے اندر غور فکر اور لوگوں سے رائے مشورہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے، عورت بذات خود اپنے کام کو نہیں کرسکتی، اسے ایک ولی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کام میں اس کی بھلائی کو پیش نظر رکھے، اس لئے نکاح کے صحیح ہونے میں ولی کی شرط ہے اور دلیل بھی موجود ہے اور یہ زیادہ تر علماء کا بھی قول ہے۔

(۴) کچھ مردوں سے تعلقات بسا اوقات پورے خاندان کے لئے شرم کا باعث بن جاتا ہے صرف بیوی ہی کے لئے نہیں، اس لئے ولی عورت کے خاندان سے ہونا چاہئے چاہے وہ غلط آدمی ہو یا صحیح۔[1]

(۵) نکاح کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ پیار محبت کے ساتھ اور میل جول کے ساتھ رہے، بچوں کی پرورش اور ان کی دیکھ بھال کرے، ان ساری چیزوں پر غور وفکر کے بعد ہی ایک اچھے شوہر کا انتخاب کیا جاسکتا ہے لیکن اگر نکاح کی ذمہ داری عورت کو دے دی جاتی تو یہ عظیم

---

(۱) توضیح الأحکام من بلوغ المرام (۴/۳۷۸)

مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔[1]

(٦) عورت کو برائی اور مردوں کے جال میں آنے سے بچانا، عورت کے اندر شرم کی کیفیت زیادہ ہوتی ہے اور یہ اسے اس کام سے دور رکھتی ہے۔

(٧) ایک مرد ایک اچھے لڑکے کو اچھی طرح ڈھونڈ سکتا ہے جب کہ عورت ایسا نہیں کرسکتی، اگر عورت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنے شوہر کو ڈھونڈ لے تو وہ ایک مناسب آدمی نہیں ڈھونڈ سکتی۔

(٨) ولی کی شرط لگانے سے نکاح کا اعلان اچھی طرح ہوجاتا ہے۔

اسلام نکاح کے اعلان کا حکم دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ولی اور گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے اور ولیمہ کرنے اور مبارکباد دینے کا حکم دیا گیا ہے

(٩) عورت جس مرد سے اپنے رشتے کو قائم کرتی ہے اس سے اس کا جڑنا صرف اسی کا معاملہ نہیں بلکہ نکاح کئی خاندانوں کو جوڑ دیتا ہے، والد اور بھائی بہنوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا رشتہ جس خاندان سے ہو اس خاندان کے افراد اچھے اخلاق و کردار کے حامل ہوں

(١٠) اگر عورت کو اچھا شوہر نصیب نہیں ہوتا ہے تو ولیوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے، وہ بہت بڑی مصیبت میں پڑجاتے ہیں اور جب طلاق کی نوبت آتی ہے تو پریشانی مزید بڑھ جاتی ہے۔ پھر وہ لمحہ بھی آجاتا ہے جب وہ عورت ان کے پاس لوٹ کر آتی ہے اس حال میں کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے وہ اپنے ہاتھوں میں اپنے بچے کو پکڑے ہوئے ہوتی ہے، تو کیا انہیں اب تاوان دینا پڑے گا اسے تو پوری زندگی سکون نصیب نہیں ہوگا۔[2]

(١١) نکاح میں ولی کی شرط لگانا عورت کے لئے عزت کی بات ہے، عورت اللہ کے نزدیک ایک باعزت مخلوق ہے، اللہ نے اسے عزت دینا چاہا ہے، اسی لئے مرد کو ان تک پہنچنے کے لئے شریعت کے بنائے ہوئے اصولوں پر چلنا پڑتا ہے۔

---

(١) ولاية المراة فی الفقه الإ سلامی (ص:٥٧٣)

(٢) احكام الزواج فی ضوء الكتاب والسنة (ص:١١٩)، ذراسے تصرف کے ساتھ

تنظیم برائے خواتین اور نکاح میں ولی کی شرط کو ہٹانے کا مطالبہ:

کچھ اسلامی ملکوں میں خواتین تنظیمیں اس بات کی کوشش کررہی ہیں کہ ان کے چھینے ہوئے حقوق لوٹائے جائیں اور وہ یہ ہے کہ نکاح میں ولی کی شرط ختم کردی جائے کیونکہ یہ آدمی چاہے باپ ہو یا بھائی یا بیٹے کی بات ہو، عورت کے ایک اہم کام میں نافذ ہوتی ہے اور یہ چیز انسان کی آزادی اور حقوق کے مطابق چلتی رہتی ہے اسی طرح کی تنظیمیں چاہتی ہیں کہ اقوام متحدہ کے ذریعہ قانون کو نافذ کیا جائے جو شریعت کے مخالف ہے۔

نکاح سے ولی کی شرط کو ہٹانے کی مانگ کی حقیقت:

ولی کو نکاح سے ہٹانے کی بات کرنا ایک ناپاک سازش ہے تاکہ مسلم معاشرہ کی بنیاد کو کھوکھلا کیا جائے اور اسے ڈھا دیا جائے۔ اسلامی برادری ایک بنیاد کی طرح ہے جس پر معاشرہ کا دارومدار ہے تو معاشرہ کو تباہ کرنے کا راستہ یہی ہے کہ مسلم برادری کو برباد کردیا جائے اور اس کے مضبوط و مستحکم نظام کو توڑ دیا جائے تاکہ خواہشات نفسانی کی پیروی کی جائے۔ ان میں سے کچھ باتوں کی تفصیل آرہی ہے:

(۱) عورت کو یہ احساس دلانا کہ اسے کسی کی ضرورت نہیں وہ ہر ایک سے آزاد ہے چاہے وہ ان کے والد ہی کیوں نہ ہوں پھر وہ اس کے بعد شوہر اور ولی کی برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کردے۔

(۲) اس کو معاشرتی اور خاندانی چاردیواری سے دور رکھنا اور اسلام کی اچھائیوں اور اچھی باتوں کا مخالف بنا دینا جس میں ان کی تربیت ہوئی۔

(۳) ان بین الاقوامی کانفرنسوں میں حصہ لینا جن کو منعقد کرنے والے لوگوں نے اسلامی شریعت کے مقابلے میں مسلم عورت کو زیادہ اہم بنا دیا ہے۔

(۴) مسلم خاندان ٹوٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے مسلم معاشرہ بھی ٹوٹ جاتا ہے

(۵) برائی پھیلنا شروع ہوجاتی ہے، ہر عورت اپنی خواہش کے مطابق آہستہ آہستہ معاشرہ اور شریعت کے اصول کو اپنائے بغیر نکاح کرنے کی خواہش مند بن جاتی ہے۔[1]

---

(۱) مشروع الحركة النسوية (ص:۴۹، ۵۱، ۵۲)

تیسری بحث

ماذونیہ کی ولایت

شرعی ماذون کی تعریف:

یہ وہ شخص ہے جس کو شریعت نے انتخاب کیا ہے جو شریعت اسلامیہ کے قانون اوراحکام کے مطابق اس رشتہ کو پورا کرتا ہے اس کولوگوں کے بیچ جوڑتا ہے۔(۱)

یہاں پر اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو حاکم نے یا اس کا نائب شریعت کے اصولوں کے مطابق نکاح کرانے کی اجازت دی ہو۔(۲)

ماذونیہ: شرعی ولایت اور نظامی خدمت کے درمیان

نکاح کے تعلقات کو لکھوا کر مضبوط کرنا اس کا حصہ نہیں اور نہ ہی اس کے صحیح ہونے کی کوئی شرط ہے۔ ابتدائے اسلام میں نکاح دونوں جانب کے لوگوں کے تسلیم کر لینے سے ہوجاتا تھا اور ساتھ ہی ساری شرطوں کا پایا جانا ضروری ہوتا تھا لیکن لکھوایا نہیں جاتا تھا بلکہ ان کا اعلان کر دیا جاتا تھا۔

لیکن جب معاملہ بڑھ گیا اور زمانے گزرتے گئے تو ذمہ داروں نے یہ طریقہ اپنایا کہ نکاح ایک ایسے ذمہ دار کے پاس ہونا چاہئے جس کے اندر ساری شرطیں پائی جاتی ہوں کوئی اس کو روک نہ سکے اور یہ رشتہ ایک کاغذ جاری کرتا ہے جس کے اندر وثیقہ ہوتا ہے کہ یہاں سے نکاح ہوا ہے، پھر اس کو شرعی عدالت میں بھیج دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کام سے جڑا رہے۔(۳)

لیکن جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اور آپسی تنازع زیادہ ہوگئے تو لکھوانا ضروری ہوگیا تاکہ یہ

---

(۱) المجموعه المفيدة (ص:۱۰)

(۲) انظمة المحاكم (ص:۱۱۰)

(۳) الإنهاء ات الثبوتية......(۲/ ۸۴۴)

ایک ثبوت ہو جائے کیونکہ نکاح سے لوگوں کے احترام کو بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے اور احترام کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اسلامی شریعت سارے مسلمانوں کے لئے یہی چاہتی ہے لہٰذا یہیں لکھا کر شادی کرانا مسلمانوں کے ذمہ داروں پر واجب ہو گیا۔(۱)

یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ماذونیہ شریعت کی ولایت ہے اس کی ذمہ داری صرف وہی لے سکتا ہے جو اس بوجھ کو اٹھا سکے اس لئے کہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں کیونکہ یہ کوئی عام کام نہیں جس کو کوئی بھی شخص کر دے بلکہ اس کے کچھ شرائط ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے اور وہ شرائط ان کے اندر ہونی چاہئے۔

وہ خصوصیات جو ماذونیہ کے ولی کے اندر ہونی چاہئے :

ماذونیہ جب انصاف کا ایک حصہ ہے تو وہ شخص جو یہ ذمہ داری اٹھانے جا رہا ہے اس کے اندر قاضی کی کچھ خصوصیات پائی جانی چاہئے (۲) بلکہ ضروری ہے ساتھ ہی ساتھ جس کو ولی بننے کی اجازت دی گئی ہو اس کے اندر قاضی کی کچھ خصوصیات ہونا ضروری ہے جس کا مختصر تعارف آرہا ہے:

(۱) جس کو ولی بننے کی اجازت دی گئی ہو وہ مسلمان ہو، مرد ہو، بالغ ہو اور عقلمند بھی ہو۔

(۲) وہ اس ذمہ داری کے قابل بھی ہو، ایماندار ہو اور جب اس معلومات کی وضاحت کرائی جائے تو پوری رازداری برت سکے۔

(۳) وہ غور وفکر سے کام کرنے والا ہو نکاح کے اندر جو بھی لکھا جا رہا ہو اس کی سچائی میں دھیان دینے والا ہو۔

(۴) اس کو نکاح کی شرطیں اور ارکان کا علم ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ کن چیزوں کی وجہ سے نکاح نہیں ہوگا۔

(۵) عقلمند حضرات اسے اچھا سمجھتے ہوں شریعت پر عمل کرنے والا ہو تا کہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بن سکے۔(۳)

---

(۱) دیکھئے: المأذون الشرعی......(ص:۱۱)

(۲) حكم تولی المرأة القضاء (ص:۳۲۸-۳۳۲)

(۳) (۱) المغنی...... (۹/۳۹)

☆ ماذونیہ کے لئے عورت کا ولی ہونے کا حکم:

عورت ماذونیہ کی ولی ہوسکتی ہے یا نہیں اس میں علماء کے دو اقوال ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں ہوسکتی ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں نہیں ہوسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ طئے نہیں کہ ماذونیہ شریعت کی ولایت ہے یا حکومت کی جانب سے سونپی گئی نوکری جو اسلامی ملکوں کی عدالتی تنظیموں میں عام ہے سب سے مناسب قول تو یہ کہ ماذونیہ شریعت کی ولایت ہے جو مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورتیں اس کے قابل نہیں لہذا عورتوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو ادا کریں۔ اس کے کچھ وجوہات ہیں:

(۱) ماذون شرعی (وہ شخص جس کو نکاح کرانے کی اجازت ملی ہو) وہ کام جو قاضی کو دیا جاتا ہے ان کا نائب ہوتا ہے۔ انہیں کاموں کے اندر یہ کام بھی ہوتا ہے کہ وہ دو مسلمان نکاح کرنے والوں کے نکاح کو مضبوط کرے۔

(۲) ایک خصوصیت جو اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے وقت پایا جانا ضروری ہے وہ ہے مرد ہونا۔

(۳) ماذون کو شریعت کی جانب سے اختیار ملتا ہے ان عدالتوں میں جو اس جگہ ہوتے ہیں۔ جو اس کو دو نکاح کرنے والوں کو نکاح کروانے کے لائق بناتی ہے۔

☆ ماذونیہ اور برابری کی پکار لگانے والے لوگ:

عورت اور مرد کے بیچ برابری کی پکار لگانے والوں کی ایک پکار یہ بھی ہے کہ عورت کو ماذونیہ کا نکاح کروانے کی اجازت دے دی جائے اور اس کو اس کام کے لائق بنایا جائے۔

یہ مطالبہ کچھ اسلامی معاشرہ میں کچھ رواج پا گیا اور عورت کو اس کام کے چنا بھی گیا جیسا کہ مصر میں اور مسلم دنیا میں محترمہ امل سلیمان عفیفی کو پہلی عورت ماذونہ کے طور پر انتخاب کیا گیا پھر اس کے بعد U.A.E میں فاطمہ اوانی کا انتخاب کیا گیا تا کہ ان کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا جائے جس کے ذریعہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ عورت زندگی کے ہر میدان میں حصہ لے سکتی ہے لیکن اس بات کا خیال نہیں

رکھا جا رہا ہے کہ اس کے نقصانات کیا ہو سکتے ہیں۔[1]

☆ وہ خطرات جو عورت کے ماذونیہ کے ولی بننے پر ہوتے ہیں:

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ماذونیہ شریعت کی ولایت ہے جو مردوں کے لئے ہے عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ بھی ایسا کرے۔ کچھ لوگ ماذونیہ کو شریعت کی ولایت نہیں سمجھتے ہیں تو اس میں شرعی اور معاشرتی خطرات ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ عورت کی فطرت سے میل نہیں کھاتی ہے۔ نیچے اس کی وضاحت آرہی ہے:

اولاً: مذہبی اعتبار سے

عورت کے کام کرنے کے لئے شریعت کی جانب سے کچھ اصول وضوابط ہیں:

(۱) نقصان کو چھوڑا جائے گا اور فائدہ کو پہلے رکھا جائے گا: اگر عورت کے ماذونیہ کے ولی بننے میں کچھ فائدہ ہوتا جس کے ذریعہ ان لوگوں نے دلیل دی ہے تو اسے پہلے رکھا جاتا۔ اسی میں سے ہے بیوی کا ازدواجی تعلقات میں راضی ہونا کیونکہ اس سے پیدا ہونے والے خطرات زیادہ خطرناک ہیں اور اس سے بہت سارے نقصانات ہوتے ہیں جیسے کہ عورت نکاح کے وقت بار بار مردوں کے سامنے آئے گی جس کی وجہ سے وہ خاندان کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتی ہے

کیونکہ وہ ماں اور بیوی ہونے کے ناطے جس وقت نکلے گی وہ اس کے لئے اچھا نہیں ہوگا اس کے اس کام سے اصل ذمہ داری میں خلل پیدا ہو جائے گا اس کے ساتھ ہی وہ مردوں کے روزی کمانے کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گی کیونکہ خرچ کی ذمہ داری مردوں پر ہے لہٰذا ان تمام چیزوں سے معاشرہ کا نقصان ہوگا۔

(۲) سچ تو یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ہی عورت کام کرے، چاہے ضرورت اس کے ساتھ خاص ہو جیسے روزی کمانا، بیوی یا باپ کی مدد کرنا ایسی سماجی ضرورت ہو کہ عورت کے بغیر وہ کام نہ ہو سکے تو کیا عورت کا کام کرنا ماذونیہ کی طرح اس کے ساتھ میل کھائے گا۔

---

(۱) مجلة المجلة شماره: ۱۵۰۵، ص:۷۵-۷۶)، ۱۴-۲۰/۱۲/۲۰۰۸ء

(۳) ماذون کا کام گواہی سمجھا جائے۔ یہ معلوم ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کا آدھا سمجھی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فاِنْ لَمْ یکونَا نَارَجُلین فَرَجَلٌ و امرأتان﴾(البقرہ :۲۸۲)

''اگر دومرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دوعورتیں ہوں۔''

تو کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک عورت کو ایک طرف تو اس کو نکاح کے لکھوانے کی اجازت دے دی جائے لیکن اس کی گواہی اگر ایک ہوتو نہ مانی جائے گی؟ اس کی اصل وجہ یہ کہ جب وہ اکیلے گواہی نہیں دے سکتی تو وہ کیسے نکاح لکھوانے کے قابل ہوسکتی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ بھولتی رہتی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا کام ماذونیہ کے طور پر شریعت سے ٹکراتا ہے۔

ثانیا: معاشرتی اعتبار سے

ماذونیہ کا کام جیسا کہ عرب معاشرہ میں پایا جاتا ہے یہ ہے کہ وہ گھروں میں نکاح کے رشتہ کو مضبوط کرنے کے لئے جائے، اس طرح کے نکاح کی رسم میں سارے کے سارے مرد ہوتے ہیں کوئی عورت اس میں نہیں ہوتی ہے اور یہ زیادہ تر رات میں ہوتا ہے لہٰذا اس میں دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہیئے:

(۱) یہ ہے کہ ہم اس معاشرہ کی رسم کو بدل دیں اس حیثیت سے کہ ایسا قانون نافذ کریں جس میں وقت اور جگہ کا تعین ہو جیسا کہ عدالت میں ہو جہاں ماذونہ ٹھہر سکے اور یہ کام سرکاری وقت میں ہو اور یہ بہت مشکل ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ عورت نکاح کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لئے گھروں میں جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی وہ اس کام کے لئے گھر سے نکلے تو اس کے ساتھ اس کے گھر کے کسی شخص کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ اس کے اندر بھی پریشانی ہے۔

لہٰذا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت کا ماذونہ ہونا عرب معاشرے کے حالات سے میل نہیں کھاتا۔

تیسرا: عورت کی جسمانی بناوٹ اوراس کے مزاج کے اعتبار سے

عورت کا ماذونہ کے طور پر کام کرنا اس کی جسمانی بناوٹ کے مطابق نہیں ہے اور اس کے کچھ وجوہات ہیں جن کی تفصیل نیچے آرہی ہیں:

(۱) عورت کے اندر جسمانی اور فطری تبدیلی آتی رہتی ہے جیسا کہ حاملہ ہونا حیض ونفاس کا آنا یہ ایسی پریشانی ہے جو اس کام کو کرنے سے روک دیتی ہے

(۲) نکاح کے دوران کچھ پریشانیوں کو عورتیں برداشت نہیں کرسکتیں جس کی وجہ سے وہ بڑی مصیبت میں پھنس سکتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس طرح کے حالات میں اس کی بات مانی نہیں جاتی کیونکہ نکاح کو مضبوط کرنے کا گروہ مردوں کا گروہ ہے۔

خلاصہ:

جو باتیں پیچھے آچکی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ماذونیہ شریعت کی ولایت ہے جو مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورت اس کام کو نہیں کرسکتی۔ اگر ہم اس کو حکومت کی جانب سے کام مان لیں تو یہ معاشرتی اور شرعی مناہیوں سے خالی نہیں ہوگا اور یہ عورت کی فطرت کے خلاف ہوجائے گا جس کی وجہ سے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ عورت یہ کام نہیں کرسکتی۔

آٹھویں فصل

پرورش کی ذمہ داری

کفالت کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو اپنی حفاظت خود کرنے کا قابل نہ ہو اس کی حفاظت کرنا اور ان چیزوں کی تربیت دینا جو انہیں سنوار سکیں اور ان چیزوں سے بچانا جو اس کے لئے نقصان دہ ہیں تا کہ وہ زندگی کے افتاد کے ساتھ ترقی کر سکیں لہٰذا یہ چھوٹے بچے کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ہے۔(۱)

کفالت کے لئے مرد کے مقابلہ میں عورت زیادہ مناسب ہے۔ ازدواجی زندگی میں بچے کی دیکھ بھال اور تربیت کے لئے جن چیزوں پر توجہ دینا ضروری ہے ان میں دونوں برابر ہیں، لیکن جب دونوں الگ ہو جائیں تو فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسی حالت میں ماں کی دوسری شادی ہونے تک اور بچے کے اندر کوئی ایسی علامت پائے جانے تک جس سے اس کی خواہش ظاہر ہو، ماں ہی بچے کی تربیت کے لئے زیادہ مناسب ہوتی ہے اور باپ پر پرورش کا خرچ ہوتا ہے۔

دلائل: (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا، اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے یہ میرے پیٹ میں رہا ہے میری چھاتی سے اس نے دودھ پیا ہے میری گود اس کی پناہ گاہ ہے لیکن اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دیا ہے اور اب اسے مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تک تم شادی نہیں کرتی تم زیادہ اس کے حقدار ہو''۔(۲)

دلیل اختیار کرنے کی وجہ

دونوں کے الگ ہو جانے کی حالت میں دوسری شادی کرنے تک ماں تربیت کرنے کے لئے باپ سے زیادہ مناسب ہوتی ہے۔

---

(۱) نهاية المحتاج :(۲۲۵/۷)،التعريف : (ص:۲۸۳)

(۲) ابوداود (۲۸۳/۲، ح:۲۲۷۶)، علامه البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے

ابن قیم فرماتے ہیں" حدیث بتاتی ہے کہ جب ماں باپ الگ ہوجائیں اوران کا ایک بچہ ہوتو باپ کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہوتی ہیں جب تک ایسی چیز نہ پائی جائے جواس کی اولیت کے لئے رکاوٹ بنے یا بچہ کے اندر وہ خصوصیت پائی جائے جواس کے بااختیار ہونے کو ثابت کرے اس میں کسی طرح کا کوئی خلاف موجود نہیں ہے۔"(۱)

(۲) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حمزہؓ کی بیٹی کے لئے علیؓ نے کہا: میں زیادہ حقدار ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، حضرت جعفر نے کہا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اوراس کی خالہ میری بیوی ہے۔ زیدؓ نے کہا: میرے بھائی کی بیٹی ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور کہا: "فرمایا خالہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے"(۲)

وجہ استدلال: چچا کے بیٹوں میں عصبہ (خون کا رشتہ) کے موجود ہونے کے باوجود پرورش کا حق خالہ کو ملا کیونکہ یہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت پرورش وپرداخت کے کام میں مرد سے بہتر ہوتی ہے۔(۳)

قرافی رحمہ اللہ اس بات کو دوسرے الفاظ میں اس طرح کہتے ہیں: "ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک کام ٹھیک طرح سے کرنے والا دوسرے میں ناکام رہتا ہے جیسے عورتیں جنگ کرنے کے بجائے پرورش کے کام میں کامیاب رہتی ہیں کیونکہ وہ زیادہ محبت کرنے والی اور صبر کرنے والی ہوتی ہیں اس لئے ان کو مردوں پر اولیت دی جائے گی۔"(۴)

پرورش وپرداخت میں ماں کو اولیت دینا شریعت کی خوبیوں میں سے ہے: حکمت والی شریعت ساری ذمہ داریوں میں اسے اولیت دیتی ہے جواس کے لئے سب سے زیادہ لائق اور دھیان دینے والا اوراس کے مقاصد کو پورا کرنے والا ہو۔اس کے بارے میں ابن قیمؒ کہتے ہیں: بچوں کی دیکھ

---

(۱) زادالمعاد (۵/۴۳۵)

(۲) بخاری: (۲/۸۲۰، ح: ۲۶۹۹)

(۳) دیکھئے: عون المعبود (۶/۲۶۷)

(۴) الذخیرۃ (۴/۲۴۶)

بھال کی ذمہ داری دوطرح کی ہوتی ہے، پہلی ذمہ داری جس میں ماں پر باپ اور اس کے خاندان کو اولیت دی جاتی ہے، یہ مال ودولت اور شادی کی ذمہ داری ہے۔ دوسری ذمہ داری جس میں ماں کو باپ ترجیح دی جاتی ہے یہ دودھ پلانے اور پرورش کرنے کی ذمہ داری ہے، ماں باپ میں سے ہر ایک شخص کو اپنے اپنے کاموں میں اولیت دی گئی ہے تا کہ بچے کی مصلحت پوری ہو۔

چونکہ عورتیں پرورش و پرداخت کے بارے میں زیادہ علم، طاقتور، صبر اور پیار والی ہوتی ہیں، اس لئے اس کام کے لئے باپ پر ماں کو ترجیح دی گئی ہے۔

جب کہ والد بچوں کی سہولیات پوری کرنے اور ضرورت کا سامان اکٹھا کرنے میں زیادہ اہل ہے اس لئے اس کام کے لئے اسے ترجیح دی گئی ہے یعنی پرورش و پرداخت، دیکھ بھال کی ذمہ داری ماں پر اور مال ودولت اور شادی کی ذمہ داریاں باپ پر رکھ دی گئی ہیں۔[1]

خلاصہ : مختصراً، پرورش و پرداخت عورت کے خصوصی کاموں میں سے ایک ہے جس میں مرد کا کوئی حق نہیں، لیکن شریعت کبھی عورت کو اس کام سے روک بھی دیتی ہے اور ایسا بہت بڑی ضرورت اور اعلیٰ مقصد سے کیا جاتا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ بچے کی دیکھ ریکھ، اس کی پرورش اور اس کی تربیت صحیح ڈھنگ سے کی جاسکے تا کہ اس سے یہ امید رکھنا صحیح ہو کہ وہ اپنے معاشرہ اور دین کے لئے ہمیشہ ایک نافع شخص بنے گا۔ اس کے اندر صالحیت ہوگی، وہ زمانہ کے تقاضوں اور ضرورتوں کو سمجھنے میں کامیاب ہوگا۔ وقت کے چیلنجز کا مقابلہ مردانہ وار کر سکے گا، اپنے خاندان، اپنی قوم اور ملک وملت کے لیے قربانی دینے کے لیے ہمیشہ اور ہر وقت تیار رہے گا، وہ معاشرہ کا صالح عنصر ہوگا جس کی چھاؤں میں معاشرہ کو سکون وراحت نصیب ہوگا اور وہ بڑا ہو کر اسلام کا ایسا سپاہی بنے گا جس کی قوتِ بازو غلبۂ اسلام کے حصول میں کام آئے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے لیے دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں سرخروئی اور کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرنے والا بنے گا۔

---

(۱) زاد المعاد (۴۳۷/۵-۴۳۸)

طپڦ٣ىث٧ رپس

خاندانی حالتوں میں منصفانہ امتیاز

اس میں دو فصلیں هیں:

پہلی فصل :

وراثت

دوسری فصل :

شادی بیاہ

پہلی فصل

وراثت

اس میں تین بحثیں ہیں:

پہلی بحث :

اسلام نے وراثت میں عورت کو اس کا حصہ دیا ہے

دوسری بحث :

چار حالتیں ایسی ہیں جن میں عورت وراثت میں مرد سے آدھا پاتی ہے

تیسری بحث :

عورت کی میراث کے بارے میں شکوک وشبہات اور ان کا ازالہ

پہلی بحث

اسلام نے وراثت میں عورت کا اس کا حصہ دیا ہے

عورت پر پرانی تہذیب کا ظلم:

وراثت کا معاملہ اور مال و دولت، زمین، سونا چاندی وغیرہ جسے مرنے والا اپنے بعد والوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے، اس کی وراثت اور وارث ہونے کا معاملہ ان پرانے معاملوں میں سے ایک ہے جو انسانی معاشرہ میں ماضی سے چلے آرہے طریقوں ورواج اور عادتوں سے جڑا ہوا ہے۔ ہندوستانی ہو یا چینی، مصری ہو یا فارسی، یونانی، رومی یا قدیم عربی ثقافت زیادہ تر ثقافتیں صرف ان مضبوط مردوں کو وراثت میں شامل کرتی ہیں جو جنگ کرتے ہیں اور اپنے دشمن سے اپنے قبیلے کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ عورتوں، کمزوروں اور نرینہ بچوں کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے یہ ثقافت اس برے چلن پر دوڑ رہی ہے جو اپنی کمسنی کی وجہ سے اس جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے۔ ان لوگوں کے اس یقین کی بنیاد پر عورتوں کو وراثت سے محروم کر دیا گیا کیونکہ وہ مردوں کی طرح قبیلے کے دفاع کے لئے حصہ لینے کے قابل نہیں۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹی کی شادی کے ذریعہ اس کے باپ بھائی اور بیٹے کے گھر سے مال اس کے شوہر کے گھر چلا جائے گا۔(۱)

وراثت کے معاملے میں عورت پر ہونے والے اس ظلم کی قرآن نے سخت مخالفت کی ہے، اور اس بات کی بھی کہ وہ ایسی چیز ہو جسے وراثت میں حاصل کیا جائے گا بلکہ واضح طریقے سے اسے حرام قرار دیا ہے اور اس طرح عورت کی عزت بڑھائی ہے۔ ان میں سے کچھ آیتیں اس طرح ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهاً وَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلاَّ أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (النساء:۱۹)

"مسلمانو! تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ عورتوں کو (میت کی) میراث سمجھ کر ان پر

(۱) واقع المرأة الحضاری فی ظل الإسلام (ص:۲۹۸)

زبردستی کرلو، اور نہ ہی ایسا کرنا چاہئے کہ جو کچھ انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ لے نکالنے کے لئے ان پر سختی کرو اور انہیں روک رکھو سوائے اس کے کہ انہوں نے کھلے عام بدکاری کا جرم (ارتکاب) کیا ہو۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایسا تھا کہ آدمی اپنے رشتہ دار کا وارث ہوتا تھا پھر اسے الگ چھوڑ دیتا تھا حتیٰ کے وہ مرجائے یا وہ عورت اپنا مہر اسے دے دیتی تھی۔''[1]

سب سے پہلے عورت کی وراثت اسلام میں:

عورت کئی صدیوں تک وراثت سے محروم رہی یہاں تک کہ اسلام آیا اور اس نے زندگی کا طریقہ بالکل بدل دیا۔ عورت کو اس کی محرومی کے بندھن سے نکالا اور رشتہ دار اور ماں باپ (والدین) سے وارث ہونے میں اس کے حق کو قبول کیا۔ اس طرح اللہ کے قانون سے وراثت کا نظام ایسا شرعی اور سماجی بن گیا جس میں مرد، عورت، کمزور، مضبوط، چھوٹے بڑے سبھی شامل ہو گئے[2] سب سے پہلی آیت جو بتاتی ہے کہ عورتوں کا بھی وراثت میں حق ہے، نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً﴾ (النساء:٧)

''ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں تھوڑا ہو یا بہت، لڑکوں کا حصہ ہے اور اسی طرح ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں لڑکیوں کا بھی حصہ ہے، اور یہ حصہ متعین ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے مردوں کا ذکر کرنے کے بعد عورتوں کا ذکر الگ سے خصوصیت کے ساتھ کیا ہے یہ نہیں کہا کہ مردوں اور عورتوں کا حصہ ہے تاکہ اس حکم میں اس کی حیثیت کو کم نہ سمجھا جائے۔ یہ حق عورتوں کے لئے ثابت ہے چاہے تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو مگر میراث میں ان کے حق میں کوئی کمی نہیں کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (اس میں سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ)[3]

---

(۱) سنن ابی داود (۲۳۱/۲، ح:۲۰۹۰)، علامہ البانی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح سنن ابی داود (۵۸۵/۱، ح:۲۰۹۰)

(۲) واقع المرأة......(ص:۲۹۹)

(۳) تفسیر أبی السعود (۱۴۶/۲)، فتح القدیر (۴۲۶/۱)

پھر اللہ نے فرمایا (متعینہ حصہ) اس لئے متعین کرنے والے اور جس کے لئے متعین کیا جارہا ہے اس کی موجودگی لازمی ہے۔ لہٰذا متعین کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے جو جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔ جب ایسا ہے کہ حصہ متعین ہے تو یہ بھی لازمی ہے کہ اس کی ایک متعین مقدار ہوتا کہ اس کی پوری معلومات ہو سکے [1]۔ اس لئے اس کے بعد کئی آیتیں نازل ہوئیں جو اس کے لئے متعین حصے کو بیان کرتی ہیں، خاص طور سے وراثت سے محروم عورتوں سے حصے کے بارے میں خواہ بیوی، بیٹی یا بہن ہو۔

دوسری بحث

چار حالتیں ایسی ہیں جن میں عورت وراثت میں مرد سے آدھا پاتی ہے

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ چار صورتوں میں عورت میراث میں مرد سے آدھے کا حقدار ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بیٹے بیٹیوں کے ساتھ بھائی بہنوں کے ساتھ بیوی شوہر کے ساتھ اور والدین کے ساتھ موجود ہو۔

دلائل : (قرآن سے) اللہ نے ان چار حالات کا ذکر کیا ہے جن میں عورت مرد سے آدھا میراث کے طور پر پاتی ہے اس کا بیان مندرجہ ذیل سطور میں ہے:

(۱) بیٹی بیٹے کے ساتھ:

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ (النساء: ۱۱)

”تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔“

---

(۱) دیکھئے: تفسیر الشعراوی (۴/۲۰۱۵)

(۲) حقیقی بہن حقیقی بھائی کے ساتھ، والد کی طرف سے سوتیلی بہن، بھائی کے ساتھ:

﴿وَإِن كَانُواْ إِخْوَةً رِّجَالاً وَنِسَاء فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّواْ وَاللّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (النساء:۱۷۶)

''اور اگر بھائی بہن کچھ مرد، کچھ عورتیں ہوں تو پھر مرد کے لئے دوعورتوں کے برابر حصہ۔ اللہ تمہارے لئے اپنے احکامات واضح کر دیتا ہے تا کہ گمراہ نہ ہو اور اللہ تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے۔''

(۳) شوہر بیوی جب ان میں سے کسی ایک کی موت ہو جائے اور دوسرا زندہ ہو۔ان کی میراث اس طرح ہوگی:

(الف) شوہر کے لئے نصف اور بیوی کے لئے چوتھائی حصہ جب کہ ان کی اولاد نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہتا ہے:

''وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَد.'' (النساء:۱۲)

''تمہاری بیویاں جو کچھ ترکہ میں چھوڑ جائیں اس کے متعلق احکام یہ ہیں کہ اگر ان کی اولاد نہ ہو تو تمہارا حصہ آدھا ہے اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی لیکن اس کی تقسیم اس کے بعد ہوگی کہ جو کچھ وہ وصیت کر گئی ہوں اس کی تکمیل ہو جائے اور جو بھی ان پر قرض ہو ان کی ادائیگی ہو جائے اور جو کچھ ترکہ تم چھوڑ جاؤ اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر تم سے اولاد نہ ہو تو بیویوں کا حصہ چوتھائی ہوگا۔''

(ب) شوہر کے لئے چوتھائی اور بیوی کے لئے آٹھواں حصہ، جب کوئی بچہ موجود ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم" (النساء: ۱۲)

"اگران کی اولاد ہوتو ان کے ترکے کا چوتھائی تمہیں ملے گا......اور اگر تمہاری اولاد ہوتو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ان کو ملے گا۔"

(۴) شوہر بیوی یا اولاد موجود نہ ہونے کی صورت میں جب والدین جمع ہوجائیں۔

"فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ" (النساء: ۱۱)

"اگر (میت کی) اولاد نہ ہو اور وارث صرف والدین ہی ہوں تو ماں کے لئے تہائی حصہ ہے۔"

اس کا مقصد یہ ہے کہ جو بچے گا وہ باپ کے لئے ہوگا اور اس کی مقدار دو تہائی ہوگی۔

آیتوں سے دلیل اخذ کرنے کا طریقہ: صرف ان چار حالات میں عورت کو مرد کے مقابلے میں آدھا ملتا ہے۔

سنت سے دلائل: (۱) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی کتاب کے مطابق متعین حق والوں کے بیچ دولت کو بانٹو، جو فرائض کے بعد بچارہ جائے، وہ قریبی مرد رشتہ دار کے لئے ہے۔(۱،۲)

(۲) عبداللہ ابن عباسؓ کا دوسرا بیان اس طرح ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی کتاب کے مطابق متعین حق والوں کے بیچ دولت کو بانٹو، جو فرائض کے بعد بچے وہ قریبی مرد رشتہ دار کے لیے ہے۔(۳)

وجہ استدلال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں بیان کئے گئے حقداروں کو ان کا

(۱) قریبی مرد سے مراد ہے نسب میں متوفی کا قریب ترین شخص۔
(۲) بخاری: (۲۱۰۴/۴، حدیث: ۲۷۳۲)، مسلم: (۱۲۳۳/۳، حدیث: ۱۶۱۵)
(۳) مسلم: (۱۲۳۳/۳، ح:۱۶۱۵)

متعین حصہ دینے کا حکم دیا ہے۔ان حالات کی طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا گیا ہے جن کا بیان قرآن میں آیا ہے اور جو عورتوں کے مقابلے مردوں کے لئے ڈبل حصہ متعین کرتی ہیں اس طرح سنت قرآن کے مطابق ہوگئی ہے۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: دولت لڑکے کی ہوا کرتی تھی اور وصیت والدین کے لئے۔اللہ تعالی نے ان میں سے جس چیز کو چاہا ختم کر دیا اور عورتوں کے دو حصے کے برابر مردوں کا حصہ متعین کیا، والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ متعین کیا، بیوی کے لئے چوتھا اور آٹھواں حصہ اور شوہر کے لئے نصف اور چوتھا حصہ متعین کیا۔(۱)

وجہ استدلال: مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے اور میراث میں بیوی کا حصہ شوہر کے حصہ سے آدھا ہوگا جب کہ ان میں سے کوئی ایک وفات پا جائے۔

آدھا کرنے کی حکمت: مردوں کے حصے کے مقابلے میں عورتوں کے حصے کا آدھا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ خاندانی زندگی میں عورت مرد کے بیچ معاشی بوجھ اور ذمہ داریوں میں فرق کی بنا پر ان کا حصہ اس طرح متعین کیا گیا ہے۔شریعت کے مطابق مرد کے لئے اس عورت پر خرچ کرنا واجب ہے جو اس کی دیکھ بھال میں ہے اس لئے انصاف کی بات یہی ہے کہ وراثت میں اس کا حصہ عورت کے حصے سے زیادہ ہو۔بوجھ، ذمہ داریوں اور جو کچھ بھی شریعت نے ان میں سے ہر ایک کے ذمہ کیا ہے، اس میں فرق نے میراث کے حصوں میں بھی فرق پیدا کیا ہے، ان کی ذات میں فرق کی وجہ سے یہ فرق نہیں ہے۔

بہت سارے عالموں نے وضاحت کی ہے اور نصف حق دینے کا ضابطہ بیان کیا ہے جیسے: امام نوویؒ نے کہا: ''اس کی حکمت یہ ہے کہ مردوں کو خاندان کی دیکھ بھال، مہمانوں، غلاموں اور نوکروں، قاصدوں اور مانگنے والوں کی مدد کے لئے بہت زیادہ دولت کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی جرمانہ وغیرہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔''(۲)

---

(۱) بخاری :۴/۲۱۰۶، ح:۶۷۳۹)

(۲) صحیح مسلم کی شرح نووی:۱۱/۵۳

تیسری بحث

عورت کی میراث کے بارے میں شکوک وشبہات

انٹرنیشنل قانون اورنظام میراث کو بدلنے کی مانگ:

مذکورہ بحثوں سے ہمارے سامنے پوری طرح واضح ہوگیا کہ اسلام نے عورت کو، ماں بیٹی، بیوی اور بہن کے روپ میں عزت بخشی ہے، اسے میراث میں سے اس کا حق دیا ہے جب کہ وہ پچھلے کئی صدیوں سے اس سے محروم تھی۔ ہمارے لئے مردوں کے حصے کے مقابلے میں عورت کی میراث کے نصف ہونے کی حکمت بھی سلجھ گئی کہ ذمہ داریوں میں فرق ہونے کی وجہ سے ان کے میراث کے حصوں میں فرق کیا گیا ہے۔ان تمام حقائق کے باوجود انٹرنیشنل کانفرنس لگاتار منعقد ہورہی ہے جو میراث کے حقوق میں عورتوں کو مردوں کے برابر حق دینے کی مانگ کررہی ہے وہ بھی برابری اور عورتوں کے خلاف تمام طرح کی نابرابری کو ختم کرنے کے نام پر اوراسی آواز میں آواز ملائے ہوئے کئی عرب ملکوں کی تنظیم نسواں کی مانگ ہے کہ جن ذمہ داریوں کو عورت اپنے پریوار اور سماج میں پورا کرتی ہے اس کی وجہ سے اس فرق کو برقرار رکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔اس طرح وہ دونوں جنسوں کی برابری کو منظور کرنے کی مانگ کرنے لگے۔(1)

انٹرنیشنل کانفرنس کی مانگوں کی تردید: تنظیم نسواں کی انٹرنیشنل کانفرنس اور جو اسی کے حامی ہیں اور میراث میں عورت کے ساتھ امتیازی سلوک کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلاتے ہیں، ان کی تردید مذکورہ باتوں سے کی جاسکتی ہے۔

اولاً: اقوام متحدہ کانفرنسوں کی رپورٹ میں عورت کو مرد کے برابر حق دینے کی مانگ کرتی ہے اور نابرابری کو عورت کے خلاف بھید بھاؤ مانتی ہے مگراس بات میں عورت کے میراث کے بارے میں

---

(۱) دیکھئے : مشروع الحركة النسوية اليسارية بالمغرب (ص :٦٢)

اسلامی شریعت کے احکام پر شک جتایا گیا ہے کیونکہ یہ حکم اسلام کے ان یقینی احکام میں سے ایک ہے جس میں تبدیلی اور کمی کرنے کی بالکل اجازت نہیں کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ایک ضروری حکم ہے۔ (۱)

اور اس کا تعلق عقیدے سے جڑا ہوا ہے۔ اس طرح کا عقیدہ بنیادی طور پر احکام کو قبول کرنے پھر اس کو نافذ کرنے سے متعلق ہے۔ اس کے برخلاف دین کے احکام میں دخل اندازی کرنا عقیدہ کی آزادی میں بلاشک وشبہ بے کار میں دخل اندازی مانا جائے گا جو کہ انسانی حقوق کے انٹرنیشنل ایجنڈہ میں دیا گیا ایک حق ہے۔ یہ تنظیم جن چیزوں کی مانگ کر رہی ہے ان سے قومی تنظیم کے ایجنڈوں کی ہی مخالفت ہوئی ہے۔ اس لئے ہم پر یہ ضروری ہے کہ ہم ایسی نامناسب مانگوں اور دین کے خاص معاملوں میں دخل اندازی کرنے سے روک لگانے کی مانگ کریں بلکہ اقوام متحدہ تنظیم اور انٹرنیشنل تنظیموں کو اس لئے مخاطب کرتے ہیں نہ کہ دفاع کیا جا رہا ہے یا اپنے غیر جانبدار ہونے کی بات کی جا رہی ہے۔ حقیقت میں ہم دین کی شان کے بارے میں بتلانا چاہ رہے ہیں اور یہ کہ ہم اس میں کسی طرح کی کمی کو نہیں مان سکتے، چاہے اس کے احکام کا حصہ ہی کیوں نہ ہو۔

علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضروری طریقے سے ثابت دین کے ایک فرض حکم کو اگر کسی نے ختم کرنے کی کوشش کی تو وہ کافر ہے جیسے وہ شخص جو تمام صورتوں میں مرد وعورت کی میراث میں برابری کو لاگو کرنے کی بات کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور علماء شریعت کے اجماع کو جھوٹ سمجھتا ہے اور یہ شریعت کے احکام میں سے ایک حکم پر بے اطمینانی جتانا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا حکم زیادہ انصاف پسند ہے اور اللہ کے حکم سے زیادہ حکمت والا ہے، ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ (۲)

ثانیا: اسلام سے پہلے تمام پرانی قوموں میں عورت میراث سے پوری طرح محروم تھی۔ آخر میں اسلامی شریعت آئی اور اس نے میراث میں عورت کا حق دیا، اس کی تفصیل پہلی بحث میں آچکی ہے۔

---

(۱) دیکھئے: العدوان علی المرأة فی المؤتمرات الدولیة: (۴/۴۱۸)

(۲) دیکھئے: حقوق المرأة المدینة والسیاسیة فی الاسلام، ڈاکٹر محمد عبدالقادر ابوفارس، (ص: ۳۶)

اس لئے دوبارہ اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

ثالثا: جولوگ عورتوں کی میراث کے بارے میں برابری کے نام پر اسلامی شریعت پر انگلی اٹھا رہے ہیں وہی لوگ کانفرنس کے ایجنڈوں کو بار بار دہرارہے ہیں اورعورت کی میراث کے بارے میں شک وشبہ بڑھارہے ہیں۔ وہ اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اس بات کو نہیں مانتا کہ وہ اپنے نور کو پورا نہ کرے چاہے شور مچانے والے اور ان کے قائدین اسے پسند نہ کریں۔ ان تمام لوگوں کو شریعت مبارکہ اور اس کے اعلیٰ مقاصد کے بارے میں بالکل ہی علم نہیں ہے۔ اگر وہ فرائض کی تعلیم حاصل کرلیں تو وہ جس چیز کی مانگ کررہے ہیں اس پر شرم محسوس کریں۔[1] کیونکہ میراث کے کچھ معاملات میں عورت مرد کے بیچ ہونے والے فرق نے کئی اور فرق کو لاگو کیا ہے۔ اس میں سے اہم یہ ہیں:

مالی ذمہ داریوں میں فرق:

مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے والدین، بھائی بہن، اور اپنے قریبی رشتہ داروں کا اگر وہ ضرورت مند ہوں، تو کفالت کرے جب کہ عورت اس ذمہ داری سے آزاد ہے۔ مرد اپنی بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے اور ان کے لئے کھانے پینے کی چیزیں، گھر، دوا، پڑھائی اور آرام وآرائش کے سبھی خرچ اٹھائے۔ جب کہ عورت ان سبھی خرچ کے بارے میں جوابدہ نہیں ہے۔

عدت کے دوران طلاق شدہ بیوی کا خرچ اٹھائے اور بیوی حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے تک خرچ اٹھانا پڑے گا۔ اگر ماں اس کے بچے کو دودھ پلانے سے منع کردے تو دودھ پلانے کی اجرت بھی دینی پڑے گی۔ جب کہ عورت پر یہ ذمہ داری نہیں ہے۔

اس کے علاوہ سب سے پہلے مرد سے یہ مانگ کی جاتی ہے کہ وہ اپنی دلہن کو مہر ادا کرے۔ اس تفصیلی بیان کے بعد ہمارا یہ کہنا بالکل جائز ہے کہ اسلامی شریعت نے میراث کے معاملہ میں عورتوں کے حساب پر مردوں کو کمزور کیا۔ وہ اس طرح کہ شریعت نے ایک مرد کا حصہ دوعورتوں کے برابر متعین

(۱) دیکھئے :حقوق المرأة فی ضوء السنة النبوية،(ص:۲۹۹)

کیاجب کہ اس کی وراثت کا زیادہ تر حصہ اس کی بیوی اور بچوں اوران کے لئے خوشحال زندگی کا انتظام کرنے میں خرچ ہوتا ہے جس وجہ سے عورت کومحنت نہیں کرنی پڑتی اور نہ تو اس کی طاقت سے زیادہ اسے کام سونپا جاتا ہے۔[1]

رابعاً: تنصیف[2] کا قانون ایسانہیں ہے جو ہمیشہ لاگو ہوتا ہو بلکہ جو میراث کے مسئلے اوراس کے حالات کو جانتے ہیں ان کے لئے یہ بات واضح ہے کیونکہ عورت ومرد کے بیچ زیادہ، کم اور برابری کے حساب سے بھی میراث کا حصہ لگایا جاسکتا ہے:

ا۔صرف چارصورتیں ایسی ہیں جن میں عورت مرد سے میراث میں نصف حصہ کی حقدار ہوتی ہے۔اس کی تفصیل دوسری بحث کے شروع میں آچکی ہے۔

۲۔ بہت ساری حالتیں ایسی ہیں جن میں مرد کا حصہ عورت کے حصہ کے برابر ہوتا ہے۔ دوحالتوں کا بیان اللہ تعالیٰ نے کیاہے، وہ دونوں یہ ہیں:

پہلی حالت: والد کے ساتھ ماں کی میراث جب کہ کوئی نراولا د نہ ہوجیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ“

(النساء: ۱۱)

”اورمتوفی کے والدین کو چھٹا حصہ ملے گا جب کہ مرنے والے کی کوئی اولاد ہو“

وجہ استدلال: والد کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں کو بھی، جو بچے گا اسے بیٹا، عصبہ ہونے کی وجہ سے لے لے گا۔

دوسری حالت: ماں کی طرف سے بھائی اور بہن کی میراث:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُس.﴾

(النساء: ۱۲)

---

(۱) واقع المرأة الحضاری فی ظل الإسلام، ص: ۲۱۴۔۲۱۳

(۲) یعنی عورت کا حصہ مرد کے حصے کا آدھا۔

''اوراگرایسا ہوکہ کوئی مرد یاعورت ترکہ چھوڑ جائے اور بے اولاد ہواوراس کا بھائی یا بہن ہوتواس کے متعلق یہ حکم ہے کہ بھائی بہن میں سے ہرایک کا چھٹا حصہ ہوگا۔''

وجہ استدلال: عورت کا حصہ مرد کے حصے کے برابر ہوتا ہے اگر وہ ماں کی طرف سے بھائی بہن ہو۔ان دونوں آیتوں میں ان لوگوں کی باتوں کا منہ توڑ جواب ہے جو میراث کے حصوں کے تقسیم کرنے میں عورت کوکم دیئے جانے کا الزام لگاتے ہیں۔

۳۔ بہت سارے ایسے حالات ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کے حصے سے زیادہ ہوتا ہے۔

۴۔ بہت سارے حالات ایسے ہیں جن میں عورت تو وراثت میں سے پاتی ہیں جب کہ مرد کونہیں ملتا۔

خامساً: بہت سارے مغربی مفکرین ایسے ہیں جنہوں نے اسلام کے نظام میراث کے ساتھ انصاف کیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ عورت کے لئے انصاف ہے جس کی مثال مغربی ممالک کے قانون میں نہیں ملتی ہے، ان میں سے ایک 'گوستاف لوبون' اپنی کتاب 'حضارة الغرب' میں لکھتے ہیں۔''قرآن نے میراث کی جن بنیادی باتوں کو بیان کیا ہے وہ انصاف کی بہترین مثال ہے۔ پڑھنے والے کے لئے یہ ممکن ہے کہ اس بات کو ان آیتوں سے جانے جسے میں نقل کررہا ہوں، میں اس میں صرف اس کے جنرل احکام کی طرف اشارہ کروں گا۔فرانس، انگلینڈ کے حقوق اوراس کے بیچ میرے اس بیان سے یہ ثابت ہوجائے گا کہ اسلامی شریعت نے بیویوں کو میراث میں سے وہ حکم دیا ہے جس کی مثال ہم اپنے دستور میں نہیں پاتے جب کہ وہ سوچتی ہے کہ مسلم اس کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی بسر نہیں کرتے۔[1]

---

(۱)حضارة الغرب:ترجمه عادل جويتير، (ص: ۴۷۴)

دوسری فصل

نکاح کے بارے میں

اس میں پانچ مباحث ہیں:

پہلی بحث : مہر

دوسری بحث : نفقہ

تیسری بحث : ازدواجی قوامیت

چوتھی بحث : طلاق

پانچویں بحث : تعدد ازواج

پہلی بحث

مہر

مہر کی تعریف

مہر وہ ہے جو شوہر اپنی بیوی کو نکاح منعقد ہونے کے بعد وجوبی طور پر ادا کرے گا۔

مہر بیوی کا ایک اہم مالی حق ہے شوہر کے ذمہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نکاح میں فرض کیا ہے، عورتوں کی تکریم کے لئے اور شوہر کی اپنی بیوی میں سچی رغبت کے لئے تاکہ عورت مطلوب ہو نہ کہ طالب، اس میں ان کی کرامت وشرافت کی حفاظت اور شان کو بلند کرنا ہے۔

اور مہر سامان کے بدلہ میں فرض نہیں کیا گیا ہے جیسے کہ بیع میں قیمت یا اجرت، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہدیہ اور تحفہ کے طور پر فرض کیا ہے جسے شوہر عقد زواج کے وقت اپنی بیوی کو پیش کرتا ہے۔

مہر مردوں پر واجب ہے

علماء کا اتفاق ہے کہ مہر بیوی کے من جملہ حقوق میں سے ایک واجبی حق ہے جس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ واجب ہے، کیونکہ نصوص سے اس کی وجوبیت قطعی طور پر ثابت ہے نیز اس کے دلائل قطعی ہیں۔

دلائل: قرآن سے : (۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دیدو‘‘۔(النساء:۴)

وجہ استدلال: آیت کریمہ میں ”آتوا“ امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا مہر واجب ہوگا کیوں کہ یہاں کوئی صارف (پھیرنے اور بدلنے والا لفظ یا سیاق وسباق) بھی استعمال نہیں ہوا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کے لئے شوہر کے ذمہ مہر واجب ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔[1]

---

(۱) الجامع لا حکام القرآن:۵/۲۹

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو''۔(النساء:۲۴)

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ میں "فاتوھن" امر کا صیغہ استعمال ہوا اور امر صریح وجوب کے لئے ہوتا ہے لہٰذا اس سے بھی ثابت ہوا کہ مہر واجب ہے اور اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ بیوی کو ان کی اجرت یعنی مہر ادا کرو۔

۳) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ﴾ (النساء:۲۴)

''اوران عورتوں کے سوااور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو) برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے''۔

وجہ استدلال: عورتوں سے نکاح کی حلت کو مال خرچ کرنے سے متعلق کر دیا گیا کہ مال کی ادائیگی ہی سے تم انہیں حاصل کر سکتے ہو۔ یعنی مہر دے کر۔

(۴) ارشاد ربانی ہے:

﴿فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء:۲۵)

''ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو اور قاعدہ کے مطابق ان کے مہر ان کو دو''۔

وجہ استدلال: آیت کریمہ میں اس بات کا حکم ہے کہ عورتوں کو طیب نفس اور بطیّب خاطر مہر کی ادائیگی کرو جو کہ واجب ہے۔

احادیث سے دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے پوچھا: (جبکہ انہوں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کیا) تم نے اپنی بیوی کو کتنا مہر دیا ہے؟ تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ کھجور کی گٹھلی

کے وزن کے برابر سونا دے کر۔ (۱)

۲) حضرت انس سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو مہر قرار دیا۔ (۲)

۳) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا: ’’شادی کرو (تو مہر ضرور ادا کرو) اگر چہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو‘‘۔ (۳)

وجہ استدلال: مذکورہ تینوں حدیثوں سے مہر کا وجوب ثابت ہوتا ہے اگر چہ وہ مہر تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

اسلامی شریعت نے عورتوں کی معاشرتی حیثیت کو قابل احترام بتانے کے لئے جو تعلیمات دی ہیں ان میں ایک تعلیم مہر کی ہے، مہر اس رقم کو کہتے ہیں جسے شوہر اپنی بیوی کو نکاح کے وقت دے، اسلام میں یہ واجب ہے۔

مہر کا وجوب قرآن وسنت دونوں سے ثابت ہے جیسا کہ ماقبل میں آیات اور احادیث میں مذکور ہوا، جن میں صراحت کے ساتھ مہر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام نے مرد کے لئے مہر کی ادائیگی ضروری قرار دی ہے، اور بیوی کی مرضی کے بغیر اس میں سے کچھ لینے کو ممنوع بتایا ہے، اسلام کی نظر میں مہر کی رقم قیمت یا معاوضہ نہیں ہے، بلکہ میاں بیوی کے مابین الفت ومحبت اور ایثار وصلہ رحمی کی ایک واضح نشانی ہے، اس سے عورت کا اکرام اور دل جوئی مقصود ہے۔ شریعت یہ چاہتی ہے کہ مرد کو گھر کی نگرانی کا جو حق دیا گیا ہے اس سے عورت کو اپنی کمتری کا احساس نہ پیدا ہو نیز وہ شوہر کے حقوق کو ادا کرنے میں کسی بھی طرح کی بددلی کا شکار نہ ہو۔

مردوں پر مہر کے واجب ہونے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے عقد نکاح کی خطرناکی اور مقام ومرتبہ کا اظہار ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ہی "میثاقا غلیظا" (النساء: ۲۱) رکھا ہے، اور مہر شرعی

(۱) صحیح: بخاری: ۱۶۶۳/۳، ح: ۵۱۶۷، مسلم: ۱۰۴۲/۲، ۱۴۲۷، الفاظ صحیح بخاری کے ہیں

(۲) بخاری: ۱۶۳۷/۳، ح: ۵۰۸۶، مسلم: ۱۰۴۵/۲، ح: ۱۳۶۵

(۳) بخاری: ۱۶۵۸/۳، ح: ۵۱۵۰

مقاصد کے عین موافق ہے کہ عورت واجب خرچ میں سے کسی بھی چیز کی مکلّف نہیں ہے اور نہ کسی بھی حالت میں اور نہ کسی وقت وہ نفقہ کی ذمہ دار ہے خواہ وہ ماں ہو یا بیٹی ہو یا بیوی ہو بلکہ تمام نفقات اور خرچوں کا ذمہ دار مرد ہے کیونکہ مرد ہی قوام ہے اور اسی کو اس کا مکلّف بنایا گیا ہے اور مرد روزی کمانے پر زیادہ قادر ہے۔[۱]

دوسری بحث

نفقہ

شوہر پر واجب ہے کہ اپنی بیوی پر خوشدلی سے خرچ کرے اور یہ نفقہ مرد کی عورت پر قوامیت کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء: ۳۴)

’’مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں‘‘۔

بیوی کا نفقہ حسب ذیل ہے: شوہر اپنی بیوی کیلئے کھانا پانی، لباس اور مکان وغیرہ کا واجبی طور پر انتظام کرے، یعنی، کھانا، پانی، لباس اور گھر کا انتظام کرنا شوہر پر واجب ہے۔[۲]

مرد پر نفقے کا وجوب: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شوہر پر اپنی بیوی کا نفقہ واجب ہے اگرچہ عورت مالدار ہو، مسلمان ہو یا کتابیہ ہو اور یہ مرد کی عورت پر قوامیت ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو کھانا، کپڑا اور مکان دے۔

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: الفقه الإسلامي وأدلته، از ڈاکٹر وہبہ الزحیلی (۲۵۱/۷) اور إتحاف الخلان بحقوق الزوجين في الإسلام (ص: ۱۲۲)

(۲) دیکھئے: الدر المختار (۲۷۸/۴)

دلائل: قرآن سے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْساً إِلَّا مَا آتَاهَا﴾(الطلاق:۷)

''چاہئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اس میں سے اپنی حسب حیثیت دے۔کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے''۔

وجہ استدلال: اس آیت میں شوہر کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بیوی پر وسعت کے مطابق خرچ کرے۔اور جو شوہر غریب ہو تو اس پر بھی اسی کے مطابق نفقہ واجب ہے۔

(۲)اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء:۳۴)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں''۔

وجہ استدلال: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد کی عورت پر فضیلت اور برتری نفقہ اور قوامیت کی بنا پر ہے۔

(۳)اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَعلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾(البقرہ:۲۳۳)

''اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور کے ہو''۔

وجہ استدلال: عورت کا نفقہ اور پہناوے زوجیت کی حالت میں دستور کے مطابق کیونکہ آیت کریمہ میں سب والدات چاہے وہ زوجہ ہو یا مطلقہ ہو، شامل ہیں۔

(۴)اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق:٦)

''تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان طلاق والی عورتوں کو رکھو اور انہیں تنگ کرنے کیلئے تکلیف نہ پہنچاؤ، اور اگر وہ حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا ہو لے انہیں خرچ دیتے رہا کرو''۔

وجہ استدلال: جب عورت مطلقہ رجعیہ ہو تو اس کا نفقہ اور سکنہ ملے گا۔ تو جو عورت اس کی زوجیت میں ہے اس کا نفقہ تو بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ اسی طرح مطلقہ بائنہ حاملہ ہو تو بھی اس کیلئے نفقہ واجب ہے۔ لہٰذا جب عورت زوجیت میں ہے تو اس کا نفقہ تو بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔

سنت سے: (۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کا نفقہ اور کسوہ واجب ہے۔ [۱]

حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے اوپر ہماری عورتوں کا کیا حق ہے، تو آپ نے فرمایا: جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ اور پہنو تو اس کو بھی پہناؤ۔ [۲]

وجہ استدلال: بیوی کو کھانا کھلانا اور کپڑا پہنانا شوہر کا حق ہے۔

خلاصہ: مہر عورت کا مالی حق ہے، جس کی ادائیگی کا حکم قرآن وحدیث کے صریح احکامات سے ثابت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَآتُوا النَّسَاء صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

''اور تم لوگ بیویوں کو ان کا مہر خوش دلی سے دے دیا کرو''۔

مہر بیوی سے شادی کا مالی معاوضہ ہے جس کا ادا کرنا فرض ہے۔

مہر دراصل عورت کیلئے اعزاز اور بخشش ہے جس سے اس کی اہمیت اور قدر ومنزلت بڑھتی ہے۔ چونکہ نکاح میں فریق اول شوہر ہے جو تمام مالی اور سماجی ذمہ داریوں کو برداشت کرتا ہے اور عورت خود کو شوہر کے سپرد کرتی ہے۔

---

(۱) مسلم (۸۹۰/۲، ح:۱۲۱۸)

(۲) سنن ابی داود (۲۴۴/۲،ح:۲۱۴۲)، علامہ البانی نے اسے صحیح سنن ابی داود (۵۹۲/۱، ح: ۲۱۴۲) کے تحت حسن صحیح قرار دیا ہے۔

اسلام نے عورت کو بہت اونچا اور بلند مقام عطا فرمایا ہے اورعزت کی اس بلندی پر پہنچایا کہ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں ان کے متعلق مخصوص سورتیں اور آیتیں نازل کیں، جو آیتیں اور سورتیں اس کے واجبی حقوق کی نشاندہی کرتی ہیں اور قرآن میں قیامت تک ان آیات کی تلاوت کی جائے گی جو اس کے بلند مرتبے پر شاہد ہیں۔

میں انصاف پسند لوگوں سے التماس کرتا ہوں کہ وہ ان آیات کا بغور مطالعہ کریں جن میں نفقہ اور مہر کے موضوع پر دلائل ہیں اور اپنی آراء سے ہمیں مطلع کریں اور مجھے پورا یقین ہے کہ قاری ان کو پڑھ کر اسلام کے عادلانہ نظام کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کو ماننا پڑے گا کہ اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان منصفانہ نظام زندگی دیا ہے جس میں نہ تو کسی قسم کا نقص ہے اور نہ زیادتی۔

تیسری بحث

ازدواجی قوامیت

اس میں چھ مطالب ہیں:

پہلا مطلب : قوامیت کی تعریف اوراس کی دلیلیں
دوسرا مطلب : مردکوقوام منتخب کرنے کا سبب
تیسرا مطلب : قوامیت کی شرطیں
چوتھا مطلب : قوامیت پر ہونے والے اثرات
پانچوں مطلب : مرد کی قوامیت کے خلاف جارحیت
چھٹا مطلب : قوامیت کے متعلق شبہات

پہلا مطلب
قوامیت کی تعریف اوراس کی دلیلیں

ازدواجی قوامیت ''ایک ایسی ذمہ داری ہے جوشوہر کودی جاتی ہے جس کونبھا کروہ اپنی بیوی کی حفاظت کرتا ہےاوراس کی بھلائی کادھیان رکھتا ہے۔''(۱)

قوامیت کےاندرتین اہم چیزیں شامل ہیں:

۱۔مرداپنی بیوی کی مالی اوراخلاقی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔

۲۔وہ عورت کی حفاظت، دیکھ بھال اورانصاف کے ساتھ خاندان کے کاموں کو پورا کرے گا۔

۳۔ایسے کاموں کوانجام دے گاجن کے ذریعہ بیوی کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں کودور کرے گا۔(۲)

اسلام کےاندرقوامیت کی حقیقت

قوامیت اسلام میں ایک خاندان کے اندرتعلقات کو درست کرنے کے لئے ہے۔خاندان کو ایک ادارے کی طرح ماناجاتا ہے جس کے بہت سارے ممبر ہوتے ہیں جیسے میاں بیوی، اور بچے۔ اسلام ایک ایسامذہب ہے جوایک نظام (سسٹم) پرابھارتا ہے اور ہر چیز کو درست کرکے رکھنے کو کہتا ہے۔یہاں تک کہ ہم مسلمان جب سفرکررہے ہوں تو ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے میں سے ایک شخص کواپناامیر چن لیں جو ہماری قیادت کرے،تاکہ ہم سفرکرتے وقت ایک دوسرے سے الگ نہ ہوجائیں۔وہ ہمیں متحد رہنے میں مدد کرتا ہے،تواس طرح ایک ادارے کے بارے میں ہماراکیاخیال ہے،جوادارہ سماج کی بنیاد ہے؟ گویااس کے لئے ایک سردارکی ضرورت ہے جواس کو چلائے، ایک منتظم کاہونالازمی ہے جواس کاانتظام کرے، کیونکہ جب ادارہ ٹھیک رہے گاتو پوراسماج ٹھیک رہے گا، اگروہ برباد ہوگیاتو پوراسماج برباد ہوجائے گا۔عقل اورغوروفکر سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اس ذمہ داری

(۱) القوامه الزوجيه......مجلة العدل، شماره :۳۲شوال :۱۴۲۷،ص:۱۳

(۲) قوامة الرجل على زوجته، مجله المجمع الفقهی عدد:۱۹،شوال:۱۴۲۵،ص:۳۳۱

کوسنبھالنے کے لئے مرد زیادہ اہل ہے نہ کہ عورت، کیونکہ مرد کے اندر ادھر ادھر جانے، کام کرنے کی اہلیت عورت کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

اس طرف اشارہ کرنا بے حد ضروری ہے کہ قوامیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد عورت پر حق جما کر رکھے یا اس کے ذریعہ عورت یا بیوی کی عقل مندی اور اس کے خیالات اور اس کی اہلیتوں کو بے کار سمجھے۔ خاندان کا جو سردار مانا جاتا ہے وہ احکامات جاری کر کے اسے نافذ کرنے کا حق ہر جگہ نہیں رکھتا۔ اسلامی شریعت اپنے گھر میں ذمہ دار مرد کو منع کرتی ہے کہ وہ اپنے گھر کے کسی فرد کے تئیں ایسا فیصلہ لے جس کو وہ شخص چاہتا نہ ہو۔ شریعت نے اس پر حرام کیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی جس شخص سے کرنا چاہتا ہو بیٹی سے پوچھے بغیر اور اس کے پوری قبولیت کے بغیر نکاح کرے۔ قوامیت اللہ کی جانب سے مرد کو دی گئی ذمہ داری ہے، اس کے ذریعہ اسے ثواب بھی ملے گا لیکن اگر اس کو نبھانے میں کمی یا کوتاہی سے کام لیا تو اسے اللہ سزا بھی دے گا۔

تو قوامیت کے تئیں مرد کی ایک اور ذمہ داری ہے اور اس کی ایک اور خوبی ہے، اس سے عورت کے احترام اور اس کی ذمہ داریوں کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

ازدواجی قوامیت کی دلیلیں:

صحابہ، تابعین، تبع تابعین، مفسرین، فقہاء اور محدثین کی یہی رائے ہے کہ مرد عورتوں پر اللہ کے حقوق کو نافذ کرنے میں قوامیت رکھتے ہیں۔ وہ ان پر خرچ کرنے، ان کی دیکھ بھال کرنے میں بھی برتری رکھتے ہیں۔ اس لئے مرد پر لازمی ہے کہ وہ اس قوامیت کی ذمہ داری کو نبھائے جس کا اسے شریعت کی طرف سے ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

(۱) اللہ کا فرمان ہے:

﴿الرِّجالُ قَوَّامُونَ عَلی النِّساء بِمافَضَّلَ اللہُ بَعضھم علی بعض وبماانفقو من اموالھم﴾ (النساء: ۳٤)

''مرد عورت کی زندگی کے منتظم ہیں، اس لئے کہ اللہ نے ان میں کچھ کو کچھ پر فضیلت دی ہے اور اس لئے کہ مرد اپنی مال خرچ کرتے ہیں۔''

وجــہ اسـتـدلال: آیت کے اندر حکم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مرد عورت پر خرچ کرنے، ان کی حفاظت اور گھر والوں کی دیکھ بھال کرنے میں قوامیت رکھتے ہیں۔

(۲) اللہ کا فرمان ہے:

﴿ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة والله عزیز حکیم﴾ (البقرہ:۲۲۸)

''اور (دیکھو) عورتوں کے لئے بھی اسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں، جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، گرچہ مردوں کو عورتوں پر ایک خصوصی درجہ دیا گیا ہے اور (یاد رکھو) اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

وجــــہ اســتــدلال: وہ معیار جس کے ذریعہ مردوں کو عورتوں پر برتری دی گئی ہے وہ قوامہ یعنی قوامیت ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان سورہ ''النساء: 34'' میں آچکا ہے اور وہ سرداری اور فرماں برداری ہے۔[1]

(۳) اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلاَ تَتَمَنَّوْاْ مَا فَضَّلَ اللّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُواْ اللّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً.﴾ (النساء:۳۲)

''اور (دیکھو!) اللہ نے تم میں سے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی بہ نسبت جو کچھ دے رکھا ہے اس کی آرزو نہ کرو، مردوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے، اور چاہئے کہ اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ بلاشبہ وہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔''

وجہ استدلال: اللہ تعالی نے عورتوں کو ان ذمہ داریوں کی آرزو کرنے سے روکا ہے جو مردوں کے لئے خاص ہیں۔ ان ہی میں سے قوامیت بھی ہے، یہاں پر روکنے کا مطلب منع نہیں بلکہ حرام ہے۔ (عورتوں کو اس کی آرزو کرنا حرام ہے)، کیونکہ اس منع کو پھیرنے والی کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

---

(۱) تفسیر طبری:۲/ ۲۵۴

دوسرا مطلب

مرد کو قوام منتخب کرنے کا سبب

عورت کے بجائے مردوں کو قوام بنانے کی حکمت اس آیت سے واضح ہوتی ہے۔اللہ کا فرمان ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ.﴾ (النساء: ٣٤)

''مرد عورت کی زندگی کے منتظم ہیں، اس لئے کہ اللہ نے ان میں کچھ کو کچھ پر فضیلت دی ہے۔اس لئے کہ مرد اپنی مال خرچ کرتے ہیں۔''

یہ آیت مردوں کو قوام منتخب کرنے کے دو اہم اسباب کی طرف اشارہ کرتی ہے:

پہلا سبب: فضیلت ''اس وجہ سے کہ اللہ نے کچھ لوگوں کو کچھ لوگوں پر فضیلت دی ہے۔''

یہاں پر اگر کسی کو ترجیح دی گئی ہے تو اس کے کرداروں کی تقسیم کی بنا پر یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کی اہلیت کے مطابق ترجیح دی گئی ہے، صرف جنس کی بنا پر نہیں دی گئی ہے۔اللہ نے عورت کو نرمی اور رحم دلی عطا کی۔اس کے اندر چڑ چڑاپن پایا جاتا ہے اور وہ بچوں کی ضرورتوں کے لئے ہنگامی ردعمل ظاہر کرتی ہے، کیونکہ انسانی ضرورتیں یہاں تک کہ ایک شخص کے اندر سوچ اور بیداری کے سبب نہیں چھوڑی گئی ہے، بلکہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کو پورا کرنا ہوتا ہے تاکہ اس کو فوراً پورا کیا جانا آسان ہو جائے۔کبھی کبھی لگتا ہے کہ یہ مجبوری میں کیا جا رہا ہے، لیکن یہ کوئی باہر کی مجبوری نہیں ہوتی، اکثر حالات میں وہ اچھا ہوتا ہے تاکہ ردعمل اس کی طرف جلدی ہو تو دوسری طرف آرام پہنچانے والی ہو۔

دوسری طرف اللہ نے مرد کے اندر سختی پیدا کی ہے، وہ چڑ چڑا نہیں ہوتا، جلدی سے کوئی کام نہیں کرتا، کسی بھی کام کو بیداری اور غور وفکر کے بعد ہی کرتا ہے، کیونکہ اس کے سارے کاموں کو کرنے سے

پہلے ہوشیاری سے کام لینا ہوتا ہے۔اس کو کرنے سے پہلے سوچنا ہوتا ہے۔یہ خوبیاں مرد کو قوام بننے کا زیادہ حقدار بنا دیتی ہیں۔یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہر چیز بہت ہی اچھے ڈھنگ سے بنائی ہے۔[1]

اس بنا پر نہ تو مرد اپنی خاصیت کے ذریعہ عورت پر فوقیت رکھتا ہے اور نہ ہی عورت اپنی خاصیت کے ذریعہ مرد پر فوقیت رکھتی ہے۔بلکہ ہر جنس ان میں سے ایک دوسرے پر اپنی خاصیت اور کردار کے ذریعہ ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں۔مرد انتظام وانصرام کرنے،کمانے اور خاندان کی حفاظت کرنے میں عورت پر فوقیت رکھتے ہیں اور عورت بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی پرورش و پرداخت میں مردوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

دوسرا سبب: خرچ

اس سے مراد مہر خرچ اور وہ ذمہ داریاں ہیں جو مردوں پر عورتوں کے تئیں قرآن اور حدیث کے ذریعہ واجب کی گئی ہیں۔[2] یہ کمائی والا سبب ہے کیونکہ مہر عورتوں کے لئے نکاح کے بندھن کے ذریعہ عورتوں کی سرداری میں آنے کا بدلہ ہے۔شریعت نے عورت کا احترام کیا ہے اس لئے کہ اس کے لئے بدلہ فرض کیا ہے،اس کا شوہر اس کا محافظ ہوگا،اس لئے اس کو ایسے کاموں میں سے کر دیا گیا ہے جس کو بھلائی کے لئے کرتے ہیں جس سے عورت کو پورا انصاف اور برابری ملی ہے،مرد کو اس پر قوام اور مکھیا بنایا گیا ہے،یہ قوامیت کی برتری ہے جس کو اس نے مال کے بدلے قبول کیا ہے۔[3]

مرد کی قوامیت اس قابل ہے کہ اللہ اس کو ترجیح دے، پھر اسے خرچ اٹھانے کی بھی ذمہ داری دے،اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف خرچ کرنے سے اسے ترجیح ملی ہے۔نہیں تو اگر عورت کے پاس مال ہو جائے ،اور اسے شوہر کے خرچ کی ضرورت نہ پڑے تو اس سے ترجیح ختم ہو جائے

---

(۱) مكانة المرأة في القرآن والسنة، صفحة:۹۹

(۲) في ظلال القرآن : ۲/۶۵۰–۶۵۱

(۳) تفسير ابن كثير:۱/۴۹۲

گی۔[1] اس طرح کے واقعات پیش آچکے ہیں۔زینب رضی اللہ عنہا جو کہ عبداللہ ابن مسعود کی بیوی تھیں، کے ساتھ وہ مالدار عورت تھیں، وہ اپنے شوہر اور بچوں پر خرچ کرتی تھیں، لیکن اس کے باوجود قوامیت کا حق ان سے (ان کے شوہر سے) ختم نہیں ہوا۔

تیسرا سبب: فطرت پر توجہ

اسلام فطری دین ہے، اور یہی وہ فطرت ہے جو عورت کے اندر بچپن ہی سے مرد کی ضرورت کا احساس پیدا کرتی ہے، تا کہ اس کے ساتھ زندگی کی پریشانیوں کا سامنا کر سکے۔یہی وجہ ہے کہ عورت بہت سارے کاموں کو خاندان کے اندر کرنا چاہتی ہے لیکن وہ ناکام ہوجاتی ہے۔جب وہ ایسے مرد کے ساتھ زندگی گذارتی ہے جو قوامیت کا اہل نہیں اور اس کی خوبیاں اس کے اندر نہیں پائی جاتیں، تو اس وقت یہ ذمہ داری عورت پر آجاتی ہے۔[2]

عورت کی سرداری خاندان کے اندر خوشی نہیں لاسکتی کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ مرد اپنی عقل وغیرہ کا استعمال کر کے عورت کا سردار بن کر رہے، جبکہ عورت اپنے دل اور من کے مطابق مرد پر سرداری کرتی ہے۔یہ ایک خاندان کے اندر ہر ایک کا کردار ہے، اس طرح سے کہ ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا کردار اپنی فطرت کے مطابق نبھاتا ہے۔

---

(۱) تفسیر المنار:۶۷/۵

(۲) حقوق المرأة فی ضوء السنةالنبوية، (ص:۹۲۰)

تیسرا مطلب
قوامیت کی شرطیں

مرد کے عورت کا قوام ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اس کو نیچا سمجھے۔اس پر اپنی سرداری چلائے ،اس کو اس کے حقوق سے محروم کردے، بلکہ اس کو شریعت کے مطابق چلنا ہوگا،شریعت کے قوانین کی فرمانبرداری کرنی ہوگی،اور ہر اس شخص کو اس مقام سے ہٹادیا جائے گا، جو عورتوں کے حقوق کو پامال کرے گا کیونکہ یہ ایسی ذمہ داری ہے جس کو کہ اسلامی شریعت نے فرض کیا ہے۔

قوامیت کابنیادی اصول: یہ ہے کہ مرد عورت کے سارے حقوق پورا کرے، جو اس پر نکاح کے بعد واجب ہوئے ہیں، جب وہ اس کے خرچ وغیرہ کو پورا نہیں کرسکے گا تو اس وقت وہ قوام نہیں ہوگا،اور اسے شادی توڑنی پڑے گی، کیونکہ جس چیز کے لئے شادی ہوئی تھی، وہ ختم ہوگئی۔

اس سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ جب خرچ وغیرہ کی ذمہ داری شوہر نہ اٹھا پائے تو بیوی خلع لے سکتی ہے، یہ امام مالک اورامام شافعی کا مسلک ہے۔[1]

یہاں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ قوامیت شریعت کی جانب سے مرد پر لازم کی گئی ایک ذمہ داری ہے،ایسا اعزاز واکرام نہیں جس پر مرد اترائے پھرے۔

اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ازدواجی قوامیت کی دو اہم شرطیں ہیں:

۱۔ مرد اپنی شرعی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔

۲۔ قوامیت کے اندر عدل وانصاف کا خیال رکھے۔

پہلی شرط: مرد کا اپنی شرعی ذمہ داریوں کو پورا کرنا

شریعت کی جانب سے فرض کی گئی ذمہ داریاں جن کا پورا کرنا مرد پر واجب (لازم) ہے، اس طرح ہیں:

(۱) الجامع لاحکام القرآن:۵/۱۶۹

(ا) **مہر**: وہ چیز ہے جو مرد اپنی بیوی کو نکاح ہونے کے بعد دیتا ہے، اس کا (مہر) دینا واجب ہے۔ مہر عورت کا اپنے شوہر پر بہت بڑا مالی حق ہے جس کو اللہ تعالی نے نکاح میں اس کو احترام دینے کے لئے فرض کیا ہے۔ یہ بھی بتانے کے لئے اسے لازم کیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو چاہتا ہے۔ اس طرح عورت کی آبرو کی حفاظت اور اس کو زیادہ احترام بخشنا ہے، تا کہ نکاح باقی رہے۔

(ب) **خرچ**: شوہر کا اپنی بیوی کا خرچ چلانا خاندان اور نکاح کے رشتے کو باقی رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسلامی ازدواجی قوامیت کے تحت عورت کے لئے اس سے بڑی عزت افزائی اور کیا ہوسکتی ہے؟ کہاں گئے وہ لوگ جو اس بات کو سمجھتے۔

(ج) **بھلائی کے ساتھ رہنا**: عورت کا ایک عظیم حق یہ بھی ہے کہ شوہر اس کے ساتھ بھلائی کے ساتھ رہے کیونکہ اللہ تعالی نے مردوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ بھلائی کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

> ''مسلمانو! تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ بیویوں کو اپنی میراث سمجھ کر ان پر زبردستی قبضہ کرلو... اور نہ ایسا کرنا چاہئے کہ جو کچھ انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ لے نکلنے کے لئے ان پر سختی کرو اور انہیں روک رکھو، سوائے اس کے کہ انہوں نے کھلے عام بدچلنی کا جرم انجام دیا ہو اور بیویوں کے ساتھ رہنے میں بھلائی اور انصاف کا دھیان رکھو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تمہیں وہ ناپسند ہوں تو کوئی تعجب نہیں کہ تم ایک بات ناپسند کرتے ہو اور اسی میں اللہ نے تمہارے لئے بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔'' (النساء:۱۹)

یہاں پر ایک لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ میاں بیوی کے درمیان ہونے والے، زندگی کے سارے معاملوں کو شامل ہے۔ اس لئے مردوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ بیوی کے سارے حقوق کو ادا کرے کیونکہ عورت کو اسلام نے باپ کے لئے گھر اور بیٹے کے لئے گود بنایا ہے۔

دوسری شرط: قوامیت کے اندر عدل وانصاف

قوام کا معنی انصاف بھی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کا قول ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً. ﴾
(الفرقان:٦٧)

''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں، بلکہ ان کا خرچ دونوں کے درمیان متوازن ہوتا ہے۔''[۱]

مطلب یہ ہے کہ قوام عورت کے ساتھ چاہے وہ ماں، بہن، بیوی یا بیٹی ہو، انصاف پسند بن کر رہے۔اسی لئے قوامیت کے لئے لازمی ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو شریعت کے اصولوں کے مطابق نبھائے، سارے حقوق کو پورا کرے، خاندان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں نبی ﷺ کا طریقہ اپنائے۔

بہت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہت سارے مرد قوامیت کی ذمہ داری کا استعمال اس طرح کرتے ہیں کہ وہ صرف عورت کی گردن پر ایک لٹکی ہوئی تلوار ہوجاتی ہے۔انہیں قرآن کی صرف برتری والی آیتیں ہی یاد رہتی ہیں۔اسی طرح حدیث میں سے وہی حدیثیں معلوم رہتی ہیں جو مرد کی عظمت کو عورت پر واضح کرتی ہیں۔وہ آیتیں اور حدیثیں جو عورتوں پر ظلم اور ان کے حقوق کو پامال کرنے سے روکتی ہیں، کو بھول جاتے ہیں یا جان بوجھ کر بھلا دیتے ہیں۔یہی وہ چیزیں ہیں جن کو اسلام کے دشمنوں اور اسلام کو بگاڑنے والوں نے مضبوطی کے ساتھ پکڑ رکھا ہے۔

---

(۱) لسان العرب:۳۵۶/۱۱

چوتھا مطلب

قوامیت سے ہونے والے اثرات

مرداورعورت کی جانب سے قوامیت پر کچھ اثرات پڑتے ہیں، جواس طرح ہیں:

مرد کی جانب سے : پڑنے والا اثر یہ ہے کہ اس پر خاندان اور بیوی کی جو ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرے جیسے مہر دے، خرچ پورا کرے، گھر اور کپڑوں کا انتظام کرے، اس سے نیکی کے ساتھ نبھائے، عدل وانصاف کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھائے، اوراس بارے میں ان حدیثوں اور آیتوں کی تابعداری کرے جن کا بیان اس سے پہلے آچکا ہے۔

مرد کی قوامیت پر ہونے والے اثرات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عورت کی پوری طرح سے دیکھ بھال کرے، اس طرح کہ اسے بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اسے علم وغیرہ کی طرف ہدایت دے۔ نبی ﷺ کے طریقے کو ہر حال میں اپنائے۔

نبی ﷺ نے قوامیت کو اس کے صحیح معنوں میں کر کے دکھایا ہے، اس میں نہ تو عورتوں کے حقوق کی پامالی ہوئی ہے اور نہ ہی اس پر سختی برتی گئی ہے کیونکہ وہ بہت ہی اچھی اور آسان سلوک والی مخلوق ہے۔

بیوی (عورت) کی جانب سے قوامیت کی ذمہ داری پڑنے والے اثرات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

عورت اپنے گھر اور شوہر وغیرہ کے بارے میں دی گئی ذمہ داری کو پورا کرے۔ ان میں سے اہم ذمہ داریوں کا بیان آرہا ہے:

ا۔ بھلائی کے ساتھ اپنے شوہر کی اطاعت کرے

عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کے احکامات کی فرمانبرداری کرے ہر اس چیز کے اندر جس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو۔ رسول ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ کی نافرمانی میں کسی کے حکم کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اطاعت صرف بھلائی کے

کاموں میں ہوگی۔''(۱)

یہ اطاعت گھر چلانے کے تلازمات کا ایک حصہ ہے، رہنما کے حکم کی اطاعت لازمی ہے۔عورت کے جو کام ہوں، جیسے بچوں کی پرورش و پرداخت کرنا، ان کے مستقبل کے بارے میں سوچنا اور وہ کام جو عورت کو مرد کی بیوی ہونے کی طرف اشارہ کرے تو ایسے کاموں میں اس کے احکامات کی فرمانبرداری لازمی ہے، جیسا کہ آیت کے اندر واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ گھر کے باہر نہ جانے میں شوہر کی اطاعت کرنا

شوہر کا اس کی بیوی پر یہ حق ہے کہ اس کی بیوی اس کے گھر میں رہے، اس کی اجازت کے بغیر اس وقت تک نہ نکلے جب تک کہ کوئی شریعت کی طرف سے ضرورت نہ پڑ جائے، اور جس کا حکم شریعت میں ہو۔

اللہ تعالی نے مومنوں کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ گھروں میں رہیں اور گھروں سے ضرورت کے بغیر نہ نکلیں۔اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى.﴾ (الاحزاب:۳۳)

''اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پہلے کی جاہلیت کی طرح بن سنور کر نہ نکلو۔''

یعنی اپنے گھروں کو لازم پکڑو اور بنا ضرورت باہر نہ نکلو۔(۲)

عورت کا گھر کے اندر رہنا اس کا غلام بننا اور اس کی آزادی ختم ہونا نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کی حفاظت ہے کیونکہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے باہر نکلنے میں گھر کی بربادی اور اس کے سسٹم کو توڑنا ہے۔اسی لئے جب شوہر موجود ہو تو وہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے، اور اگر موجود نہ ہو تو اس کو بتائے بغیر نہ جائے۔

کچھ لوگ اس معاملے میں بہت سختی سے کام لیتے ہیں۔یہاں تک کہ اس کے جذبات کو بھلا

---

(۱) بخاری:۲۲۶۷/۴، حدیث:۴۲۵۷، مسلم:۱۴۶۹/۳، حدیث:۱۸۴۰

(۲) تفسیر ابن کثیر:۴۸۳/۳

دیتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ مردعورتوں پر برتری رکھتے ہیں جبکہ یہ شریعت کے خلاف ہے اور اس کے خلاف ہے، جس طرح اللہ نے عورت کے ساتھ کا حکم دیا ہے۔

۳۔ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی شخص کو گھر میں داخل نہ کریں

شوہر کا اس کی بیوی پر یہ بھی حق ہے کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر کسی بھی شخص کو اس کے گھر میں نہ داخل کرے۔ اس کے لئے جائز بھی نہیں ہے کہ وہ کسی کے لئے گھر میں آنے کی اجازت مانگے، جبکہ اس کا شوہر نہیں چاہتا ہو۔ اس کی دلیلیں آرہی ہیں:

۱۔ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ (نفلی روزہ) رکھے، جبکہ اس کا شوہر موجود ہو، اور وہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔''(۱)

۲۔ عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا تمہاری عورتوں (بیویوں) پر حق یہ ہے کہ تمہارے بستروں پر وہ لوگ نہ آئیں جن کو تم نہیں چاہتے ہو، اور تمہارے گھروں میں آنے کی اجازت ان لوگوں کو نہ دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو۔''(۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس کا متفق علیہ مفہوم یہ ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو جس کو تم ناپسند کرتے ہو، گھر میں آنے اور بیٹھنے کی اجازت نہ دیں، چاہے وہ اجنبی شخص ہو، یا عورت ہو، یا کوئی بیوی کے گھر کا ہو، سارے لوگوں کو منع کیا گیا ہے۔(۳)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر سماجی چلن کا ہر شریعت اور قانون پر اثر ہوتا ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ شوہر کبھی اپنی بیوی کو اس کے نزدیکی رشتے داروں کے یہاں جانے سے روک دے، اس ڈر سے کہ کہیں اس کی بیوی بگڑ نہ جائے۔ یہ ساری چیزیں گھر والوں کی بھلائی، خاندان کو باقی رکھنے اور اس کی بھلائی کے لئے ہیں۔

---

(۱) مسلم: (۲/۷۱۱، ح:۱۰۲۶)

(۲) ترمذی:۳/۴۶۷،حدیث:۱۱۶۳،البانی نے صحیح سنن ترمذی میں حسن کہاہے:۱/۵۹۴،ح:۱۱۶۳

(۲) صحیح مسلم مع شرح نووی:۸/۱۸۴

پانچواں مطلب

مرد کی قوامیت کے خلاف جارحیت

جہاں ایک طرف عورت کو ہر میدان جیسے سیاست، ثقافت، مالیات وغیرہ میں مردوں کے مساوی حق دینے کی آوازیں اٹھ رہی ہیں وہیں دوسری طرف خاندان کے اندر مرداور عورت کے درمیان کرداراور ذمہ داری کو تقسیم کیا جارہا ہے۔ یہ ساری چیزیں مرد کی قوامیت کو ختم کرنے کے لئے کی جارہی ہیں تاکہ مرد کو خاندان کا سردار نہ مانا جائے۔ اس طرح کی باتیں ان پروگراموں میں آچکی ہیں جو عورتوں کے معاملے کو لیکر منعقد کئے جاتے ہیں جن میں ان کے فطری کاموں کو چھوڑ کر مردوں کے برابر حق دینے کی باتیں کی جاتی ہیں۔[1]

مرد کی قوامیت کو ختم کرنے کا مطالبہ کرنے والوں کی تنقید

جب ہم ان کارروائیوں پر غور کرتے ہیں، جو مرد کی قوامیت کو ختم کرنے کی مانگ کرتی ہیں اور ان کو ہم قرآن، حدیث اور اسلامی شریعت اور اس کے قوانین کے مطابق دیکھتے ہیں تو ہمارے سامنے اس کی کمیاں کھل کر سامنے آجاتی ہیں اس لئے ہم اس کی صحیح تنقید کر سکتے ہیں، اس کو شریعت کے صحیح قانون اور اچھے قانون کے مطابق ٹھیک کر سکتے ہیں۔ ان کا بیان نیچے آرہا ہے:

پہلا: یہ کارروائیاں جو اس بات کی مانگ کرتی ہیں کہ گھر کے اندر عورت اور مرد کے کرداروں میں تبدیلی کی جائے، بلکہ پوری سماجی زندگی میں مانگ کرتی ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ اس عقیدے کو تباہ کر دیا جائے کہ مرد عورت پر برتری رکھتے ہیں۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ عورت کے سماجی حقوق کو نہ ماننا اس کے ساتھ امتیاز برتنا ہے۔

یہ کارروائیاں سماجی زندگی میں عورت کو سردار اور اس کو بااختیار کرنے کی مانگ کرتی ہیں یہاں

---

(۱) العدوان على المرأة......، (ص:۱۸۵)

تک کہ مرداورعورت کے درمیان کام کو برابری کے ساتھ بانٹنے کی مانگ کرتی ہیں تاکہ ہرایک اپنے پیروں پر کھڑا ہوسکے۔

یہ ساری کارروائیاں صرف انسانی سماج کو بگاڑ ہی نہیں رہی ہیں بلکہ انسانی فطرت کے خلاف ہیں، اس طرح کہ یہ پروگرام پورے سماج کو ایک رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مکمل طور پر مشرقی سماج مغربی سماج کی طرح ہوجائے۔اس کو عقل بھی تسلیم نہیں کرتی اور جہاں تک رہی بات کہ پورا سماج ان کی سماجی زندگی میں ایک رنگ میں رنگ جائے اور ایک مثال بن کر رہ جائے تو ایسا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

یہ کارروائیاں اقوام متحدہ کے قوانین کے خلاف ہے، جوکہ لوگوں کو عقیدے کی آزادی اور اپنے حقوق کا احترام کرنے کی اجازت دیتے ہیں اس لئے، یہ ساری چیزیں لوگوں پر لاگو کرنا ہے جوان کے عقیدے، دین اور اصول کے خلاف ہے۔

قوامیت کا معاملہ اسلام کے اندر کوئی چھوٹا سا معاملہ نہیں، نہ ہی وہ لوگوں کی عادت ہے اور نہ ہی وہ ایسا قانون ہے جس کو عورت پر سرداری کرنے لئے بنالیا گیا ہے بلکہ یہ اللہ کا قانون ہے جس کے اندر مرداورعورت ہرایک کی خاصیت پر دھیان دیا گیا اور اس کے اندر خاندان کی بھلائی پر توجہ دی گئی ہے۔

دوسرا: وہ کارروائیاں جوخاندان سے متعلق قوانین کو بےکار کہتی ہیں یہ دلیل دے کر کہ عورتوں کے درمیان جوجو امتیاز برتا جاتا ہے اس کی وجہ سے عورتیں کچھ کام نہیں کرسکتی ہیں، اسی طرح مرد کی سرداری اسے مال اور ادھار لینے کے راستے میں رکاوٹ ڈالتی ہے، تو اس طرح کی ساری باتیں دووجوہات کی بنا پر سچ نہیں ہیں:

نمبر (ا): مرد کا خاندان کا سردار ہونا، عورت کے ساتھ ناانصافی سمجھی جاتی ہے۔ یہ بہت ہی بدقسمتی کی بات ہے۔ مرد کا عورت کے ساتھ رشتہ اسلام میں مکمل رشتہ سمجھا جاسکتا ہے، دونوں کے درمیان دشمنی اور امتیاز نہیں کیا جاتا ہے، دونوں کے درمیان دوستی اور رحمت اور شانتی کا رشتہ ہے۔ مرد خاندان کا مالک ہوتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عورت پر ظلم کرے اور اس پر اپنی سرداری جتائے، بلکہ اس کا مقصد تو اس تعلق کی

بھلائی ہے جو دونوں میں قائم ہوتا ہے۔

جہاں تک رہی بات عورت پر مرد کی طرف سے ظلم اور سختی کی تو مغربی ممالک کے لوگوں کی زندگی میں اس کی مثالیں بہت ملتی ہیں، چاہے وہ پہلے زمانے کی بات ہو یا اس زمانے میں ہو رہا ہے۔ یہاں پر اس کا تفصیلی بیان نہیں کیا جا سکتا۔

نمبر (۲): ان پروگراموں کا یہ کہنا کہ خاندان کے مالک کی سختی عورت کے مال حاصل کرنے اور ادھار لینے کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے تو اگر اس سے ان کے کہنے کا مقصد مغرب سے ہے تو یہ سچ ہے۔ لیکن اگر اس سے ان کا مقصد اسلام کے اندر ہے پھر تو یہ بہت ہی ناحق بات ہے، کیونکہ اسلام میں عورت جب سے بالغ ہو جاتی ہے، اس کا اپنا الگ مال ہوتا ہے۔ اس کا کسی مرد سے شادی کرنا اس کے مال کی ذمہ داری سے اسے نہیں روک سکتا نہ ہی اسے، اس کے بیچنے خریدنے اور نہ اس کے اندر کسی بھی طرح کی کمی لانے اور بڑھا وا دینے کو روک سکتا ہے۔ (۱)

تیسرا: جہاں تک رہی بات ان پروگراموں کی، مرد اور عورت کے درمیان گھر میں ذمہ داری بانٹنے کے انصاف پسندانہ قانون کو باقی رکھنے کے بارے میں اور اس کو ڈیموکریسی کو مضبوط کرنے کی بات سمجھنے کی، تو یہ ساری چیزیں بنیادوں کو گرا دینے والی اور الٹی پلٹی باتیں لگتی ہیں۔ ان کا مقصد صرف خاندان سے متعلق شریعت کے احکام کو دور کرنا ہے اور اس کی جگہ من گھڑت مغربی قوانین کو لانا ہے۔ (۲)

بلکہ یہ قانون تو خاندان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں کیونکہ ہر ادارے کا ایک نیتا ہوتا ہے تا کہ وہ فیصلوں کو جاری کر سکے۔ تو اگر بہت سارے نیتا ہو جائیں اور فیصلے جاری کرنے کے بہت سارے سینٹر ہو جائیں تو یہ ادارہ ناکام ہو جائے گا۔

اگر ان کا یہ کہنا ہے کہ اس سے ڈیموکریسی کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے، تو ڈیموکریسی کو سردار اور نیتا سے چھٹکارا نہیں جو صلاح اور مشورے کے درمیان ملاپ کر کے اپنے فیصلے کا اعلان کرے، تو کوئی بھی ڈیموکریسی یا شوریٰ کمیٹی یا سردار سے خالی نہیں ہوگی۔ (۳)

(۱) العدوان علی المرأة، صفحہ:۲۱۴-۲۱۵
(۲) العدوان علی المرأة، صفحہ:۲۱۷
(۳) مکانة المرأة......، صفحہ:۹۹

چھٹا مطلب
قوامیت کے بارے میں شبہات

اسلام کے دشمن جو کہ پوری دنیا میں عورت کے حقوق اور معاملات کے بارے میں پروگراموں کا انعقاد کرتے ہیں، وہ ہمیشہ سے عورت کے سماجی معاملات سے تعلق رکھنے والی آیتوں اور حدیثوں کے خلاف شبہات پیدا کرتے ہیں۔

قوامیت کے تئیں اٹھائے گئے شبہات کا بیان درج ذیل ہے:

۱۔ قوامیت عورت کی آزادی کو کم کرتی، اس کے حقوق کو ختم کرتی اور اس کے احترام کی مخالفت کرتی ہے۔

۲۔ قوامیت عورت کی آزادی اور مرد کے ساتھ اس کی برابری کے خلاف ہے۔

۳۔ قوامیت عورت کے عقل اور اس کے اچھے انتظام میں کمی دکھانے کا سبب ہے۔

۴۔ قوامیت عورتوں کو غلام بنانا اور مردوں کی اس پر دھاک جمانا ہے۔

۵۔ قوامیت عورت کو غلام بنانا ہے اور مرد کو اس پر برتری دینا ہے۔

۶۔ مرد کا اکیلے ذمہ داری کو سنبھالنا اس وقت قبول نہیں کیا گیا جب عورت نے سماج میں اپنا عہدہ خود حاصل کرلیا۔[1]

شبہات کا ازالہ

یہاں شک ازدواجی قوامیت کے بارے میں اسلام کے دشمنوں کی طرف سے اٹھائے جارہے ہیں جو اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ جب ہمیں معلوم ہوگیا کہ یہ کہاں سے اٹھائے جارہے ہیں، تو ان کا ازالہ کرنا ہمارے لئے آسان ہوگیا ہے۔ اسی طرح جب ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ لوگ قوامیت کا مطلب اور اس کے شروط کو نہیں جانتے، ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اسلامی شریعت کے اصول کیا ہیں، اور اس کو نافذ کرنے سے شریعت کا کیا مقصد ہے، ساتھ ہی ساتھ جب ہمیں معلوم

(۱) شبہات حول الإسلام، صفحہ:۱۲۱، حقوق المرأۃ، صفحہ:۹۱۶

ہوتا ہے کہ اسلام اوراس کے ماننے والوں کے خلاف ان کی نیت خراب ہے، تواس وقت ہمارے لیے اس کاازالہ کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

قوامیت عورت کی آزادی اوراس کے احترام کے خلاف نہیں:

جہاں تک رہی بات کہ قوامیت عورت کی آزادی اوراس کے احترام کوختم کردیتی ہےتو یہ بہت ہی بےکاراور غلط فکر ہےاور شریعت کے خلاف بھی ہے۔ نبی ﷺ نے جب ذمہ داریاں اور کام تقسیم کیئے تو فرمایا:''مرد اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کرنے والا ہے، اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی ہے۔''(۱)

یہ حدیث ہماری کئی باتوں کوواضح کرتی ہے:

۱–اپنے خاندان کے تیئں مرداورعورت کی منقسم ذمہ داری۔

۲–ان میں سے ہر ایک کی پوری کارکردگی: گویا مرد کا خاندان کے اندر اپنا ایک احساسِ ذمہ داری ہے جسے وہی نبھا سکتا ہے، عورت کا اپنا ایک کردار ہے جسے پورے خاندان میں صرف وہی نبھا سکتی ہے، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا کردار نہیں ادا کرسکتا ہے۔

۳–ذمہ داریاں اور فرائض میں انصاف کے ساتھ تقسیم ہر ایک کی طاقت اور استطاعت کے مطابق ہے۔

۴–عورت اور اس کی استطاعت کا احترام کرنا: اس وجہ سے کہ وہ جتنی بڑی ذمہ داری اپنے شوہر کے گھر میں نبھاتی ہے، اسے ہر کوئی شخص جانتا ہے۔ ذمہ داری نبھانے کیلئے جسمانی اور عقلی طاقت دونوں ضروری ہے۔اسی لئے پاگل شخص، بچے اور سوتے ہوئے شخص سے ذمہ داری ہٹ جاتی ہے۔اس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ عورت کو ذمہ داری دینا اس کے عقل اور جسمانی طاقت کو قبول کرنا ہے۔

۵–خاندان کے اندر عورت کے کام، قوامیت کے قانون کے تحت مرد ختم نہیں کرسکتا ہے، بلکہ وہ

---

(۱) بخاری:۳/۱۶۷۳، حدیث:۵۲۰۰، مسلم:۳/۱۴۵۹، حدیث:۱۸۲۹

قوامیت کا کردار گھر میں ان کاموں میں نبھائے گی، ان میں عورت کا حکم ہوگا اور مرد کا نہیں جیسے کہ کنواری لڑکیوں کی دیکھ بھال، ان کی جسمانی افزائش اور اس عمر میں ان کی دیکھ ریکھ وغیرہ کام۔

ان تمام باتوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے اندر قوامیت، کردار کو بانٹنا ہے جس کے ذریعہ خاندان اور اس کے باقی رہنے کی حفاظت کی جاتی ہے، اس کے ذریعہ زندگی کامیاب ہوجاتی ہے، اور یہ ہر شخص کے مطابق ہوتا ہے۔

جہاں تک بات ہے مغربی خواتین کے مطالبات کی کہ مرد کی قوامیت کو ختم کیا جائے، تو اس کی بات کچھ سمجھ میں آتی ہے، جو کہ اس کی حالت سے واضح ہے کہ وہ کام کرتی ہے، محنت کرتی ہے اور اپنے اوپر خرچ کرتی ہے۔ جبکہ اسلام میں عورت کا تعلق مرد سے اچھی طرح ہے، دونوں کے درمیان شراکت دار کا تعلق نہیں، دونوں کے درمیان دشمنی نہیں، بلکہ یہ محبت، ایک دوسرے ساتھ بھلائی اور اچھے ڈھنگ سے زندگی گذارنے کا تعلق ہے۔(۱)

خلاصہ: ازدواجی قوامیت مرد کے لئے ہے عورت کے لئے نہیں، یہ قرآن سے واضح ہے۔ یہ حصہ داری کا نام ہے برتری کا نہیں، اللہ کے یہاں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ قوامیت دی ہوئی ذمہ داری ہے، حق نہیں، وہ محدود ہے آزاد نہیں ہے۔ وہ ذمہ داری ہے جو عورت کو بھلائی کے ساتھ اطاعت کرنے کو کہتی ہے اور مرد سے خاندان کی دیکھ بھال کی مانگ کرتی ہے، اور اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کو ٹھیک رکھے، اس کی بھلائی اور اچھائی کے لئے محنت کرے۔ اس میں عورت کی ذلت نہیں، اس کے احترام کی پامالی نہیں اور نہ ہی اس کے حقوق کو دبانا ہے۔

گویا عورت کے لئے واجب ہے کہ وہ اس قوامیت کو قبول کرے، جس طرح منتظم کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی حد اور اس کے مطلب کو سمجھے، اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ اس کو اچھے ڈھنگ سے نبھائے اور کسی حق کے استعمال میں سختی سے کام نہ لے۔(۲)

---

(۱) حقوق المرأة فی ضوء السنة النبوية: ۹۲۱-۹۲۳-۹۲۴

(۲) قوامة الرجل علی زوجته (ص:۳۲۵)

چوتھی بحث

طلاق

طلاق کی تعریف: جمہور علماء نے طلاق کی تعریف یہ کی ہے: قید نکاح کو ختم کرنا ایسے الفاظ سے جو طلاق سے مشتق ہوں، یا جو طلاق کے معنی میں ہوں۔[1]

طلاق کا وقوع مرد کی طرف سے نہ کہ عورت کی طرف سے

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طلاق خاص مردوں کا حق ہے جس میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور نہ یہ حق منتقل ہوگا۔ ہاں وکالت سے یہ حق منتقل ہوگا، اس میں عورت کا کوئی حق نہیں ہے۔

(۱) **دلائل قرآن سے**: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (طلاق: ۱)

''اے نبی! اپنی امت سے کہو کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں انہیں طلاق دو''۔

وجہ استدلال: اللہ کے نبی ﷺ سے خطاب آپ کے شرف ومرتبہ کی وجہ سے ہے، ورنہ حکم تو امت کو دیا جا رہا ہے یا آپ ہی کو بطور خاص خطاب ہے اور جمع کا صیغہ بطور تعظیم کے ہے اور امت کے لئے آپ کا اسوہ ہی کافی ہے، آیت میں خطاب مردوں کو ہے اور آپ کے بعد امت کے مردوں کو ہے جس میں اس بات کی دلیل ہے کہ طلاق کا مالک مرد ہوگا نہ کہ عورت۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگائے بغیر ہی طلاق دیدو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔ (البقرہ: ۲۳۶)

---

(۱) دیکھئے: فتح القدیر (۳/۳۷۶)، مغنی المحتاج (۳/۲۷۹)، المغنی (۷/۳۶۳)

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ میں بھی خطاب مردوں کو ہے نہ کہ عورتوں کو۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کردوں۔ (الأحزاب: ۲۸)

وجہ استدلال: آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق مردوں کے ہاتھ میں ہے نہ کہ عورتوں کے۔

(۱) **احادیث سے دلیل**: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی، پھر ان سے رجعت کرلی۔ [۱]

(۲) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے سکنی اور نفقہ مقرر نہیں فرمایا۔ [۲]

وجہ استدلال: ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت طلاق جائز ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایسا کیا نیز صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ طلاق جائز ہے، اور طلاق کا حق مردوں کے پاس ہے نہ کہ عورتوں کے پاس۔

اسلام میں شادی مرد و عورت کے مابین محبت و رحمت پر مبنی ایک ایسا دائمی و مقدس رشتہ ہے جسے برقرار رکھنے کے لئے ہر طرح کی کوشش ضروری ہے، اسی وجہ سے شریعت نے میاں بیوی دونوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں محبت، مروت، چشم پوشی، نرمی اور اخلاص کا برتاؤ کریں، اور ہر ممکن طور پر اس رشتہ کو برقرار رکھیں، کیونکہ اسی میں ان کی، ان کے خاندان، معاشرے اور پوری انسانیت کی بھلائی کا راز پوشیدہ ہے، دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے لئے کچھ نہ کر سکیں گے، اس لئے اگر زوجیت کا رشتہ محبت و رحمت کے بجائے انصاف اور برابری ہی پر قائم رہ سکے تو اسے قائم رکھیں، اور دونوں علیحدگی نہ اختیار کریں۔

---

(۱) سنن ابوداود: ۲/۲۸۵، ح: ۲۲۸، علامہ البانی نے اسے "صحیح سنن ابی داود" (۲/۳۴) میں حدیث نمبر (۲۲۸۳) کے تحت صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) مسلم: ۲/۱۱۱۹، ح: ۱۴۸۰

لیکن طبیعتوں کی ناہمواری اور بعض دوسرے اسباب کی وجہ سے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک ساتھ رہ کر احکام الٰہی کی پابندی اور باہمی حقوق کی ادائیگی سے قاصر ہوجاتے ہیں، ایسی صورت میں اسلامی شریعت نے مرد کو اختیار دیا ہے کہ وہ عورت کو سنت کے مطابق طلاق دے کر جدا کردے تاکہ پھر دونوں آئندہ زندگی کے لئے اپنا اپنا راستہ متعین کرلیں۔

طلاق کو عورت پر زیادتی تصور کرنا ذہن کا قصور ہے، میاں بیوی کا باہمی رشتہ ان کی سعادت وبہتری کے لئے مشروع ہے، لیکن اگر قربت واتصال باہمی کدورت ونفرت کا باعث بنتا ہوتو ایسی صورت میں اس رشتہ کو ختم کرنے کے علاوہ دوسرا کوئی طریقہ بہتر نہیں ہوسکتا، طلاق کو اصل میں اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہئے۔

طلاق اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب واقوام میں بھی مشروع ہے۔ یونانی قوم میں شوہر کو اختیار حاصل تھا کہ بیوی کی خرید وفروخت کرے، اس کو سزا دے یا قید کرے، اور جب چاہے اسے طلاق دیدے، پھر جس کے ساتھ چاہے اس کی شادی کردے۔

رومن قوم میں بھی طلاق کا نظام موجود تھا، اور اس میں مختلف اوقات میں اصلاح وترمیم کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ گستنین نے طلاق کو تین قسموں میں تقسیم کیا تھا، اول مباح، دوم مشروع اور سوم غیر مشروع۔ مباح طلاق اس صورت میں ہوتی تھی جب میاں بیوی میں سے کوئی دوسرے کو طلاق دے اور اس طلاق کا سبب فریق ثانی سے متعلق ہو مثلاً جنون یا بانجھ پن وغیرہ۔

طلاق مشروع کا سبب ایسی کوئی غلطی ہوتی تھی جس کا ارتکاب میاں بیوی میں سے کوئی ایک کرے، اور دوسرا بطور سزا طلاق دے۔

طلاق غیر مشروع کی صورت یہ بتائی جاتی ہے کہ طلاق مباح یا طلاق مشروع کے اسباب میں سے کوئی سبب موجود نہ ہو لیکن زوجین میں سے کوئی طلاق دے۔

یہودی قوم دو بڑے فرقوں میں منقسم ہے، اول ربانی، دوم قرائی۔ ربانی فرقہ توراۃ اور تلمود دونوں پر ایمان رکھتا ہے، اور قرائی فرقہ تلمود کو آسمانی کتاب ماننے کے بجائے فقہی کتاب تسلیم کرتا ہے۔ محققین کی رائے کے مطابق یہودیوں کے دونوں فرقے طلاق کو تسلیم کرتے ہیں، البتہ فرق یہ

ہے کہ ربانی فرقہ مرد کو طلاق کے سلسلہ میں بالکل آزاد مانتا ہے، خواہ کوئی معقول سبب موجود ہو یا نہیں۔لیکن قرائی فرقہ کہتا ہے کہ طلاق کے لئے ایسا شرعی سبب ہو جسے قاضی خود متعین یا تسلیم کرے، البتہ جب میاں بیوی طلاق پر متفق ہوں تو ایسی صورت میں قاضی کی ضرورت نہیں۔

نصرانی مذہب کے ماننے والے تین بڑے فرقوں میں منقسم ہیں۔اول کیتھولک، دوم پروٹسٹنٹ، سوم آرتھوڈکس۔کیتھولک فرقہ والے کسی بھی حالت میں طلاق کے قائل نہیں ہیں۔اور پروٹسٹنٹ فرقہ والے زنا ثابت ہونے کی اور مذہب تبدیل کرنے کی صورت میں طلاق کو جائز قرار دیتے ہیں۔اور آرتھوڈکس فرقہ والے مذکورہ دونوں اسباب کے ساتھ ساتھ مزید دوسرے اسباب کی وجہ سے بھی طلاق کو جائز مانتے ہیں۔

فرانسیسی انقلاب کے بعد ۱۷۷۲ء میں جو قانون فرانس میں منظور ہوا اس کی رو سے طلاق کو میاں بیوی کی رضامندی سے، یا مخصوص حالات میں کسی ایک کی مرضی سے جائز قرار دیا گیا تھا۔فرانس میں اس وقت جس قانون پر عمل ہو رہا ہے، وہ ۱۹۴۵ء میں منظور کیا گیا تھا، اس قانون کی رو سے زنا کے ارتکاب کے بعد کسی بری سزا میں ماخوذ ہو جانے کے بعد اور حد سے بڑھی ہوئی بدسلوکی کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

انگلینڈ میں ۱۹۳۷ء میں جو قانون منظور کیا گیا اس میں وسیع پیمانہ پر طلاق کو جائز قرار دیا گیا، اور اس کے لئے درج ذیل اسباب کی تعیین کی گئی: میاں بیوی میں سے کوئی زنا کا مرتکب ہو۔تین سال تک اگر دونوں بے تعلق رہیں۔کسی سے ادب کے منافی کوئی جرم صادر ہو جائے۔کوئی مسلسل پانچ سال تک کسی ذہنی بیماری میں مبتلا رہے۔

یونان میں ۱۹۴۶ء میں جو قانون صادر ہوا، اور جو اب تک نافذ العمل ہے، اس میں بھی مختلف آٹھ اسباب کی بنا پر طلاق کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔

جرمنی میں ۱۹۰۰ء میں جو قانون منظور ہوا اس کی رو سے بھی مختلف اسباب کی بنا پر طلاق جائز ہے۔پھر ۱۹۴۶ء میں ایک قانون کے ذریعہ اسباب طلاق کی فہرست کو قدرے مختصر کر دیا گیا ہے۔

سوویت یونین میں ۱۹۴۴ء میں جو قانون منظور ہوا ہے اس کی رو سے طلاق کو عدالت کی منظوری

کے بعد جائز قرار دیا گیا ہے، اوراسی پر اس وقت عمل ہورہا ہے۔ (۱)

اسلام سے پہلے عربوں کے اندر بھی طلاق کا رواج تھا، اس سلسلہ میں وہ لوگ عورتوں پر ظلم وزیادتی کرتے تھے۔ اگر شوہر بیوی کو سوبار بھی طلاق دے چکا ہوتو اسے عدت میں رجعت کا حق حاصل ہوتا تھا۔ بعض قبائل میں عورتوں کو بھی طلاق کا حق حاصل تھا۔ امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ عرب والے ظہار، ایلاء اور طلاق تینوں طرح سے بیویوں سے جدائی حاصل کرتے تھے، قرآن کریم نے طلاق کو باقی رکھا اور ظہار وایلاء میں تبدیلی کردی۔

اسلام کے نظام طلاق کی مصلحت اور گذشتہ ادیان وتہذیب کے عائلی احکام وقوانین سے ناواقف کچھ لوگوں نے ایک عرصہ تک طلاق کے بارے میں اسلامی شریعت پر طرح طرح کے اعتراضات کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن حالات نے جب انہیں مجبور کیا تو پھر خود بھی اس نظام کے قائل ہوگئے مگر ایسی تفصیلات کے ساتھ جن سے میاں بیوی اور معاشرہ دونوں پر انتہائی برے اثرات رونما ہوئے۔

میاں بیوی کے مابین رونما ہونے والے اختلافات کو دور کرنے کے لئے اسلام نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کی مختصر توضیح یہ ہے:

(۱) سب سے پہلے اسلام نے میاں بیوی کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ باہمی حقوق اور اولاد کی تربیت کے معاملہ کو دونوں کو سمجھنا چاہئے، اور یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ان تمام باتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا۔ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"والرجل راع فی اهله وهو مسئول عن راعية والمرأة راعية فی بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها"

''مرد عورت کا نگہبان اور اس سے متعلق جوابدہ ہے، اور اسی طرح عورت شوہر کے گھر کی نگہبان اور اس سے متعلق جوابدہ ہے''۔ (۲)

(۱) دیکھئے: حركة تحرير المرأة فی ميزان الإ سلام (ص: ۳۴۳-۳۴۴)

(۲) فتح الباری: (۲/۲۸۰)

(۲) زوجین کے مابین اگر اختلاف رونما ہوتو ایسے وقت میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دونوں صبر وضبط سے کام لیں اور ناپسندیدہ امر کو برداشت کریں۔اخلاق وطبائع میں اختلاف کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اچھے برے دونوں طرح کے برتاؤ سے دوچار ہوتا ہے، کبھی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ امر ہی باعثِ خیر وبرکت ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً﴾(النساء:۱۹)

’’عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ممکن ہے کوئی چیز تم ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی کا سامان کردے‘‘۔

(۳) اگر دونوں کے مابین اختلاف زیادہ ہوجائے اور صبر وضبط ممکن نہ ہو بلکہ مزید نفرت ومخالفت کا اندیشہ ہوجائے تو ایسی صورت میں اسلام کا یہ حکم ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک ایک شخص کو حکم مقرر کرکے ان کے سامنے اپنا مسئلہ رکھیں، دونوں حکم اسے سلجھانے کی کوشش کریں گے اور میاں بیوی کو سمجھائیں گے، قرآن کریم کا فرمان ہے کہ اگر زوجین اصلاح چاہیں گے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ان کے مابین الفت پیدا کردے گا۔

(۴) حکم کی کوششوں کے باوجود اگر زوجین صلح وصفائی کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہوسکیں تو پھر ایسے وقت میں اسلام کی طرف سے مرد کو یہ اجازت ہے کہ وہ عورت کو ایک طلاق دے، اس طلاق کے بعد عورت عدت کے تین مہینوں میں شوہر کے ساتھ اسی کے گھر میں رہے گی، لیکن دونوں میں میاں بیوی کے تعلقات قائم نہ ہوں گے۔

یہ طلاق رجعی کہلاتی ہے، یعنی شوہر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ عدت کے اندر تجدید نکاح کے بغیر رجوع کرلے، اور دونوں کے مابین ازدواجی تعلقات قائم ہوجائیں۔

(۵) لیکن اگر پہلی طلاق کے بعد عدت گذر گئی اور شوہر نے رجوع نہیں کیا تو یہ طلاق بائن ہوجائے گی، یعنی مہر اور نکاح کے بغیر شوہر اس عورت کے ساتھ نہیں رہ سکتا، اور اگر عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ اپنا نکاح کرنا چاہے تو مرد اسے مجبور نہیں کرسکتا۔

(۶) پہلی طلاق کے بعد اگر رجعت کر کے میاں بیوی پھر ایک ساتھ زندگی بسر کرنے لگیں، اور اتفاقاً پھر ان کے مابین اختلاف پیدا ہوجائے تو ایسی صورت میں اولاً ہر ایک کو صبر وضبط کی تلقین کی جائے، اگر اس سے اصلاح نہ ہو تو دونوں کی طرف سے حکم مقرر ہوں گے جو اصلاح حال کی کوشش کریں گے، ان کی کوششیں اگر ناکام ہوجائیں تو مرد کو یہ اختیار ہوگا کہ عورت کو دوسری طلاق دیدے۔ مرد کو اس دوسری طلاق کے بعد بھی پہلی طلاق کی طرح رجعت کا حق حاصل ہوگا، رجعت کے بعد اگر پھر زندگی حسب معمول بسر کرنے کا امکان نہ ہو تو مرد کو تیسری طلاق کا حق حاصل ہوگا جس کے بعد عورت اس کے لئے قطعی طور پر حرام ہوجائے گی، یعنی کسی دوسرے مرد کے اس سے شادی کرنے اور پھر طلاق دینے کے بعد ہی پہلا شخص اس سے شادی کرسکتا ہے، بشرطیکہ عورت کی دوسری شادی کے سلسلہ میں کسی چال اور حیلہ تراشی سے کام نہ لیا گیا ہو، جیسا کہ ''حلالہ'' کے نام سے آج کل وقتی وعارضی نکاح کی رسم بد جاری ہے۔

طلاق کے معاملہ میں یہ ضابطہ اس لئے متعین کیا گیا ہے کہ رجعی دو طلاقوں کے بعد مرد آخری مرتبہ یہ سوچ لے کہ اب اسے عورت کے سلسلہ میں کیا کرنا ہے، اگر اسے اندازہ ہو کہ گذارا ممکن نہیں تو تیسری طلاق دے، لیکن یہ سوچ کر کہ اس کے بعد عورت کسی اور مرد کے عقد میں جائے بغیر اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے کہ تیسری طلاق کے بعد جب عورت کسی اور مرد کے عقد میں رہ کر اس کے طلاق دینے کے بعد پہلے شوہر کے عقد میں دوبارہ آئے گی تو اس سے میاں بیوی دونوں کو شدید پشیمانی اور تکدر محسوس ہوگا۔ اسلام نے تیسری طلاق کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کی شرط اسی لئے ضروری قرار دی ہے کہ مرد تیسری طلاق دیتے ہوئے اچھی طرح یہ سوچ لے کہ اگر اس عورت کو دوبارہ اپنے عقد میں لانا چاہے گا تو اسے مذکورہ ناخوشگوار صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس ضابطہ کی توضیح سے ہم یہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اسلام نے رشتۂ زوجیت کو مستحکم وبرقرار رکھنے کے لئے کتنی وقت پسندی اور حکمت بالغہ سے کام لیا ہے۔

شوہر کی طرف سے طلاق واقع ہونے کے لئے علماء نے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ عاقل، بالغ اور بااختیار ہو۔ لہٰذا دیوانے، بچے اور مجبور شخص کی طرف سے دی گئی طلاق واقع نہ ہوگی، علماء نے

وضاحت کی ہے کہ طلاق ایک ایسا اقدام ہے کہ جس کے ازدواجی زندگی میں انتہائی دوررس اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اقدام کے وقت شوہر بااہلیت وصلاحیت ہو۔

اسی لئے علماء نے درج ذیل قسم کے شوہروں کی طرف سے صادر ہونے والی طلاق کو تسلیم نہیں کیا ہے:

(۱) مکرہ ومجبور آدمی جو اپنے اختیار کے بجائے کسی کے مجبور کرنے سے طلاق دے رہا ہو۔

(۲) بدمست انسان جو نشہ کے باعث اپنے اقدام کی اہمیت اور اس کے اثرات سے غافل ہو۔

(۳) ایسا غضبناک آدمی جسے اپنے کام کے نتائج کا علم نہ ہو۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ طلاق کا حق صرف مردوں کو کیوں دیا گیا ہے عورتیں اس میں کیوں شریک نہیں کی گئیں؟

جو لوگ اسلامی نظام کی عظمت و برتری پر ایمان نہیں رکھتے ان کا خیال یہ ہے کہ اسلام نے اس طرح عورتوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ لیکن اگر طلاق کے جملہ احکام، شرائط اور قیود پر غور کرلیا جائے تو اس طرح کا سوال نہیں پیدا ہوگا، بلکہ اس کے برخلاف عورتوں کے ساتھ اسلام کے حکیمانہ ومنصفانہ موقف کا یقین ہوجائے گا۔ صرف مرد کو طلاق کا حق دینے کی وجہ یہ ہے کہ تمام تر مالی ذمہ داریوں کا بوجھ اس پر ہوتا ہے، اس لئے رشتۂ زوجیت کو باقی رکھنے کا اسے زیادہ خیال رہے گا، کیونکہ طلاق کے بعد دوسرے عقد کی صورت میں اسے از سر نو مہر اور شادی کے اخراجات ادا کرنے ہوں گے۔ اسی طرح پہلے عقد کے سلسلہ میں مہر اور شادی کے دوسرے امور سے متعلق اخراجات کا بوجھ بھی مرد پر پڑے گا، اور اسے عدت کے دوران بیوی کے اخراجات بھی ادا کرنے ہوں گے۔ ان مختلف مالی ذمہ داریوں کو سوچتے ہوئے یقیناً مرد طلاق میں تامل کرے گا، اور عورت کی جانب سے پیش آنے والی ناپسندیدہ حرکتوں پر صبر کرے گا۔ اس کے برخلاف چونکہ عورت پر اس طرح کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ دوسرے عقد میں اس کا مالی فائدہ ہے، اس لئے اندیشہ ہے کہ وہ معمولی معمولی باتوں پر اس طرح کا اقدام کرنے کے لئے تیار ہوجائے گی، نیز مرد کے مقابلہ میں عورت جذبات سے مغلوب ہوجاتی ہے، اس لئے اتنے اہم معاملہ میں سوچنے اور صبر وضبط سے کام لینے کی اس سے بہت کم توقع ہے۔

اہل مغرب نے عورتوں کو طلاق کا اختیار دے کر یہ اندازہ کرلیا کہ اس کے نتائج کتنے بھیانک ہوتے ہیں، چنانچہ مختلف اعداد وشمار سے یہ بات ثابت ہے کہ مغرب میں طلاق کی تعداد مشرقی ممالک کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہے۔

اس وقت بعض حلقوں کی طرف سے یہ آواز بھی سننے میں آتی ہے کہ طلاق کے لئے قاضی کی اجازت کو بھی ضروری قرار دینا چاہئے۔

یہ مطالبہ باعث فساد ہونے کے ساتھ ساتھ نقصان دہ بھی ہے، اس کی توضیح کے لئے درج ذیل پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے:

قرآن وحدیث میں مختلف مقامات پر یہ تاکید کی گئی ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ ضروری ہے، اور میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی صورت میں ہر ایک کو صبر وضبط اور عفو ودرگذر سے کام لینا چاہئے، اگر کسی وجہ سے زوجین کے مابین اختلاف بڑھ جائے تو دونوں جانب سے حکم بیٹھا کر مسئلہ کو سلجھانا چاہئے، اگر اس سے بھی میاں بیوی میں اتفاق نہ ہوسکے اور دونوں ایک ساتھ رہنے پر تیار نہ ہوں تو پھر ایسی صورت میں طلاق آخری حل ہے۔

اس حکیمانہ طریقہ پر عمل کے بعد ظاہر ہے کہ مسئلہ کو سلجھانے کے لئے کوئی اور راستہ باقی نہیں رہ جاتا، اب طلاق کے لئے قاضی کی اجازت یا طلاق دینے پر کسی طرح کے جرمانہ کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم نے طلاق دینے کا فعل شوہر کی طرف منسوب کیا ہے، اس پر قرآن وحدیث کی آیات اور علماء کا اجماع شاہد، لیکن کسی جگہ بھی طلاق کے فعل کو قاضی یا کسی اور شخص کی اجازت یا مرضی سے مقید نہیں کیا گیا ہے، اس لئے طلاق پر کسی طرح کے جرمانہ یا پابندی کا اقدام شریعت کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

مرد کو طلاق کی صورت میں مختلف قسم کے مالی حقوق ادا کرنے ہوتے ہیں جو اپنی جگہ خود مرد کو طلاق سے روکنے یا اس پر غور کرنے کے لئے کافی ہیں، قاضی سے اجازت یا کسی دوسری قید سے اصلاح کی توقع بے معنی ہے۔

تجربوں سے ثابت ہوتا ہے کہ زوجین کے مابین تعلقات کی خرابی اور ازدواجی زندگی میں ناکامی

کے بعد پھر کوئی ذریعہ دونوں کے ملانے کا باقی نہیں رہتا۔ عیسائیوں کے یہاں جب طلاق کی اجازت دی گئی تو ان لوگوں نے اس کے ساتھ قاضی کی اجازت کو بھی ضروری قرار دیا، لیکن اس کے باوجود صرف امریکہ میں ہر سو شادیوں میں ۴۸ کا انجام طلاق ہوتا ہے، جرمنی میں یہ تعداد ۳۵ فیصد ہے۔

اس کے بالمقابل اسلامی ممالک میں جہاں طلاق قاضی کی اجازت سے مشروط نہیں ہے، طلاق کی نسبت زیادہ سے زیادہ ۱۱ فیصد ہے۔ اس سے یہ دعویٰ غلط ہو جاتا ہے کہ طلاق کو قاضی کی اجازت کے ساتھ مقید کرنے سے لوگ طلاق دینے سے باز آجائیں گے اور اس سے عورتوں کا تحفظ ہوگا۔ عورتوں کے تحفظ کے لئے معاشرہ میں پھیلی ہوئی عریانی و بے حیائی کو روکنا چاہئے، لوگوں کو اخلاق وآداب کی پابندی پر آمادہ کرنا چاہئے، اور ایسے لوگوں کی تادیب وتعزیر کرنا چاہئے جو دوسروں کی عزت وآبرو سے کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں، ان وسائل کے بغیر اصلاح کا کوئی قدم کامیاب نہ ہوگا۔

اب ایک نظر ان اصلاحات پر ڈالئے جن کے ذریعہ اسلام نے طلاق کے سلسلہ میں عورتوں پر ہونے والے مظالم کو ختم کیا:

(۱) اسلام نے رجعی طلاق کو دو تک محدود کر دیا ہے، اس کے بعد اگر مرد تیسری طلاق دیدے تو اسے رجعت کا حق حاصل نہ رہے گا۔ اس کے مقابلہ میں جاہلی دور میں عربوں کا دستور یہ تھا کہ طلاق کی کوئی حد یا تعداد نہیں تھی، اگر کسی عارضی غصہ کی بنیاد پر مرد طلاق دیتا تھا تو پھر غصہ رفع ہونے کے بعد رجعت کر لیتا تھا اور حالات اعتدال پر آجاتے تھے، لیکن اگر عورت کو تکلیف پہنچانے کے لئے طلاق دیتا تو عدت گذرنے سے پہلے رجعت کر لیتا، پھر طلاق دیتا اور رجعت کر لیتا۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا اور عورت مرد کے ہاتھ میں کھلونا بنی رہتی۔ اسلام نے اس لئے یہ حکم دیا کہ:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاکٌ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌ بِإِحۡسَانٍ﴾ (البقرہ: ۲۲۹)

’’رجعی طلاقیں دو تک ہیں، پھر یا تو بدستور روک ہے یا بھلائی سے رخصت‘‘۔

یعنی دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد یا تو عورت کو رکھ لے، یا پھر اسے رخصت کر دے، اس کے بعد اگر کوئی اور طلاق دی تو پھر رجعت کا حق باقی نہیں رہے گا۔

(۲) مرد نے عورت کو شادی کے موقع پر مہر وغیرہ کی جو رقم دی ہے اسے لینا جائز نہیں:

"ولایحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئاً الا ان یخافا الایقیما حدود اللہ، فان خفتم الایقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ"

"اور اپنے دیئے ہوئے سے کچھ نہ لو، ہاں جب دونوں یہ جانیں کہ ہم سے اللہ کے احکام ادا نہ ہوں گے، پھر اگر تم یہ جانو کہ وہ احکام خداوندی ادا نہیں کریں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت کچھ دے کر رخصت لے لے"۔

مطلقہ عورت کو تکلیف دینے کے لئے عدت کے بعد روک رکھنا جرم ہے:

"ولاتمسکوھن ضرارا لتعتدوا"

"اور دکھ دینے کے لئے ان کو مت روکو کہ ظلم کرنے لگو"۔

عدت گذرنے کے بعد دوسری شادی سے مطلقہ عورت کو روکنا بھی حرام ہے:

"فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف"

"تو تم ان کو خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ آپس میں دستور کے موافق راضی ہو جائیں"۔

پانچویں بحث

تعدد ازواج

اس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب :

تعدد ازواج کا حکم

دوسرا مطلب :

تعدد ازواج سے مرتب ہونے والے اثرات

تیسرا مطلب :

تعدد ازواج تاریخی حقائق کے آئینے میں

چوتھا مطلب :

تعدد ازواج سے متعلق شبہات

پہلا مطلب

تعدد ازواج کا حکم

تعدد ازدواج کی مشروعیت پر علماء کا اتفاق ہے نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ چار بیویوں سے زیادہ جائز نہیں ہے اور عورت کیلئے صرف ایک ہی شوہر جائز ہے۔

دلائل: (۱) قرآن سے: ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾(النساء:۳)

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کرسکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے''۔

وجہ استدلال: آیت کریمہ میں شوہروں کو مخاطب کیا گیا ہے نہ کہ بیویوں کو لہٰذا مردوں کو تعدد یعنی ایک سے لیکر چار تک کی اجازت ہوگی نہ کہ عورتوں کو۔

حدیث سے: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ الثقفی جس وقت ایمان لائے، ان کی دس بیویاں تھیں زمانہ جاہلیت کی، اور وہ سب بھی غیلان کے ساتھ ایمان لائیں۔ تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ انمیں سے چار کو چن لو اور باقی کو چھوڑ دو۔[1]

وجہ استدلال: اگر چار سے زیادہ بیک وقت رکھنا جائز ہوتا تو یقیناً رسول اللہ ﷺ غیلان کو ان دسوں بیویوں کو باقی رہنے کا حکم فرماتے، جبکہ وہ سب عورتیں بھی ایمان لائی تھیں۔ لہٰذا جب رسول اللہ ﷺ نے چار کو روکنے اور باقی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا تو آپ کا یہ حکم اس بات کی دلیل

---

(۱) سنن ترمذی (۳/۴۳۵، ح:۱۱۲۸)، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح سنن الترمذی (۱/۵۷۴، ح:۱۱۲۸)

ہے کہ کسی بھی حال میں چار سے زیادہ بیک وقت رکھنا جائز نہیں ہے اور جب دوام میں یہ صورتِ حال ہے تو استئناف میں تو بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ [۱]

(۲) قیس بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت اسلام لے آیا جب میرے عقد زوجیت میں آٹھ عورتیں تھیں۔ میں نے اس کا تذکرہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سے چار کو منتخب کرلو۔ [۲]

(۳) نوفل بن معاویہ الدیلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جب اسلام لے آیا، اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ میں نے اس سلسلے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک کو جدا کردو اور چار کو اپنے نکاح میں باقی رکھو۔ چنانچہ میں نے اپنی اولین بیوی جو بانجھ تھی اور ساٹھ سال کی تھی، کو خود سے جدا کردیا۔ [۳]

وجہ استدلال: سابقہ احادیث شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بموجبِ فرمانِ نبوی، چار سے زیادہ بیویاں بیک وقت رکھنا ناجائز ہے۔

خلاصہ: معلوم ہوا کہ اسلام میں چار سے زیادہ بیویاں بیک وقت رکھنا جائز نہیں ہے اور یہ قرآن، قولی وعملی سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور اب اس میں کسی بھی طرح کی گھس پیٹھ اور مداخلت ناقابلِ قبول ہے۔ نہ تعداد میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے اور نہ اسے مقید کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: (۴۵۰/۱)

(۲) سنن ابی داود (۲۷۲/۲، ح:۲۲۴۲)، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح سنن ابی داود (۲۰/۲، ح:۲۲۴۱)

(۳) دیکھئے: مسند شافعی (ص:۲۷۴، ح:۱۲۰۶)

دوسرا مطلب

تعدد ازواج سے مرتب ہونے والے اثرات

اسلامی شریعت میں مرد کو یہ اجازت ہے کہ وہ بیک وقت چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھے، تعدد ازواج کا یہ دستور ظہور اسلام سے قبل تقریباً تمام قوموں میں رائج تھا، لیکن ان کے یہاں اس کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔

اسلام نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ اصلاح کی کہ تعدد میں چار عورتوں کی قید لگائی، اور یہ حکم دیا کہ چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت کوئی اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ اس کے بعد اسلام نے تعدد کی صورت میں عدل ومساوات برتنے کی شدید تاکید کی، تعدد ازواج کو معترضین عورتوں کی مظلومیت شمار کرتے ہیں، حالانکہ یہ مظلومیت نہیں بلکہ عین تقاضائے بشر اور مرد وعورت کے مابین عادلانہ برابری ہے۔ نیز سوسائٹی پر اس سے بہت دوررس اور گہرے مثبت اثرات پڑتے ہیں، اگر غور کیا جائے تو تعدد کا اسلامی نظام اخلاقی بلندی اور معاشرہ کی پاکیزگی کا بہترین وسیلہ ہے۔

سوسائٹی پر پڑنے والے مصالح

۱-تعداد نسواں کی زیادتی کا علاج:

عالمی اعداد وشمار کے مطابق شادی کے لائق عورتوں کی تعداد لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اس کے کئی اہم اسباب ہیں۔ جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ لڑکیاں لڑکوں کے مقابلے میں جلد بالغ ہوجاتی ہیں۔ اور مختلف حادثات کے نتیجہ میں ہلاک ہونے والوں میں مردوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اور علم تشریح الأبدان نے خلاصہ کیا ہے کہ عورتوں میں بیماریوں کا مقابلہ کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے مردوں کے مقابلے میں۔ مزید یہ کہ مرنے والوں میں زیادہ تعداد مردوں کی ہوتی ہے نیز

ماضی کی عالمی اور بڑی بڑی جنگوں کے نتیجے میں مردوں کی تعداد میں کمی کر دی ہے۔

اس کی طرف اللہ کے نبی ﷺ کا یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ: آخری زمانے میں عورتوں کی تعداد زیادہ اور مردوں کی تعداد کم ہو جائے گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگراں ایک مرد ہوگا۔

شادی کے لائق مردوں کی کم تعداد کے سامنے ان زائد عورتوں کے سامنے تین راستے ہیں:

الف: بغیر شادی کے ہی اپنی تمام عمر گذار دیں۔ اور یہ انتہائی سخت سزا ہے جس کی کڑواہٹ سے صرف وہی واقف ہیں جو اس میں مبتلا ہیں۔

ب: مفسد لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن جائیں ان کے نتیجے میں ناجائز اولاد پیدا ہوگی اور مادی ومعنوی حقوق سے محروم بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ جس سے سوسائٹی میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوگا نیز اس سے ایڈز جیسی خطرناک وبا عام ہوگی۔

ج: ان کو کسی ایسے مرد سے شادی کی اجازت دیدی جائے جو نان نفقہ وغیرہ پر قادر ہوں اور یہی سب سے صحیح حل ہے۔

اور اسی کو پسند کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (المائدہ: ۵۰)

''یقین رکھنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے''۔

۲- سوسائٹی کی حفاظت اور سلامتی:

اسلام میں تعدد ازواج بہت ساری مشکلوں کا مثالی حل پیش کرتا ہے۔ نئی مغربی سوسائٹی کو جن کا سامنا ہے، اور یہ مشکلات شرعی تعدد ازواج کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہے جس کے کچھ اصول اور ضابطے ہیں۔ ناجائز اولاد کی کثرت ان مشکلات میں سے ایک ہے، یورپ اور امریکہ سے شائع ہونے والے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ جائز اولاد کے مقابلہ میں ناجائز اولاد کی کثرت ہے۔ اور یہ ناجائز اولاد مرد کا ایک عورت پر اکتفا کرنے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ بہت ساری عورتیں جنسی تسکین کا

کوئی دوسرا جائز طریقہ نہیں پاتی ہیں۔

جس طرح تعدد ازواج بہت سارے مہلک جنسی امراض کے پھیلنے کو روکتا ہے اسی طرح اسلام بھی سوسائٹی کو مختلف جسمانی اور اجتماعی امراض سے روک دیتا ہے۔

۳-سوسائٹی کی ترقی انسانی ترقی کے ذریعہ:

بشری عنصر ہی ہر زمانہ و ہر جگہ اور ہر قوم میں وہ اصل بنیادی طاقت ہے جو ترقی اور پیش قدمی پر ابھارتی ہے اور سوسائٹی اور قوموں کی بیداری کی اصل بنیاد ہے۔ اسی لئے وہ قوم جو بشری ثروت کی مالک ہو اسے بے نیاز قوم کہا جاتا ہے۔

خلاصہ: اللہ تعالیٰ نے انصاف پسند قادر شخص کیلئے تعدد ازواج کو مشروع کیا ہے چند مصالح کیلئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ، اس طرح اولاد کی کثرت ہوگی جو امت کی کثرت تعداد کا سبب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اس طرح بہت ساری عورتوں کی کفالت ہو جائے گی کیونکہ ہر قوم میں ان کی تعداد زیادہ ہے، اور لڑکیوں کی پیدائش لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے، تیسرا یہ کہ مرد جنگ وغیرہ جیسی بہت ساری جگہوں میں ہلاک ہوتے ہیں جو عورتوں کو پیش نہیں آتا۔ چوتھا یہ کہ عورتوں کی عمریں مردوں کے مقابل لمبی ہوتی ہیں پانچواں یہ کہ شریعت نے زنا کو بہت سختی کے ساتھ حرام کیا ہے کیونکہ اس سے اخلاقی بگاڑ، خاندانی انتشار اور نسب خراب ہوتا ہے۔

لہٰذا مناسب یہ ہے کہ لوگوں پر تعدد ازواج کے سلسلے میں توسیع اور آسانی کی جائے، اور چھٹا مقصد یہ ہے کہ اس سے طلاق کو کم کرنے کا ارادہ کیا جائے سوائے ضرورت کے وقت۔

۵-شوہر کے کثرتِ سفر کی رعایت

بعض شوہروں کے کام ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں کثرت سے سفر کرنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی تو کئی کئی مہینے سفر ہی میں گذارنے پڑتے ہیں، اور بسا اوقات تو یہ سفر سالوں پر محیط ہوتا ہے۔ اور نہ یہ ہی ممکن ہے کہ اپنی بیوی و اولاد کے ساتھ ہمیشہ سفر کرے، اور تنہا حالت سفر میں رہنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اور نہ فتنوں کا مقابلہ ہی کر سکتا ہے، خاص طور سے ہمارے اس زمانے میں اور بلا شبہ عقل، منطق اور شریعت

نے شوہر کو پہلے ہی دوسری شادی کی اجازت دیدی ہے۔تا کہ وہ اپنی پاکدامنی اورعفت کو باقی رکھ سکے۔

٦- خاندان کی حفاظت کیلئے طلاق سے دور رہنا

زوجین کے مابین اختلاف ہونے اور صلح نہ ہونے کی صورت میں مرد کیلئے بہتر یہ ہے کہ دوسری عورت سے شادی کرلے اور پہلی بیوی کو بھی اپنے گھر میں باقی رکھے اور اپنے زیر سایہ اپنی اولاد کی حفاظت کرے تا کہ وہ برباد ہونے اور بگڑنے سے بچ سکیں۔[1]

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: حقوق المرأة فی الإسلام، از ڈاکٹر جمیله الرفاعی اور ڈاکٹر محمد رامز العزیزی (ص:۳۵۳ اورمابعد)

تیسرا مطلب

تعدد ازواج: تاریخی حقائق کے آئینے میں

صرف اسلام ایسا تشریعی نظام نہیں ہے جس نے تعدد ازواج کی دعوت دی بلکہ اسلام جس وقت آیا اس وقت بھی اور اس سے سابقہ تہذیبوں میں تعدد ازواج موجود تھا۔ اسی طرح سابقہ آسمانی ادیان میں بھی یہ چیز موجود تھی۔ البتہ سابقہ تہذیبوں اور ادیان کے مقابلہ میں اسلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسلام نے اسے تشریعی (قانونی) دائرہ میں رکھا۔ چنانچہ اس کیلئے کچھ حدود و قیود مقرر کئے اور تعدد کا ارادہ کرنے والے کو کچھ مسئولیات کا ضامن بنایا۔

اور اس طرح اس قانون پر ایک باضابطہ نظم اور تہذیب کے ساتھ عمل کیا گیا اور تعدد کی خصوصیت پر ہم ثابت شدہ تاریخی حقائق کی طرف اشارہ کریں گے۔

پہلی حقیقت

سابقہ قوموں میں تعدد کا نظام مشہور تھا (عام تھا) تعدد کا رواج اسلام سے قبل ہر جگہ اور ہر ماحول میں معروف تھا، صرف اسلام ہی پہلا دین نہیں ہے جس نے اس نظام کو ثابت کیا ہے بلکہ یہ بات سابقہ تمام قوموں میں مشہور تھا۔

چنانچہ یہ تعدد ازواج کا قانون یونانیوں، رومانیوں، بابلی، اہل ہند اور قدیم مصریوں میں اسی طرح مشہور و معروف تھا جس طرح کہ یوروپین ممالک میں عہد وسطیٰ میں مشہور تھا، البتہ ان کے یہاں اس کی کوئی تحدید اور شرط نہیں تھی، بلکہ جو جتنا چاہتا کرتا، اور ان کے یہاں یہ تعدد صرف خواہشات پوری کرنے کا ذریعہ تھا۔[1]

ایسا نہیں ہے کہ تعدد ازواج کا یہ قانون صرف ان قوموں کے اندر رہے جو مسلمان ہیں بلکہ دوسری اقوام میں بھی یہ پایا جاتا ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تعدد ازواج مختلف قوموں اور ملکوں

---

(۱) مکانة المرأة فی الإسلام: (ص:۲۰)

میں آج بھی پایا جاتا ہے مثلاً افریقی، ہندو، چینی اور جاپانی۔[1]

یہودی مذہب تعدد ازواج کو بغیر کسی حد کے جائز قرار دیتا ہے چنانچہ ان کے انبیاء کی بہت ساری بیویاں تھیں جیسے سلیمان علیہ السلام جن کی سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں، جیسا کہ عہد قدیم میں مذکور ہے۔[2]

اور جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے تو عیسائی مذہب میں کوئی ایسی صریح دلیل موجود نہیں ہے جو تعدد کا رد کرتی ہو بلکہ بولس کے بعض خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ تعدد ازواج جائز ہے، چنانچہ (وستر مارک) کہتا ہے کہ تعدد ازواج کنیسہ کے اعتراف کے مطابق سترہ ویں صدی تک باقی تھا۔[3]

معاصر نصرانیت نے اعتراف کیا ہے کہ افریقہ میں تعدد ازواج بت پرست افریقیوں میں موجود تھا اور انہیں محسوس ہوا کہ اگر انہیں اس سے روکا گیا تو نصرانیت کی تبلیغ اور انہیں اپنے مذہب میں لانے میں یہ بات آڑے آئے گی۔ چنانچہ نصرانیوں نے ان افریقی لفران قوموں کو بغیر کسی حد کے تعدد کی اجازت دی۔[4]

دوسری حقیقت

اصل عیسائی مذہب کا تعدد ازواج کی حرمت سے کوئی تعلق نہیں

ماقبل میں ذکر ہوا کہ نصرانیت میں تعدد ازواج خصوصیت کے ساتھ موجود تھا۔ اب مزید کچھ تاریخی ثبوت موجود ہیں کہ پہلے کے بعض عیسائیوں اور اہل کنیسہ کے بہت ساری بیویاں تھیں جیسا کہ (وستر مارک) کے حوالے میں ذکر کیا گیا۔

نیز جرجی زیدان نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ’’عیسائی مذہب میں کوئی ایسی

---

(۱) حقوق الإنسان : (ص:۱۲۳)

(۲) سفر الملوك الأول/الإصحاح الحادى عشر (۱)

(۳) حقائق الإسلام وأباطيل خصومه، للعقاد: (ص:۱۷۸)

(۴) حقائق الإسلام......(ص:۶۲-۶۳)

صریح دلیل موجود نہیں ہے جو تعدد ازواج دو یا دو سے زیادہ سے روکتی ہو، اگر لوگ چاہیں تو تعدد ازواج ان کے یہاں بھی جائز ہے، لیکن قدیم عیسائی رؤساء ایک ہی بیوی پر اکتفا کرتے تھے تا کہ اس سے عائلی نظام محفوظ اور متحد رہے، اور یہ بات رومانی حکومت میں عام تھی، چنانچہ (آیات زواج) کی تاویل ایک سے زیادہ سے شادی سے ان کو عاجز نہیں کرتی تھی کہ یہ ان کے یہاں حرام ہے جیسا کہ ان میں مشہور ہے۔[(۱)]

مذکورہ باتوں اور حوالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قدیم یوروپی نصرانیوں میں ایک بیوی کا نظام رائج تھا، کیونکہ وہ بڑی بڑی یورپی بت پرست قومیں جن میں عیسائی مذہب پھیلا، عیسائیت کی تقلید میں تعدد ازواج ممنوع تھا۔ اور انہوں نے نصرانیت قبول کرنے کے بعد جس پر اپنے آبا و اجداد کو پایا اسی پر عمل کیا، چنانچہ نئے کنیسائی نظام نے بعد میں تعدد ازواج کی تحریم کو باقی رکھا۔ اور اس حرمت کو دین کا مفہوم (دینی) سمجھ لیا گیا، چنانچہ سابقہ لوگوں کی انہوں نے تقلید کی، اور تشریح کے مقابلہ میں تقلید غالب آ گئی۔[(۲)]

اور معاصر نصرانیت جب دوسروں کی تقلید سے متصادم ہوئی تحریم تعدد کے سلسلہ میں تو نصرانیت بدل گئی۔ چنانچہ ان لوگوں نے افریقیوں کو بلا قید و بند تعدد میں مبتلا پایا تو افریقہ میں تعدد کے اعتراف پر مجبور ہو گئے (جیسا کہ ماقبل میں ہم نے ذکر کیا) جبکہ انہوں نے دیکھا کہ افریقی اقوام نصرانیت قبول کرنے کے باوجود تعدد سے باز نہیں آ رہی ہیں۔ تو ان لوگوں نے افریقی اقوام کو بلا حد تعدد کی اجازت دی۔ اس طرح یہ عیسائی لوگ تعدد کو ایک سال حرام کرتے ہیں ان قوموں کی تقلید میں جنہوں نے انہیں نصرانی بنایا اور قدیم بت پرست یوروپی اقوام میں پایا کہ وہ تعدد کو حرام کہتے ہیں تو انہوں نے بھی اسے حرام قرار دیا۔

اور معاصر افریقی تعدد کو رواج پذیر پایا تو ان کے لئے جائز قرار دیا۔ اس طرح وہ جس کیلئے چاہتے ہیں تعدد کو حرام قرار دیتے ہیں اور جس کیلئے چاہتے ہیں حلال قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

---

(۱) حقائق الإسلام واباطيل خصومه، للعقاد، (ص:۱۷۸)

(۲) تصحيح بعض المفاهيم...... (ص:۳۷)

باطل کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اس طرح ہر ذی عقل پر یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب میں تعدد ازواج کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں کوئی علاقہ اور تعلق نہیں ہے۔ بلکہ تعدد ازواج ان کی اصل بنیاد یعنی تورات کی تعلیمات کے لحاظ سے جائز ہے۔[۱]

تیسری حقیقت

نظام تعدد اور متاخر تہذیبوں کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے علماء عمرانیات اور تہذیبوں کے مورخین جن کے سرخیل (وستر مارک، ہوبھوس، ہیلیر اور جنز برزح) ہے کا اتفاق ہے کہ تعدد کا نظام واضح صورت میں ظاہر نہیں ہوا مگر متقدم مہذب اقوام میں۔ اس اعتراف کے ساتھ کہ یک زوجگی کا نظام تمام متاخر اور موجودہ قوموں میں رائج تھا، اور یہ قومیں وہ ہیں جن کا دارو مدار شکار یا پھلوں یا ابتدائی کھیتی باڑی کا ہے۔[۲]

علماء عمرانیات اور تہذیبوں کے اکثر مورخین کا کہنا ہے کہ: ''تعدد ازواج کا نظام عنقریب اور وسیع ہوگا، اور تہذیب وثقافت اور مدنیت کی ترقی کے ساتھ اس نظام کو اپنانے والوں کی تعداد میں زیادتی ہوگی''۔

یہ پیشین گوئی درست ہو یا نہ ہو، کیونکہ جس بات کو ثابت کرنے کا ہم نے قصد کیا ہے وہ یہ ہے کہ تاریخی واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اکثر ترقی یافتہ قوموں میں تعدد ازواج کا یہ نظام پھیلا ہے، اور ابتدائی قوموں کے اندر ایک زوجگی کا نظام رائج ہے۔

غور کیجئے کہ ان مفکرین نے تعدد ازواج کو کس طرح ابتدائی سماج سے جوڑا ہے اور تعدد ازواج کے نظام کو تہذیب کے مظاہر میں سے ثابت کیا ہے۔[۳]

چوتھی حقیقت

اسلام نے تعدد کے نظام کو مطلق پایا تو اس کو سنوارا اور شروط کے ساتھ مقید کیا۔ تعدد کی ابتداء

---

(۱) دحض الشبهات الوارده...... (ص:۲۸۹)

(۲) دیکھئے: حقوق الإنسان (ص:۱۲۳)

(۳) مصدر سابق (ص:۲۹۰–۲۹۱)

اسلام نے نہیں کی بلکہ جس وقت اسلام اس دنیا میں آیا اس وقت دنیا کی اکثر قوموں میں چاہے وہ بت پرست ہوں یا مذہبی، یہ نظام موجود تھا۔ البتہ اس وقت اس کی نہ تو کوئی حد تھی اور نہ کوئی نظام، بلکہ ہر طرح کی قید وبند سے آزاد تھا۔ لہٰذا اسلام نے اس کی تہذیب کی اور کمیت وکیفیت کے لحاظ سے اس کو مقید کیا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُواْ فِي الْيَتَامَى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُواْ﴾(النساء:۳)

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی، یہ زیادہ قریب ہے ایسا کرنے سے ناانصافی اور ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ گے۔''

ابن عاشور رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت نکاح کی مشروعیت کو ثابت نہیں کر رہی ہے کیونکہ یہاں جو حکم ہے وہ یتیموں کے ساتھ ظلم وزیادتی کے ڈر کی حالت سے متعلق ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بطور ارشاد ہے، اور نکاح تقریر کے ساتھ اس اصلی حلت کیلئے مشروع کیا گیا ہے جس پر لوگ پہلے سے تھے یعنی نکاح جو کہ اسلام سے پہلے بھی ایک ثابت شدہ اور اٹل حقیقت تھی اسلام نے اس ماقبل کے رواج اور نظام کو باقی رکھا۔ ہاں البتہ اسلام نے اس کیلئے کچھ اصول وقواعد وضوابط متعین کئے۔ ہاں! ان چیزوں کو باطل اور کالعدم قرار دیا جو دین کی مرضی کے خلاف ہے جیسے چار سے زیادہ اور نکاح مقت، اور رضاعت سے حرام ہونے والے رشتے وغیرہ۔[1]

اسلام جو کہ احکم الحاکمین کی متعین کی ہوئی شریعت ہے جس میں بندوں کی تمام مصالح کی رعایت کی گئی ہے اور انہیں دنیا وآخرت کی سعادت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس اسلام نے تعدد کے

(۱) التحریر والتنویر (۱۶/۴-۱۷)

اس قانون کو بے نظم انتشار شدہ نہیں چھوڑا بلکہ اس کو مہذب کیا اور اس کی اصلاح کی اور اس کے کچھ حدود و قیود متعین کئے تا کہ اس سے نقصان یا برائی کے بجائے نفع اور خیر حاصل ہو۔ چنانچہ اسلام نے اپنی اصل روح یعنی معتدل راستہ سے اس کو منسلک کیا جیسا کہ اسلام کی تمام تعلیمات اور احکام میں یہ روح نمایاں نظر آتی ہے، اور اس کی اصلاح اور نظم حسب ذیل طریقہ سے کی:

اولاً: کمیت کے لحاظ سے اس کو مقید کیا: چنانچہ اسلام نے تعدد ازواج کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ چار کی قید لگائی جس سے تجاوز نہ صحیح ہے اور نہ جائز ہے۔ لوگوں کی رہنمائی کیلئے اسلام نے جو سب سے بڑی قید لگائی وہ یہ ہے کہ اسلام نے لوگوں کو ایک معتدل راستہ دکھایا۔ حالانکہ اسلام سے پہلے یہ مطلق تھی، کوئی حد نہیں تھی اور یہ تعدد ایک کھلواڑ بنی ہوئی تھی، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں انہیں چار کو باقی رکھ کر باقی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

ثانیا: کیفیت کے اعتبار سے مقید کیا: نان، نفقہ، سکن اور آپسی معاشی معاملات میں مکمل عدل کا سختی کے ساتھ حکم دیا اور شوہری حقوق کی ادائیگی میں عدل کا حکم دیا، اور ہر وہ جگہ جہاں عدل ممکن ہو عدل کرنے کا حکم دیا۔ اس میں ہر وہ چیز شامل ہوگی جو انسان کی طاقت اور ارادہ میں ہے۔ بایں طور کہ بیوی کا حکم پامال نہ ہو اور نہ ایک کو دوسری پر ترجیح حاصل ہو۔

اور جہاں تک قلبی لگاؤ اور دلی تعلق کی بات ہے تو یہ انسان کی طاقت اور ارادہ سے باہر ہے۔ اور عدل بین الزوجین میں اسلام نے اس کا مطالبہ بھی نہیں کیا ہے، کیونکہ انسان اس کا مالک ہی نہیں، اسی معنی کی طرف اللہ عزوجل کا یہ ارشاد رہنمائی کرتا ہے:

﴿وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ (النساء: ۱۲۹) (۱)

”تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، گو تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو، اس لئے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو۔“

(۱) الردعلی الشبهات الواردة فی تعدد الزوجات، از ڈاکٹر جمعه علی الخولی : (ص:۳۶)

بہرکیف یہ تاریخی حقائق ثابت کرتے ہیں کہ اسلام کا تعدد زوجات کا نظام نہ کوئی اختراع ہے اور نہ حکمت و مصلحت سے خالی۔ کہاں ہیں وہ اغیار جو اس اسلامی نظامِ عدل پر اعتراض کرتے ہیں اور کہاں ہیں ہمارے وہ خیالی دانشوران جو ہماری ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور ہماری زبان بولتے ہیں مگر انہیں اسلام کا یہ بے مثال نظام عدل کانٹوں کی طرح کھٹکتا ہے؟ وہ دوسرے مذاہب ومسالک پر تعدد ازواج کے سلسلے میں کیوں لب کشائی نہیں کرتے ؟ وہ کیوں ایسا سوچتے ہیں کہ مسلمانوں کی پسماندگی اور زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اسلام چار چار بیویاں رکھنے کی اجازت دے کر زیادہ سے زیادہ بچّے پیدا کرنے پر ابھارتا ہے؟ وہ یہ بات کیسے سوچ لیتے ہیں کہ مسیحیت نے اسے محدود کیا اور ازدواجی وحدت پیدا کی جبکہ مذکورہ بالا حقائق جن کا انکار کوئی نہیں کرسکتا، ان کے اس دعوائے باطل کی قلعی کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ کیا ہی بری بات ہے جو یہ لوگ سوچتے ہیں!

چوتھا مطلب

تعدد ازواج کے بارے میں شبہات

ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے پر جدید حملے

سب سے بڑا معاملہ جس کے ذریعہ اسلامی شریعت کو الٹا پلٹا کہا جاتا ہے، اور جس کے ذریعہ اس پر عورت پر ظلم کرنے کا الزام لگایا جا رہا ہے وہ ہے ایک سے زیادہ بیویوں کے رکھنے کا معاملہ۔ جو شخص اس معاملے کے پیچھے پڑتا ہے اور اس کے ذریعہ اسلامی شریعت پر حملہ کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ مسلم مرد کا زندگی میں یہی مقصد ہے کہ وہ چار عورتوں سے نکاح کرے۔ ان سے اپنی خواہش پوری کرے۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیوی رکھنا ہی اسلام کی بلندیوں پر پہنچنا ہے اور اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو اس کے ایمان اور مذہب میں کمی آجائے گی۔

مغربی ممالک اور یہودیوں نے جو لکھا ہے، وہی ساری چیزیں اسلام کے اس سسٹم پر حملے کے لئے بہت ہیں۔ بلکہ ''غوستاف لوبون'' کہتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا ہی وہ دروازہ ہے جس سے یوروپ کے لوگوں کو مذہب اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملا۔(۱)

اس حملہ نے ادارہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس کی دو شکلیں وجود میں آچکی ہیں: ایک سرکاری دوسری پرائیویٹ۔ بین الاقوامی کانفرنس جو اقوام متحدہ کے تعاون سے ایک سے زیادہ بیویوں کے سسٹم کو ختم کرنے کے لئے منعقد کئے جاتے رہے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ عورت کی مدد کی جائے۔ اس کے لئے خواتین کے کئی آزاد ادارے بنائے گئے ہیں جو اس سسٹم کو ختم کرنے کی مانگ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سسٹم میں خواتین کی تذلیل اور تحقیر ہے۔

ان باتوں سے بہت سارے مسلمان بھی متاثر ہو گئے ہیں، ان کی جھوٹی باتوں کے چنگل میں آگئے ہیں اور ان ہی کی طرح باتیں کرنے لگے ہیں۔

---

(۱) حضارة العرب، (ص:۴۸۲)

انہی لوگوں میں سے جو ان مغربی ممالک کے لوگوں کے بہکاوے میں آ گئے، ''قاسم امین'' ہیں جو کہتے ہیں کہ ''ایک سے زیادہ بیوی رکھنے میں عورت کی بہت زیادہ تذلیل ہے، کیونکہ آپ کو کوئی بھی عورت نہیں ملے گی جو چاہتی ہو کہ اس کے شوہر کے ساتھ کوئی اور عورت رہے، جیسا کہ آپ کبھی نہیں پائیں گے کہ آدمی یہ چاہتا ہو کہ ایک عورت کی محبت کے ساتھ کوئی دوسرا مرد بھی ہو۔ یہ محبت فطری طور پر عورتوں کے اندر پائی جاتی ہے جس طرح یہ مردوں کے یہاں پائی جاتی ہے۔''(1)

کچھ مسلمان ان کی باتوں سے صرف متاثر ہی نہیں ہوئے ہیں بلکہ سیما پار کر چکے ہیں تا کہ کچھ اسلامی ملکوں میں قانون لاگو کریں۔ جس کے ذریعہ انہوں نے اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کر دیا اور ایک سے زیادہ شادی کرنے والوں لئے بہت ہی سخت شرطیں بنائی، جو ان کے گلے میں بیڑی پہنانے کے برابر ہے، ان کے ہاتھ پیر کو سختی سے باندھنے کے برابر تا کہ وہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے سے رک جائیں۔

ایک سے زائد نکاح کرنے کے سسٹم پر حملہ کی سچائی

ایسے وقت میں جب اسلام دشمن اس سسٹم کے بارے میں شکوک پھیلاتے ہیں، ہم پاتے ہیں کہ سروے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر بھی یہ بہت ہی کم پایا جا رہا ہے۔ اسلامی سماج میں زیادہ بیویاں رکھنے والے لوگوں کی تعداد کم ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے میں پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں، زندگی کے دوسرے خرچ بھی بڑھ جاتے ہیں، اس کے سبب خاندان میں لڑائیاں بھی چلتی رہتی ہیں۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ لوگوں کو شریعت کے مقصد کے بارے میں علم نہیں کہ اس سسٹم میں سماج کو فائدہ ہونے والا ہے۔ یہ ساری چیزیں مردوں کو اس سے روکتی ہیں بلکہ اس زمانے میں نہ کے برابر لوگ ہی ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں۔

ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا سسٹم اس طرح نہیں پھیلا ہوا تھا کہ اس سے شادی شدہ عورتوں کو پریشانی ہوتی تھی اور نہ ہی اسلام کے دشمنوں کو اس سے کوئی پریشانی پہنچتی تھی۔ اور آج بھی پانچ فیصد

(۱) المرأة الجديدة، قاسم امين: (ص:۴۵)

لوگ ہی اسلامی ممالک میں کئی بیویاں رکھتے ہیں۔ تو کیوں اسی چھوٹی تعداد نے ان لوگوں کو اسلام پر غلط طریقے سے حملہ کرنے پر ابھارا ہے؟

اس طرح ہمیں مجبور ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کے اس سسٹم اور اس کے علاوہ دوسرے قوانین پر حملہ یہ صرف اسلام اور مسلمان سے نفرت کرنا ہے۔

اسلام میں تعدد ازواج کے سسٹم کے بارے میں شبہات

یہودیوں اور اسلام کے دشمنوں نے ایک سے زیادہ نکاح کے سسٹم کے بارے میں بہت شکوک پیدا کئے ہیں۔ اس کا مقصد صرف مذہب اسلام کو بدنام کرنا اور اس کے اندر کمیاں نکالنا ہے جبکہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس سسٹم کے نہ ہونے کے سبب کتنے ناجائز بچے پیدا ہو رہے ہیں، کتنے خاندان برباد ہو رہے ہیں اور ان کی کتنی عورتوں کی عزت چوری چھپے اور دن دہاڑے لوٹی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں اور وہ لوگ جو ان یہودیوں کی باتوں کو مانتے ہیں، کو چاہئے کہ یہ لوگ اسلام پر الزام تراشی نہ کریں، بلکہ سارے الزامات اس سماج کو دیں جس نے ان کے احلا کو بگاڑ دیا اور وہ ان جانوروں سے بھی بدتر ہو گئے جو ایک دوسرے کے پاس کسی سسٹم کے بغیر آتے جاتے ہیں۔

ہم یہاں پر اگر اسلام کے خلاف ان کے کچھ شبہات کا ذکر کر رہے ہیں لیکن ہم الزام نہیں لگا رہے ہیں، بلکہ جو لوگ نہیں سمجھ پائے ہیں ان کے سامنے سچ کو لانا ہے۔

پہلا شبہہ: ایک سے زائد نکاح کو جائز کرنا مردوں کے لئے اپنے شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے ہے۔

تجزیہ : یہ بات سچائی کے خلاف ہے۔ اسلام کے اندر یہ سسٹم انسانی طرز عمل ہے، صرف خواہشات کی تکمیل نہیں ہے۔ یہاں پر ہم دوبارہ اس سسٹم کے فوائد کا ذکر کرنا نہیں چاہتے۔ دوسرے مطلب میں اس کا بیان آچکا ہے۔ اس لئے اسی باب میں اس کا مطالعہ کریں۔

گواہی دینے والوں نے یہ بھی بات کہی ہے کہ ایک سے زیادہ نکاح کے سسٹم کا اچھے طرز عمل سے بہت ہی مضبوط تعلق ہے۔ ''غوستاف لوبون'' کا کہنا ہے کہ ''مشرقی ممالک کا یہ سسٹم (ایک سے

زائد بیویوں سے نکاح کرنا) بہت ہی اچھا سسٹم ہے۔جن قوموں میں اس کا رواج ہے ان کے طرز عمل کے معیار کو بڑھاتا ہے۔خاندان کو جوڑ کر رکھتا ہے۔عورت کو ایسا وقار عطا کرتا ہے کہ جس کی مثال آپ یوروپ میں نہیں پائیں گے۔[1]

اگر اسلام ایک سے زائد نکاح کی اجازت صرف مردوں کو ان کی شہوانی خواہشات کی تکمیل کے لئے دیتا جیسا کہ ان لوگوں کا کہنا ہے، تو کیوں اس نکاح کا سسٹم (جو کہ جائز ہے) مسلمانوں میں نصرانیوں سے کم پایا جاتا ہے (جو کہ ان کے یہاں حرام ہے)۔سارے سیاح جیسے ''جیرال دی نیرفال'' اور ''لیڈی مورگن'' نے دیکھا کہ ایک سے زائد نکاح کا سسٹم مسلمانوں میں کم اور نصرانیوں میں زیادہ پایا جاتا ہے جو کہ ایک سے زائد بیوی رکھنے کو حرام کہتے ہیں۔[2]

''انی ویسنٹ'' اپنی کتاب ''ہندوستان میں پھیلے ہوئے دھرم'' کے اندر کہتی ہے کہ ''لیکن کیسے ہوسکتا ہے کہ مشرقی لوگ ایک سے زائد نکاح کے سسٹم کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت کریں جبکہ برائی ان کے ممالک میں پھیلی ہوئی ہے؟ جو غور کرے گا تو وہ جان پائے گا کہ ایک ہی بیوی رکھنے کے سسٹم کو بہت ہی کم لوگ اچھا سمجھتے ہیں۔

جب ہم ایک سے زائد بیوی رکھنے کے اسلامی سسٹم جو کہ عورتوں کی حفاظت کرتا ہے، کھلاتا ہے اور پہناتا ہے، انصاف کے ترازو پر تولتے ہیں تو زیادہ (وزنی) بھاری ہوتا ہے مغرب کے سسٹم سے جو انسان کو عورت سے اپنی سیکس کی خواہش پوری کرنے کی اجازت دیتا ہے، پھر اسے اپنی خواہش پوری کرنے کے بعد سڑک پر چھوڑ دیتا ہے۔[3] تو اس کے بعد کیسے وہ لوگ سوچتے ہیں کہ اسلام نے صرف خواہش کی تکمیل کے لئے اس سسٹم کی اجازت دی ہے؟

دوسرا شبہ: ایک سے زائد بیوی رکھنے سے عورت کی تذلیل اور اس کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے کیونکہ اس کے شوہر کے ساتھ اس کے علاوہ کوئی دوسرا بھی ساجھی بن رہا ہے۔

---

(۱) حضارة العرب، (ص:۳۷۹)

(۲) المرأة بين الفقه والقانون، (ص:۱۷۷)

(۳) المرأة بين الفقه والقانون، (ص:۱۸۱)

تجزیہ: ایک سے زائد بیوی رکھنے کی اجازت دینے میں عورت کی تذلیل نہیں بلکہ اس کی حفاظت ہے۔اس طرح کہ اس کے لئے ایک دھوکہ دینے والی بیوی بن کر رہنے سے اچھا ہے کہ وہ ایک اچھی شریف بیوی بن کر رہے، آدمی اس کے حقوق پر توجہ دے، یہ اس سے اچھا ہے کہ وہ ادھرادھر بھٹکتی پھرے۔''لوئی'' کا کہنا ہے کہ''ایک سے زائد بیوی کے سسٹم میں عورت کی تحقیر نہیں اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو مرد کے سامنے کمزور سمجھے، دوسری بات یہ ہے کہ اس کے شوہر کے ساتھ دوتین بیویاں اور رہیں، یہ زیادہ آسان ہوگا کہ اس کے ساتھ صرف اپنی خواہش پوری کرنے والی عورتوں کی تعداد زیادہ ہو۔''(۱)

تیسری طرف، اس سے عورت پر ظلم نہیں کیونکہ اسلام نے اس کے لئے کچھ شرطیں لگائی اور قوانین بنائے ہیں تا کہ ظلم نہ ہوسکے، اوراگراس پر ظلم ہوتا ہے تو وہ اس شخص کی غلطی ہے شریعت کی غلطی نہیں، اوراس کا علاج لوگوں کو سمجھا کر کیا جاسکتا ہے نہ کہ شریعت کو ختم کرکے۔

چوتھی جانب، ایک سے زائد بیوی رکھنے کے سسٹم کو صرف اس ڈر سے منع نہیں کیا جائے گا کہ اس سے غلط معاملے ہوسکتے ہیں۔اگراس طرح کی بات ہوتی ہے تو اسے بیوی کا نصیب سمجھے اوراس سے ظلم وغیرہ کو قاضی سے طلاق مانگ کر دور کیا جاسکتا ہے۔(۲)

پانچویں طرف، کیا دوسری بیوی یہ عورت نہیں ہے؟ تو کیسے دونوں مین سے کسی ایک کی تذلیل ہوگی: کہ وہ شوہر کے بغیر رہے، ادھرادھر بنا گھر کے بھٹکتی پھرتی رہے، یا دونوں ایک ساتھ ازدواجی زندگی میں بھاگیدار رہیں، ہرایک کے اپنے حقوق ہوں اور ہرایک کی اپنی ذمہ داریاں ہوں؟(۳)

تیسرا شبہ: ایک سے زائد بیوی رکھنے کے سسٹم میں دونون جنسوں کے درمیان مساوات نہیں، مرد کو یہ حق دیا گیا، اورعورت کو اس سے محروم رکھا گیا۔

تجزیہ: ادارے برائے خواتین ایک سے زائد بیوی رکھنے کے سسٹم کو ختم کرنے کی آواز

---

(۱) تعدد الزوجات،ازعطیه محمد سالم: (ص:۹۴)

(۲) احکام الا حوال الشخصية،از حسن خالد: (ص:۴۲)

(۳) دحض الشبهات...... (ص:۳۱۷)

لگاتے رہتی ہیں، یہ دلیل دیتے ہوئے کہ اس سسٹم میں دونوں جنسوں کے درمیان برابری نہیں۔اس لئے ہراس چیز کوروکا جانا اچھا ہوگا جس میں عورت کی تذلیل ہواور دونوں جنسوں کے درمیان مساوات نہ ہو۔کبھی کبھی شیطان بہت ساری خواتین کے دلوں میں ایسے شبہات پیدا کرتا رہتا ہے کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں ہورہا ہے۔یہ بہت براشبہ ہے جس کے ذریعہ اللہ کی شریعت کی مخالفت ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت ساری خواتین اپنے دلوں میں یہ سوال کرتی ہوں گی کہ اسلام نے انہیں ایک سے زائد شوہر رکھنے کی اجازت کیوں نہیں دی ہے؟

ایسا ہوا بھی ہے کہ ایک یونیورسٹی کی طالبہ نے ڈاکٹر''مصطفیٰ السباعی'' سے ایک سے زائد بیوی رکھنے کے بارے میں سوال کیا، اس نے کہا،''جو وجوہات آپ نے بتائے ہیں وہ مردکوکئی بیویاں رکھنے کی اجازت دیتے ہیں تو ان ہی وجوہات کے پائے جانے پرعورت کو کیوں نہیں ایک سے زائد شوہر رکھنے کی اجازت دی جاتی ہے؟ تو اس کا جواب میں نے کچھ دیا جس کو وہ لڑکی سمجھ گئی اور اس جیسی دوسری خواتین بھی سمجھ گئیں۔

جواب یہ تھا کہ عورت اور مرد کے درمیان اس معاملے میں برابری نہیں ہوسکتی۔اس کا سبب یہ ہے کہ عورت ایک سال میں ایک ہی بار حاملہ ہوسکتی ہے، مرد ہو ہی نہیں سکتا، تو یہ ممکن ہے کہ ایک مرد کے کئی بیویوں سے کئی بچے ہوں لیکن عورت کے لئے یہ ممکن نہیں۔اس سے تو صرف ایک مرد سے ایک ہی بچہ ہوسکتا ہے، تو اگر عورت کئی نکاح کرنے لگے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ پیدا ہونے والا بچہ کس شوہر کا ہے، لیکن اس طرح کا معاملہ مرد کے ساتھ کئی بیویاں رکھنے میں نہیں ہوگا۔[۱]

اسی لئے عورت کئی شوہر رکھے، یہ عقل میں آنے والی بات نہیں۔شریعت نے اسے حرام کیا ہے۔ ایسا ناممکن ہے۔ایسا کرنے کی اجازت وہی شخص دے سکتا ہے جس کے اندر اچھے طرز عمل نام کی کوئی چیز نہ ہو، جسے عزت نفس کا کچھ خیال ہی نہ ہو۔[۲]

چوتھا شبہ: ایک سے زائد نکاح خاندان کے لوگوں کے درمیان مسلسل لڑائی اور بچوں کو

---

(۱) المرأة بين الفقه والقانون، (ص:۷۳-۷۴)

(۲) تعددالزوجات فی الإسلام (ص:۳۰)

برباد ہونے کا سبب ہے۔

تجزیہ: یہ انصاف نہیں ہوگا کہ صرف ایک ڈر کے سبب ہم شریعت کے اس سسٹم (حکم) کو ختم کریں۔ جہاں تک رہی بات لڑائی جھگڑے کی تو یہ انسان کی فطرت اور طبیعت میں ہے۔ یہاں تک کہ سگے بھائی بہن آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے لڑتے رہتے ہیں۔

سماج میں چاہے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، ہر ایک کے اندر لڑائی کی خاصیت ہوتی ہے۔ یہان تک کہ ایک خاندان کے اندر لوگوں میں لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اگر بھائی بہن میں نہیں ہے تو میاں بیوی میں لڑائی ہوتی رہتی ہے، یا شوہر کے گھر والوں سے لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں، یا بیوی کے گھر والوں سے لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں، اس لئے لڑائی ہونا ممکن ہے چاہے ایک بیوی ہو یا ایک سے زائد بیویاں ہوں۔

کبھی کبھی دو پریشانیاں ایک ہی گھر میں محبت کے ساتھ چلتی رہتی ہیں سگے بھائی بہن اور دوسرے لوگوں میں امتیاز نہیں ہوتا، کیونکہ ان سب کے اندر محبت اور ایک ساتھ مل کر رہنے کا منظر دیکھنے کو ملتا ہے جبکہ ان کے پڑوس میں سگے بھائی بہن آپس میں مسلسل لڑتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بیٹی اپنی ماں سے اور بیٹا اپنے باپ سے لڑتا رہتا ہے۔[۱]

اس لئے کوئی بھی ذی شعور یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک سے زائد نکاح کرنے سے بچے برباد ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کے چار وجوہات ہیں:

۱۔ ہمارے اسلاف کئی نکاح کرتے تھے لیکن یہ کہیں نہیں ملتا ہے کہ ان کی بیوی کو دوسری بیوی سے نکاح کرنے میں کوئی پریشانی ہوئی ہو یا یہ پتہ چلا ہو کہ بچے برباد ہو گئے۔ ہاں یہ چیز ہمارے زمانے میں ملی ہے جبکہ لوگوں کا عقیدہ کمزور ہو گیا ہے، اسلام کی تعلیم کم ہو گئی ہے، لوگ اسلام کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور جہالت پھیل گئی ہے۔

۲۔ یہ واضح ہے کہ بچے انسان کے عادات اور اس کے ساتھ سلوک سے بگڑتے ہیں نہ کہ کئی بیویاں رکھنے سے، جیسے کہ ماں باپ کا لڑنا، یا اچھے طرز عمل سے دور رہنا، اس لئے اس کو شریعت کے حکم

---

(۱) دحض الشبهات......(ص:۳۲۰)

کوختم کرنے کے لئے دلیل بنانا درست نہیں ہوگا۔

۳-اچھے طرزعمل اپنا کر،قرآن اور حدیث کی باتوں پر عمل کر کے ان شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جاسکتا ہے جو اسلام اور عورت کے دشمن اٹھاتے رہتے ہیں۔ (۱)

۴-جہاں تک رہی بات کہ کئی بیویوں سے نکاح کرنے سے اس لئے روکا جاتا ہے کہ اس سے بھائیوں کے درمیان موجود تعلقات میں پریشانیاں آجاتی ہیں۔

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ: اگر عورت کے شوہر کی موت ہوجائے، یا اس کو طلاق دے دے اور اس سے بچے ہوں، تو کیا اسے دوسرے مرد سے شادی کرنے سے روکا جائے گا اور اس کے لئے یہ دلیل دی جائے گی کہ ان بچوں اور مستقبل میں جو بچے ہوں گے، ان کے اندر لڑائیاں ہوں گی؟ یہ بہت ہی جھوٹ اور بے کار سوچ ہے، ہم اسے ایک اچھے کام سے صرف اپنی ایک غلط سوچ کی بنا پر روک دیں جو سوچ بے کار اور من گھڑت ہو؟

پانچواں شبہ: ایک سے زائد بیوی رکھنے سے غریبی آتی ہے، کیونکہ بچے زیادہ ہوتے ہیں۔

تجزیہ: کئی بیویاں رکھنا غریبی کا سبب نہیں۔ یہ سچ ہے کہ مالی طاقت انسانی تعداد ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دشمن جہاں ایک طرف کئی نکاح کرنے سے روکتے ہیں تو دوسری طرف عورت کو کام کے لئے نکلنے کو کہتے ہیں تا کہ کام میں جو کمی ہے اس کو پورا کیا جاسکے اور وہ بھی سماج کی ترقی میں حصہ دار بن جائے۔

یوروپ جو اتنی ترقی پر ہے وہ لوگوں کی تعداد اور ان کے اندر اتحاد کے سبب ہے۔ چین سے پوری دنیا صرف وہاں کے لوگوں کی تعداد سے ہی ڈرتی ہے۔ یہی معاملہ ہندوستان کے ساتھ بھی ہے جو آج کل 2008 میں چین سے آگے بڑھ گیا ہے۔ اور کیا جو بھی ملک پیچھے گیا ہے، صرف لوگوں کی تعداد کے کم ہونے کے سبب اس کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔

تو پھر کون سا اچھا ہے؟ بہت سارے بچے جو گھروں میں ہوں اور ان کی پرورش وتربیت خاندان میں ہو رہی ہو یا بہت سارے ناجائز بچے جو سڑکوں پر پڑے ہوں اور ادھر ادھر بھٹک رہے ہوں؟

(۱) نظام الاسرة فی الإسلام، از محمد عقلہ: (ص: ۲۵۷/۱)

آج اسلامی امت کو انسانی تعداد یعنی کام کرنے والے لوگوں کی بہت ضرورت ہے کیونکہ یہ جدوجہد کی امت ہے، خاص طور پر اس پر صیہونیوں کے حملے کے بعد جس کے ذریعہ انہوں نے اسلام کی تاریخ، احترام اور اس کی شکل کو ہمیشہ تک کے لئے مٹانے کی کوشش کی۔(۱)

چھٹاشبہ: زیادہ بیویاں رکھنے کا سسٹم اسلام کو پیچھے لے جانے کا سبب ہے اور آج کے اس زمانے کے لئے یہ مناسب نہیں کہ جس نے عورت کو اس کا حق دیا۔

تجزیہ: یہ ایک الزام ہے جس کو ادارے برائے خواتین نے اپنالیا ہے جو اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ''ایک سے زائد بیویوں سے نکاح کرنے کی بات اس وقت کی ہے جب عورت عام زندگی میں نہیں آئی تھی۔ لیکن اب وہ پرانی حالت سے آزاد ہو چکی ہے اور بہت کچھ کرنے کی اہل ہوگئی ہے۔ اس لئے اب ہر اس چیز سے روکا جائے گا جس سے بھی اس کی تذلیل ہوتی ہو اور جس سے بھی دونوں جنس کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہو۔(۲)

ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا سسٹم اسلام کو پیچھے لے جانے کا سبب کیسے ہوسکتا ہے، یا نئے زمانے کے اہل نہیں ہوسکتا، جبکہ یہ چیز ان قوموں میں زیادہ تھی جو ترقی پر تھیں اور پسماندہ قوموں میں یہ سسٹم کم پایا گیا اور اسی بات پر سماجیات کے ماہرین جیسے ''وستر مارک'' وہیلر اور جنز برج، متفق ہیں اور اس کا بیان تیسرے مطلب میں آچکا ہے۔

بلکہ بہت سارے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کئی بیویوں سے نکاح کرنے کا سسٹم بڑھتا رہے گا، لوگ اس کو اپناتے رہیں گے، جیسے جیسے سماج میں ترقی ہوتی رہے گی اس کے کرنے والوں کی تعداد بڑھتی رہے گی۔ اس لئے یہ سوچنا سچ نہیں ہے کہ کئی بیویوں سے نکاح کرنے سے ثقافت پیچھے چلی جائے گی یا اس کا تعلق پچھلی ثقافت سے ہے بلکہ اس کے برعکس ہو رہا ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔(۳)

بلکہ کئی بیویوں سے نکاح کرنے کا سسٹم (جیسا کہ اسلام میں قانون کے مطابق ہے) ثقافت

(۱) الإسلام عقيدة وشريعة، (ص:۲۰۹)

(۲) مشروع الحركة النسوية......، (ص:۵۲-۵۳)

(۳) حقوق الإنسان، (ص:۱۲۳)

کے آگے بڑھنے کا سبب ہے، جبکہ بہت ساری محبوبائیں رکھنا، جن سے آوارگی پھیل جاتی ہے جیسا کہ آج کے سیکولر سماج میں رواج ہے، ان سب چیزوں سے سماج اور تہذیب کی ترقی رک جاتی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف اسلامی طریقوں سے کئی بیویوں سے نکاح کرنے سے سماج ترقی کی جانب گامزن ہوتا ہے، اس بات کو بہت سارے اداروں نے قبول کیا ہے۔ (۱)

خلاصہ: وہ لوگ جو یہ شور مچاتے ہیں کہ مسلم عورت سے اس کے سارے حقوق چھین لئے گئے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے عورتوں کے سارے حقوق چھین لئے ہیں۔ اسلام نے عورت کو جو یہ حق دیا ہے کہ وہ خاندان کو بنائے رکھے، بچوں کی تربیت و پرورش کرے، اس سے بڑا حق اور کیا ہو سکتا ہے؟ ہاں! اسلام نے ایک سے زائد بیویوں سے نکاح کرنے کے سسٹم اور اس کے اوپر کچھ قوانین لگا کر حل عطا کیا ہے جو کہ عورت کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے، تو کیا ان لوگوں نے اس کے بدلے کوئی اور راستہ نکالا ہے؟

مثال کے طور پر برطانوی حکومت نے کنواری لڑکیوں کی پریشانیوں کو حل کرنے کے بجائے یہ قبول کرلیا کہ لڑکیاں مردوں سے اپنی ضرورت پوری کرسکتی ہیں۔ یہاں تک کہ حکومت کی لارڈس کونسل نے ہم جنس پرستی کے قانون کو 5/7/1966 میں منظور کرلیا۔ یہ ''اطلاعات'' نام کے اخبار کی رپورٹ کے مطابق لکھا گیا ہے۔ (۲)

اگر ہم یوروپ کے لوگوں کی خواہش کے اندر غور کریں تو پاتے ہیں کہ ان کے کچھ قانون بیوی کو بدلنے کی اجازت دیتے ہیں۔ (۳) تو کہاں ہیں شور مچانے والے؟ کہاں گئے مسلم عورت کے حقوق کی مانگ کرنے والے لوگ؟ ان کے لئے زیادہ اچھا ہوگا کہ وہ مغربی عورتوں کو ذلتوں سے بچانے کیلئے دوڑ پڑیں، بلکہ ہر دن اور ہر رات ادھر ادھر جانے سے بہتر ہے کہ اس کے لئے ایک شوہر کا گھر، خاندان اور بچوں کی تلاش کریں جہاں وہ ٹھیک سے رہ سکیں۔

☆☆☆

---

(۱) تصحيح بعض المفاهيم ......، (ص:۴۲)
(۲) المرأة المسلمة......، (ص:۳۵)
(۳) المرأة في الإسلام، از عبدالله شحاته، (ص : ۱۴۲)

فہرست کتاب

وکپۃظگ	طئمہ ڤغزت
پیش لفظ	3
پہلا باب:	7
مرد و عورت کے درمیان منصفانہ برابری	
پہلی فصل: مساوات اور عدل میں فرق	8
پہلی بحث: مساوات کی تعریف	9
دوسری بحث: عدل کی تعریف	11
تیسری بحث: عدل ومساوات کے مابین شرعی امتیاز	12
چوتھی بحث: مردوعورت کے درمیان مطلق مساوات کے خطرات	17
دوسری فصل: انسانیت میں عادلانہ مساوات	21
پہلی بحث: بشری اعتبار سے مساوات	22
دوسری بحث: انسانی شرافت میں مساوات	25
تیسری بحث: حقِ زندگی میں مساوات	29
تیسری فصل: اسلام میں عادلانہ مساوات	33
پہلی بحث: ایمان میں مساوات	34
دوسری بحث: تکالیفِ شرعیہ میں مساوات	39
تیسری بحث: ملکیت اور مالی تصرف میں مساوات	44
چوتھی بحث: شرعی سزاوں میں مساوات	47

پہلا مطلب: ارتداد کی سزا میں مساوات 48
دوسرا مطلب: قتل کی سزا میں مساوات 50
تیسرا مطلب: زنا کی سزا میں مساوات 51
چوتھا مطلب: چوری کی سزا میں مساوات 53
پانچواں مطلب: روزِ قیامت کی جزا میں مساوات 55
دوسرا باب : 62
عبادات میں منصفانہ امتیاز
پہلی فصل: طہارت کے بیان میں 63
پہلی بحث: بچہ اور بچی کے پیشاب کی تطہیر 64
دوسری بحث: کھڑے ہوکر پیشاب کرنا 67
پہلا مطلب: مرد کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا 68
دوسرا مطلب: عورت کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا 71
دوسری فصل: خصالِ فطرت 72
پہلی بحث: ختنہ 73
پہلا مطلب: مرد کا ختنہ 74
دوسرا مطلب: عورت کا ختنہ 76
عورت کے ختنہ کے خلاف عالمی مہم 78
مذکورہ الزامات وشکوک کا ازالہ 79
دوسری بحث: حلق 81
پہلا مطلب: مرد کا سر مونڈوانا 82
دوسرا مطلب: عورت کا سر مونڈوانا 84
تیسری فصل: زینت اور لباس کے بارے میں 86

پہلا مطلب: مردوں کے لیے سونے چاندی کے زیورات کا استعمال	88
دوسرا مطلب: عورت کے لیے سونے چاندی کے زیورات کا استعمال	91
دوسری بحث: خضاب لگانے کے بارے میں	92
پہلا مطلب: بڑھاپے کا خضاب	93
دوسرا مطلب: دونوں ہتھیلیوں اور پیروں پر مہندی...	94
☆عورتوں کے لیے ہاتھوں اور پیروں میں خضاب کا جواز	95
☆عورتوں کے لیے مہندی کے خضاب کا جواز	96
تیسری بحث: خوشبو کے بارے میں	97
پہلا مطلب: مردوں کی خوشبو کا وصف	98
دوسرا مطلب: عورتوں کی خوشبو کا وصف	99
چوتھی بحث: لباس کے بارے میں	102
پہلا مطلب: مردوں کے لیے ریشم پہننا	103
دوسرا مطلب: عورتوں کے لیے ریشم پہننا	108
تیسرا مطلب: اسبال	110
چوتھا مطلب: انگوٹھی پہننا	114
چوتھی فصل: نماز کے بارے میں	117
پہلی بحث: اذان	118
پہلا مطلب: مرد کی اذان	118
دوسرا مطلب: عورت کی اذان	120
دوسری بحث: امامت	121
☆ تاریخی شہادت	124
تیسری بحث: ستر کے بارے میں	127

پہلا مطلب: نماز میں مردوں کا ستر	128
دوسرا مطلب: نماز میں عورت کا ستر	129
چوتھی بحث: نماز جمعہ	130
پہلا مطلب: مردوں کے لیے نماز جمعہ	131
دوسرا مطلب: عورتوں کے لیے نماز جمعہ	133
پانچویں بحث: جماعت کی نماز	134
پہلا مطلب: مردوں کے لیے نماز باجماعت	135
دوسرا مطلب: عورتوں کے لیے نمازِ باجماعت	138
تیسرا مطلب: مردوں کے لیے باجماعت نماز کی فضیلت	142
چوتھا مطلب: عورتوں کے لیے باجماعت نماز کی فضیلت	144
پانچواں مطلب: مردوں اور عورتوں کی امامت کا موقف	147
چھٹا مطلب: نماز میں مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ	149
ساتواں مطلب: نماز میں مقتدی عورتوں کے کھڑے ہونے کی جگہ	151
چھٹی بحث: حائضہ اور نفساء سے نماز ساقط ہے	153
پانچویں فصل: جنازہ کے بیان میں	154
پہلی بحث: کفن کے کپڑے	155
پہلا مطلب: مرد کے کفن کے کپڑوں کی تعداد	155
دوسرا مطلب: عورت کے کفن کے کپڑوں کی تعداد	156
دوسری بحث: نماز جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟	158
تیسری بحث: نماز جنازہ کی ترتیب	159
چوتھی بحث: جنازہ کے پیچھے چلنے کے بیان میں	160
پہلا مطلب: مرد کا جنازہ کے پیچھے چلنا	161

دوسرا مطلب: عورت کا جنازہ کے پیچھے چلنا	162
پانچویں بحث: نعش کو چھپانے کے بارے میں	163
چھٹی بحث: جنازہ کو اٹھانے کے بارے میں	164
ساتویں بحث: مردے کو دفن کرنے کے بارے میں	166
آٹھویں بحث: تدفین کے وقت قبر کو چھپانا	168
پہلا مطلب: مرد کی قبر کو چھپانا	169
دوسرا مطلب: عورت کی قبر کو چھپانا	170
نویں بحث: قبروں کی زیارت	171
پہلا مطلب: قبروں کی زیارت مردوں کے لیے	172
دوسرا مطلب: قبروں کی زیارت عورتوں کے لیے	173
دسویں بحث: میت پر سوگ	175
پہلا مطلب: میت پر مرد کا سوگ	176
دوسرا مطلب: میت پر عورت کا سوگ	178
چھٹی فصل: زکاۃ، روزہ اور اعتکاف	181
پہلی بحث: مال کی زکاۃ	181
پہلا مطلب: شوہر کا اپنے مال کی زکاۃ اپنی بیوی کو دینا	182
دوسرا مطلب: بیوی کا اپنے مال کی زکاۃ اپنے شوہر کو دینا	183
دوسری بحث: نفلی روزہ	185
تیسری بحث: اعتکاف	187
ساتویں فصل: مناسکِ حج	190
پہلی بحث: عورت کے لیے خاص شرطیں	190
پہلا مطلب: محرم کی شرط	191

دوسرا مطلب: نفل حج کے لیے شوہر کی اجازت	193
تیسرا مطلب: عورت طلاق یا وفات کی عدت نہ گزار رہی ہو	194
دوسری بحث: ممنوعاتِ احرام	196
پہلا مطلب: سلا ہوا کپڑا پہننا	196
دوسرا مطلب: سر کا ڈھکنا	198
تیسرا مطلب: موزے پہننا	200
تیسری بحث: تلبیہ	201
☆ مرد کا تلبیہ پڑھنا	201
☆ عورت کا تلبیہ پڑھنا	202
چوتھی بحث: طواف	204
پہلا مطلب: اضطباع	205
دوسرا مطلب: رمل	207
تیسرا مطلب: کعبہ سے قریب ہونا	209
چوتھا مطلب: طوافِ وداع	211
پانچویں بحث: سعی	213
پہلا مطلب: صفا و مروہ پر چڑھنا	213
دوسرا مطلب: دونوں شعائر کے درمیان دوڑنا	215
چھٹی بحث: سر مونڈوانا اور بال چھوٹے کرنا	216
پہلا مطلب: سر مونڈوا کر اور بال چھوٹے کروا کر محرم مرد کا حلال ہونا	216
دوسرا مطلب: بال چھوٹے کرا کے محرم عورت کا حلال ہونا	218
ساتویں بحث: مزدلفہ سے روانگی	219
پہلا مطلب: مزدلفہ سے مردوں کی روانگی	219

دوسرا مطلب: مزدلفہ سے عورتوں کی روانگی 221
آٹھویں فصل: عقیقہ کے بارے میں 223
تیسرا باب: 225
جہاد میں منصفانہ امتیاز
پہلی فصل: جہاد کا حکم 226
پہلی بحث: مرد کے لیے جہاد کا حکم 227
دوسری بحث: عورت کے لیے جہاد کا حکم 228
☆ جہاد میں عورتوں کی شرکت کے شرائط 231
☆ دورِ جدید میں عورتوں کو فوجی بنانا 234
دوسری فصل: مردوں کو قتل کیا جائے گا نہ کہ عورتوں کو 236
تیسری فصل: جزیہ کے بارے میں 240
پہلی بحث: مردوں پر جزیہ کا حکم 241
دوسری بحث: عورت پر جزیہ کا حکم 244
چوتھا باب: 245
ذمہ داریوں میں منصفانہ امتیاز
پہلی فصل: امامتِ عظمی 246
☆ عالمی سیمینار و کانفرنس اور عورت کی منصب داری 252
☆ ان کانفرنسوں کی عام بنیادیں 253
دوسری فصل: وزارت 255
پہلی بحث: مرد کو وزارت کی ذمہ داری دینے کا حکم 255
دوسری بحث: عورت کو وزارت کی ذمہ داری دینے کا حکم 257
☆ عورت کی وزارت اور عالمی کانفرنس 259

تیسری فصل: قضاء کے بارے میں 260
پہلی بحث: مرد کے لیے قاضی بننے کا حکم 260
دوسری بحث: عورت کے لیے قاضی بننے کا حکم 263
چوتھی بحث: شہادت کے بارے میں 267
پہلی بحث: سزاوں میں گواہی 267
پہلا مطلب: سزاوں میں مرد کی گواہی 268
دوسرا مطلب: سزاوں میں عورت کی گواہی 270
دوسری بحث: اموال میں گواہی 274
پہلا مطلب: اموال میں مرد کی گواہی 274
دوسرا مطلب: اموال میں عورت کی گواہی 275
تیسری بحث: سزاوں اور اموال کے علاوہ میں شہادت 279
پہلا مطلب: سزاوں اور اموال کے علاوہ میں مرد کی گواہی 280
دوسرا مطلب: سزاوں اور اموال کے علاوہ میں عورت کی گواہی 282
چوتھی بحث: عورتوں کی شہادت ان معاملات میں جن کی اطلاع صرف عورتوں کو ہوتی ہے 284
☆مخصوص معاملات میں عوتوں کی گواہی کا نصاب 286
پہلی بحث: شوریٰ کی تنظیمیں 290
پہلا مطلب: شوریٰ کی مشروعیت 291
دوسرا مطلب: اہلِ شوریٰ 293
تیسرا مطلب: مجلسِ شوریٰ اور مجالس نیابت میں فرق 295
دوسری بحث: عورت کو اہلِ شوریٰ میں ماننے کا حکم 297
تیسری بحث: عورت کے انتخاب لڑنے کا حکم 303
چھٹی فصل: نوکری اور پیشہ اختیار کرنا 307

پہلی بحث: مرد کا نوکری اور پیشہ اختیار کرنا 307
دوسری بحث: عورت کا نوکری اور پیشہ اختیار کرنا 310
پہلا مطلب: عورت کے کام کرنے کا حکم 310
دوسرا مطلب: عورت کے کام کرنے کی جگہیں 317
تیسرا مطلب: عورت کے کام کرنے کے لیے نکلنے کے ضوابط 319
ساتویں فصل: ولایت نکاح 326
پہلی بحث: نکاح میں مرد کی ولایت 326
دوسری بحث: نکاح میں عورت کی ولایت 329
☆ ولی کی شرط لگانے کی حکمت 332
تیسری بحث: ماذونیہ کی ولایت 335
☆ ماذونیہ کے لیے عورت کا ولی ہونے کا حکم 337
آٹھویں فصل: پرورش کی ذمہ داری 341
پانچواں باب: 344

خاندانی حالتوں میں منصفانہ امتیاز

پہلی فصل: وراثت 345
پہلی بحث: اسلام نے وراثت میں عورت کو اس کا حصّہ دیا 346
دوسری بحث: چار حالتیں ایسی ہیں جن میں... 348
تیسری بحث: عورت کی میراث کے بارے میں شکوک وشبہات 352
دوسری فصل: نکاح کے بارے میں 357
پہلی بحث: مہر 358
دوسری بحث: نفقہ 361
تیسری بحث: از دواجی قوامیت 365

چوتھی بحث: طلاق	384
پانچویں بحث: تعدد ازواج	395
پہلا مطلب: تعدد ازواج کا حکم	396
دوسرا مطلب: تعدد ازواج سے مرتب ہونے والے اثرات	398
تیسرا مطلب: تعدد ازواج تاریخی حقائق کے آئینے میں	402
چوتھا مطلب: تعدد ازواج کے بارے میں شبہات	409
پہلا شبہہ	411
دوسرا شبہہ	412
تیسرا شبہہ	413
چوتھا شبہہ	414
پانچواں شبہہ	416
چھٹا شبہہ	417
فہرستِ کتاب	419